

عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا

زبدۃ الکاملین قدوۃ العارفین خاتم المفسرین فخر المحدثین شیخ الہند اسیر مالٹا حضرت الحاج
مولانا مولوی محمود حسن صاحب قدس سرہ کی سوانح مالٹا

از تصنیف لطیف و تالیف منیف

ماوائی وملجائی حضرت الحاج مولانا مولوی حسین احمد صاحب مدظلہ العالی جمہا مدنی
اسیر مالٹا ثم محبوس کراچی جانشین خاص حضرت الامام شیخ الہند طاب ثراہ

باسمائے

سفر نامہ اسیر مالٹا

و

حیات محمود

و

سوانح شیخ الہند

بسر پرستی حضرت مولانا محمد مبین صاحب خطیب دیوبند و حضرت الحاج مولانا مولوی
محمد عزیز گل صاحب اسیر مالٹا خادم خاص حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہ
بندہ ضعیف محمد مہدی عثمانی منتظم خلافت عثمانیہ دار الاشاعت والتجارت دیوبند
در مطبع سوراج پرنٹنگ ورکس باہتمام لالہ ہر نام داس گپتا طبع کرا کر شائع کیا

Madni, Ḥusain Ahmad

Safar-namah-yi asīr-i Māltā



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم۔

امابعد حسب ارشاد احباب و اکابر مدت دراز سے قصد تھا کہ حضرت مولانا ومقتدانا ووسیلتنا وذریعتنا فی الدارین حضرت خاتم المحدثین امام المفسرین مولانا **محمود حسن** صاحب شیخ الہند قدس اللہ سرہ العزیز کے احوال سفر حجاز ومصر ومالٹہ وغیرہ قلمبند کروں لیکن بد قسمتی سے اسقدر گوناگون موانع خلاف امید پیش آتے رہے جنکی وجہ سے ابتک یہ آرزو میدان ظہور میں جلوہ نما نہ ہوسکی۔ چونکہ جن بزرگوں نے مجکو اسکے تحریر کا حکم فرمایا تھا اُن میں زیادہ برگزیدہ اور میرے لئے واجب الاطاعت اور جنکی تابعداری میرے لئے سعادت دارین ہے، میرے وسیلۂ دُنیا وآخرت میرے ہادی ورہنما میرے ماوا وملجا جمکو اللہ اور رسول سے ملانیوالے قطب العالم شمس العالمین امام الفقہاء والمحدثین مرکز دائرۃ الحقیقت منطقہ سموات الطریقت فخر الاکابر ملاذ الاصاغر مرشدی ومولائی مولانا **رشید احمد** صاحب قدس اللہ اسرارہ العلیۃ وامدنا بفیوضاتہ البہیۃ الانصاری الگنگوہی کی صاحبزادی اور محترمی ومعظمی جناب حافظ محمد یعقوب صاحب گنگوہی دام مجدہٗ کی والدہ ماجدہ دام مجدہا ہیں اسلئے امتثالاً للامر میں اسکو تحریر کرتا ہوں اور اُنکی خدمت اقدس میں نذر کرکے اُن کی دعوات صالحہ کا اُمیدوار ہوتا ہوں ؏

مولانا مرحوم کے جملہ احوال وسوانح کا قلمبند کرنا ان اوراق میں منظور ہے اور نہ ہی مجھ میں اتنی قابلیت اور واقفیت ہے۔ مجھکو بیشک ایک عرصہ دراز اپنی عمر کا حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کرنیکا ملا اور اُس میں حضرت رحمہ کے گھر بار فیض سے اپنی استعداد کے اور اپنی قسمت لنگ کے موافق کچھ نہ کچھ استفادہ ضرور ہوا مگر نہ تو وہ مدت حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے احوال زندگی کو احاطہ کرسکتی تھی اور نہ اپنی معلومات اس مدت کی قابل وقعت شمار ہوسکتی ہیں ؏ میں سنہ ۱۳۰۹ ہجری کے ابتدا میں جبکہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی عمر بیالیس ۴۲ برس کی تھی **دیوبند** حاضر ہوا۔ چونکہ

بیزادہ زمانہ طفولیت اور صغر سنی کا تھا یعنی بارہواں یا تیرہواں سال تھا کتابیں بھی بالکل ابتدائی پڑہتا تھا عقل و فراست تو نہ جب تھی نہ اب ہے، اسلئے مجامع اکابر میں حاضر ہونا اور ہر قسم کے احوال روحیہ و علمیہ سے فیضیاب ہونا کوئی مناسبت نہ رکھتا تھا +

اسمیں شک نہیں کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی نظر عنایت (جسکا انکار کرنا سراسر کفران نعمت ہے) مجھ نالائق کے حال پر اُس زمانہ میں بھی نہایت زیادہ متوجہ رہی اور اسی وجہ سے ابتدائی کتابیں صرف منطق ادب وغیرہ کی حضرتؒ سے پڑھنے کی نوبت آتی رہی حالانکہ بڑی کتابوں کے پڑھنے کے شائق وقت تک نہیں پاتے تھے مگر مولانا مرحوم کے لطف و کرم نے اپنے ناچیز نام لیوا کو خارج از وقت مدرسہ کے بے بہا گوہر سے محروم نکرنے دیا +

رفتہ رفتہ جب کچھ عقل و شعور کچھ آیا اور سنہ ۱۳۱۶ ہجری میں کتابوں کے ختم کرنے کی نوبت آئی تو سفر حجاز پیش آیا اور بمعیت حضرت والد صاحب مرحوم وہاں مقیم ہونا پڑا جسکی وجہ سے مولانا مرحوم کی حضوری سے ایک گونہ محرومی رہی بسنہ ۱۳۱۹ ہجری میں جبکہ پہلے سفر ہند میں احقر حاضر ہوا تو اکثر مدت اقامت گنگوہ شریف اور مختلف سفروں میں گذری حالانکہ اس سفر میں تقریباً سات ماہ ہندوستان میں قیام ہوا تھا۔ اسلئے حضرت مولانا مرحوم کی خدمت فیضدرجت سے اس مرتبہ بھی تقریباً محرومی ہی رہی +

سنہ ۱۳۲۶ ہجری میں جب دوسری مرتبہ حاضر ہوا تو بیشک تقریباً تین برس خدمت اقدس میں حاضر رہا اگرچہ حسب قول مشہور

ص سیہ بختان قسمت را چہ سود از رہبر کامل ۔ کہ خضر از آب حیواں تشنہ مے آرد سکندر را + محرومی اور ناکامی نے اپنے کرشموں کے دکھلانے میں کوئی کمی نہ کی۔ مادی افکار، دنیاوی خیالات، سفلی ہمتوں، اخلاقی کمزوریوں نے کبھی بام ترقی اور استفادہ کمالات کی پرواز پر قدرت اور توجہ نکرنے دی +

تیسرا سفر سنہ ۱۳۳۱ھ میں واقع ہوا جسمیں فقط چند ماہ قیام ہوا مگر وہ بھی مختلف اسفار و افکار ہی کے نذر ہونیکی وجہ سے باعث محرومی رہا الحاصل میں ہرگز اتنی علمیت اور واقفیت نہیں رکھتا کہ مولانا قدس اللہ سرہ العزیز کے جملہ احوال قلمبند کر سکوں۔ ہاں اپنی کوتاہ نظر اور سرسری واقفیت کی حیثیت سے اس سفر حجاز اور اسکے بعض احوال کے متعلق کچھہ نذر عرض کرونگا +

لیکن قبل از عرض اتنا ضروری پیشکش کرنا چاہتا ہوں کہ حسب مقولہ اکابر "قدر جوہر شاہ داند یا کہ داند جوہری" مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات باطنیہ اور فواضل علمیہ کی اطلاع حقیقۃً یا تو خود جناب باری عز اسمہ

کو ہو سکتی ہے یا اُن اہل اللہ اور علمائے فحول کو جنکو خداوند کریم نے چشم تحقیق اور بصیرت کاملہ عطا فرمائی ہے ہم جیسے مادرزاد اندھے کیا پہچان سکتے ہیں +

نیز یہ بھی جتلا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھکو سلیقہ عبارت آرائی اور مضامین کو نئی قالب اور عام پسند طرز میں لانیکا نہیں۔ اگر تکلف اسکو لانا بھی چاہتا ہوں تو چونکہ وہ نہ تو طبعی ہے نہ اسقدر مشق ہے کہ طبیعت ثانیہ کا حکم لے چکا ہو اسلئے عاجز رہجاتا ہوں۔ میرے معزز ناظرین مجھکو ایسی ہفوات اور عبارت کی غلطیوں پر معاف فرمائیں +

حسین احمد مہاجر مدنی

مولانا مرحوم کے مجمل اور مختصر احوال

جن حضرات نے مولانا مرحوم کو دیکھا ہوگا اور اُن کے اخلاقی لائف پر نظر ڈالی ہوگی وہ بخوبی جانتے ہیں کہ مولانا کو قدرت کی فیاضیوں نے ایک ایسا دل دیا تھا جسکی وسعت سات سمندروں سے کہیں زیادہ تھی۔ اقالیم سبعہ اُسکے ایک ادنیٰ گوشہ میں بھی اپنا پتہ تبلا نہ سکتی تھیں +

اُسنے بحرِ امدادی سے فیوضات حاصل کئے مگر ڈکار نہ لی اُسنے قاسمی نہریں پی ڈالیں مگر ہضم کر گیا اُسنے رشیدی گھٹاؤں اور دہواں دھار بادلوں کو چوس لیا مگر کبھی بے اختیار نہ ہوا۔ دعویٰ نہ کیا شطحیات پر نہ آئیں۔ استقامت سے نہ ہٹا شریعت کو نہ چھوڑا۔ عشق میں گھُل کر لکڑی ہوگیا مگر دم نہ مارا۔ سه

در کفے جام شریعت در کفے سندانِ عشق ۔ ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

روحانیت کی بھینی بھینی بادِ صبا اُسکے سویدا اور دماغ میں گونجتی ہوئی مخمور کرتی رہتی تھیں مگر وہ دائرہ تمکین سے باہر نہ ہوتا تھا نسبتِ چشتیہ صابریہ کی روشن اور اغیار سوز تجلی اُسکے اطراف و جوانب اور اعضائے رئیسہ کو سوختہ کرتی رہتی تھی مگر شل شمع سوزاں کبھی اُف نکرتا تھا۔ طریقت کے خوش آیند احوال اُسپر متجلی ہوتے رہتے تھے۔ مگر کبھی آواز ادنی لوگوں کو سُننے نہ دیتا تھا +

اُسنے فقط باطنی فیوضات کے لئے ہر قسم کے ضبط سے کام نہیں لیا بلکہ علوم ظاہریہ میں بھی باوجود

مجدد حدیث و فقہ و امام تفسیر و کلام وغیرہ ہونیکے کبھی اپنے آپکو دفتر علمار میں شمار نہ ہونے دیا۔ اُنکی کسی حالت اور کسی عملی کارروائی سے کوئی یہ نہیں سمجھہ سکتا تھا کہ یا اپنے آپ کو عالم اور ہادی خلق یکتائے زمانہ شمار کرتا ہے۔ اُسنے جس فروتنی اور کسر نفسی سے اپنی زندگانی گذاری ہے وہ اہل اللہ میں بھی خاص خاص لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔ ہم نے مولانا کے معاصرین اور اساتذہ کو دیکھا ہی بلکہ خود اُنکے اُن معاصرین کو جنہوں نے مولانا کے اکثر بلکہ جملہ اساتذہ اور مشائخ کو دیکھا تھا کہتے ہوئے سُنا کہ فروتنی اور کسر نفسی میں تو مولانا اپنے زمانہ کے جملہ علمار تو درکنار اپنے جملہ اساتذہ سے بھی سبقت لیگئے۔ پھر جبکہ کوئی فرد بشر اسکا انکار نہیں کرسکتا کہ مولانا مرحوم کی جملہ حرکات و سکنات للمیت اور اخلاص پر مبنی تھیں۔ اغراض و نفسانیت کا اُن میں نام و نشان بھی نہ تھا تو حسب قاعدہ نبویہ:۔

من تواضع للہ رفعہ اللہ۔ | جس نے اللہ کیلئے فروتنی اختیار کی اُسکو اللہ تعالی بلند کریگا۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی کیسی اور کتنی عالیشان کا بارگاہِ رب العزت میں پتہ چلتا ہے اسمیں شک نہیں کہ جو کچھہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل ہوا وہ سب کچھہ حضرت مولانا نانوتوی اور مولانا گنگوہی قدس اللہ اسرارہما ہی کا فیض تھا مگر حُسن قابلیت اور مبدا فیاض کے کرم نے نہایت ہی عجیب عدیم النظیر شگوفہ بنا دیا تھا۔ اَللّٰھُمَّ ارض عنہ وارضہ وامدنا بامدادہ۔ اٰمین +

اس قلب کو جسطرح خداوند کریم نے وسعت عطا فرمائی تھی اسی طرح تحمل اور حوصلہ اسقدر عطا فرمایا تھا کہ واقف احوال دنگ رہجاتا تھا۔ لوگوں کے وہ عیوب و اخلاق جنکو بڑا حلیم الطبع دیکھکر آپے سے باہر ہوجائے مولانا کی جبین پر تغیر بھی پیدا نہیں ہونے دیتے تھے معصیت خداوندی میں تو دوسری حالت تھی۔ مگر غیر معصیت اور اصلاح خلق میں اور علی ہذا القیاس تکالیف و آزار کے برداشت کرنے میں تو وہ ایک نہایت بلند پہاڑ تھے کہ جنکو نہ زلزلہ ہلا سکتا ہے نہ بجلی گرا سکتی ہے۔

اسی تحمل اور قصد اصلاح کی بنا پر بسا اوقات کوتاہ نظروں اور ضعیف الحوصلہ لوگوں کو مولانا مرحوم کی نسبت لفظ مداہنت وغیرہ کے کہدینے کی بھی نوبت آئی۔ مگر جبکہ انجام اور مولانا کے دیگر احوال پر اُن کی نظر پڑی تو دم بخود رہ گئے اور اپنی خطا پر معترف ہوئے +

فطرۃ نے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے دل و دماغ کو ذکاوت اور حفظ کا بھی وہ اعلیٰ درجہ عنایت فرمایا تھا

جسکی نظیر وہ اپنے آپ ہی تھے - جن لوگوں نے مولانا کے حلقۂ درس میں کچھ زمانہ گذارا ہوگا اور پھر دوسرے علمار زمانہ کی تحقیقاتیں اور علمی قابلیتوں کی سیر کی ہوگی وہ بخوبی جانتے ہیں کہ یہاں پر بے شبہ یہ شعر صادق آتا ہے :-

ماشبہ علماء البریۃ منکم　　　الا کشبہ الھمز من اسل التری

خداوند کریم کے کمالات کی جسطرح کوئی حد و نہایت نہیں اسی طرح اُسکی فیاضیوں کی بھی کوئی حد و نہایت نہیں :-

لیس علی اللہ بمستنکر　　　ان یجمع العالم فی واحد

جب کبھی کسی نے شعر و سخن میں مولانا سے مذاکرہ کیا ہے تو اسقدر اُردو فارسی عربی کے اشعار اُسکو سُننے پڑے ہیں کہ اُسکو سوائے حیرانی اور کوئی چیز ہاتھ نہیں آئی - پھر اسپر طرہ یہ کہ قدرت نے موزونیت طبع وہ عطا فرمائی تھی کہ کھرے اور کھوٹے کو خوب پہچانتے اور اُس میں تمیز کامل فرماتے تھے وہ اعلیٰ درجہ کے اشعار تالیف فرماتے تھے کہ طبقۂ علمار تو درکنار حذاق شعرا بھی عش عش کر جاتے تھے ✦

قدرت کی فیاضیوں میں سے ایک یہ بھی بڑی فیاضی تھی کہ مولانا کے قلب و دماغ میں اسلامی ہمدردی اور انسانی غیرت، مذہبی حمیّت، قومی جذبات کوٹ کوٹ کر بھر دئے گئے تھے - وہ فقط مدرسہ نشین یا خانقاہی بزرگ حضرات کی سی ہمّت پر اکتفا نہ کر سکتے تھے - اُن کی ہمّت مردانہ اُن کو چین نہ لینے دیتی تھی اُن کو قومی جذبات ہر وقت بیقرار رکھتے تھے - اُن کی مذہبی حمیّت اُن کیلئے تمام مصائب سہل کرتی تھی اُن کی انسانی غیرت اغیار سے جوڑتی اور نااہل اپنوں سے توڑتی رہتی تھی - اُنکی اسلامی اور وطنی ہمدردی اُن کو کبھی اپنی سن و سال ضعیف العمری اور امراض مزمنہ کا خیال بھی نہ لانے دیتی تھی - اُن کو اس راہ میں عزت کا خیال تھا نہ راحت کا نہ عزیز و اقارب کی فکر تھی نہ مال و دولت کی ✦

ابتدائی تحریک

بلقان کے خونخوار اور طرابلس کے سنگین واقعہ نے مولانا کے دل و دماغ پر نہایت عجیب مگر بیچین کنندہ اثر ڈالا - چنانچہ اُسوقت حسب طریقۂ اُستاد اکبر مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ (در جنگ روس) مولانا نے پوری جان توڑ کوشش امداد اسلام میں فرمائی - فتوے چھپوائے مدرسہ کو بند کرایا، طلبہ کے وفود بھجوائے، خود بھی ایک وفد کے ساتھ نکلے، چندے کئے، اور ہر طرح سے

مدد کی ترغیب دیکر ایک اچھی مقدار بھجوائی۔ مگر اسپر بھی چین نہ پڑا۔ کیونکہ جنگ بلقان کے نتیجہ نے دور بینوں کو بالکل غیر مطمئن کر دیا تھا اور تبلا دیا تھا کہ یورپ کے سفید عفاریت اسلام کے ٹمٹماتے چراغ کو گل کرنیکی فکر میں ہیں۔ پھر ذمہ داران برطانیہ مسٹر اسکوئیتھ وغیرہ کی روباہ بازیاں خرس روس کی جفا کاریاں تو یقین دلاتی تھیں کہ تقسیم ٹرکی اور اجزار دھائیگا کلیڈسٹون کا زمانہ سر پر ہی آگیا ہے۔ جو مقاصد مسیحی دنیا کے زمانہ دراز سے چلے آتے تھے اور جن چالوں سے اسلامی دنیا اور خلافت مقدسہ کی بوٹی تکے کئے جارہے تھے اب اُن کے انتہا کا زمانہ آگیا ہے اب کوئی دن میں اسلامی وجود دنیا سے اُسی طرح مٹا دیا جائیگا جسطرح یہودیت تمام عالم اور اسلامیت اسپین اور پرتگال سے ۔ مولانا مرحوم کو اس فکر نے سخت بے چین کر دیا زندگی بھاری ہوگئی نیند اوچٹ گئی مگر زمانہ کی تاریکیاں موسم کی کالی کالی گھٹائیں، احوال کی نزاکتیں مسلمانوں اور اہل ہند کی ناگفتہ بہ کمزوریاں ہر طرح اس میدان میں قدم رکھنے سے مانع ہوتی رہیں۔ چونکہ اس مقدس ہستی کو فقط اپنے خدائے قدوس پر بھروسا تھا اسلئے اُسنے تمام خیالات اور اوہام لاحول پڑھا اور مردانہ وار گام زن ہوا اُسکو مشکلوں کا سامنا ہوا۔ اُسکو سخت اور تند آندھیوں کا مقابلہ کرنا پڑا اُسپر باد سموم کے جھلسانے والے تھپیڑوں نے طمانچے مارے اُسکے لئے احباب و اقارب مار آستین بن گئے ہر شخص ناصح بنکر سد راہ ہوا مگر اُسکے استقلال کے مضبوط قدموں نے ذرا بھی جنبش نہ کی سب کو چھوڑ دیا مگر اپنے خدا پر بھروسہ کر کے دن رات کام میں لگا رہا۔ چونکہ کوشش کا نتیجہ کامیابی ضروری ہے اُسکو کچھ عرصہ کے بعد معلوم ہوگیا کہ ابھی تک دنیا میں کام کرنے والے لوگ بھی موجود ہیں مگر کام لینے والے بہت کم ہیں مسلمانوں میں قابلیت ہے مگر اُن کو جمع کرنیوالا نہیں +

چونکہ میں اُس زمانہ میں مدینہ منورہ میں تھا اسلئے تفصیلی احوال پبلک کے سامنے پیش کرنے سے عاجز ہوں ۔ مگر اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ اُسنے ایسے تیرہ و تاریک زمانہ میں بہت سا کام کر ڈالا ۔ میرے معزز ناظرین کہیں بے سوچے سمجھے یہ نہ کہہ بیٹھئے کہ کونسا ملک فتح کر لیا یا کونسی حکومت قائم کر لی یا کونسا کار نمایاں دکھلا دیا ۔ میرے پیارے ناظرین یہ وہ زمانہ تھا کہ سیاست کیطرف آنکھ اُٹھانا سنہ ستاون کا سماں باندھتی تھی ۔ آزادی کا خواب بھی اگر کسی کو دکھائی دیتا تھا تو اُسکا پتہ پانی ہوجاتا تھا خود مختار حکومت کی خواہش زبان پر لانا برق جہانسوز سے زیادہ تباہ کن شمار ہوتی تھی ۔ برطانی بتوں نے

عالم کے دل و دماغ پر اپنا کانسہ جما رکھا تھا۔ اگر میں یہ کہوں کہ لوگوں کے دلوں پر جسقدر موجودہ حکومت کا خوف تھا اُسقدر بلکہ اُسکا عشر عشیر بھی خدائے قہار کا اثر نہ تھا۔ جیسا کہ اب بھی بہت سی ہستیاں ابھی خیال میں ہیں تو غالبًا میں دروغگو شمار نہ کیا جاؤں گا۔ ایسے نازک وقت میں ایک شخص کا بھی ہمخیال بنا لینا بڑی کامیابی ہے ٭

حضرات! بنیاد کا پڑ جانا ہی سخت مشکل کام ہے پھر تو مکان کا تعمیر کرنا آسان ہوجاتا ہے۔ الحاصل مولانا نے اِسی تھوڑی سی مدت میں بہت کچھ کامیابی حاصل کر لی اور کام کرنیوالوں کیلئے جنکو مدت سے تحیر اور مدہوشی تھی مگر طریق کار ہاتھ نہ آتا تھا شاہراہِ عمل قائم کر دی۔ اصحابِ دل اور اربابِ درد خوشی خوشی مولانا کے ہمراز ہو گئے اور علاوہ اسکے اور بھی بہت سے کام ہو گئے جنکو ان مختصر اوراق میں لانا مشکل بلکہ غیر ممکن ہے۔ اسی اثنا میں فلک نے نیا گل کھلایا اور جنگِ عمومی کی تیرہ و تاریک بنیاد پڑ گئی۔ سارے عالم میں خون کے فوارے پھوٹ پڑے۔ بستیاں کی بستیاں برباد ہونے لگیں۔ بر و بحر میں فتنہ و فساد پھیل گیا۔ مظلوم و بیمار ٹرکی پر بھی جور و جفا کی آندھیوں نے اندھیرا پھیلایا۔ ابھی تک اُسنے بلقان کے تباہ کرنے والے صدموں سے سنبھالا نہ لیا تھا کہ ایک خونخوار بلا ناگاہ اُس کے سر پر آدھمکی دشمن جو کہ مدتوں سے تقسیمِ ٹرکی کی فکر میں تھے موقع مناسب دیکھکر وقت کو غنیمت سمجھنے لگے۔ عراق میں مدتوں کی سازشیں، سوریہ میں سالہا سال کی ریشہ دوانیاں، حجاز میں برسوں کی خُفیہ کوششیں، آرمینیہ میں قرنوں کی ظاہر اور پوشیدہ کارروائیاں، پیٹرِ اعظم کی قدیم وصیتیں، فرانس اور گلیڈسٹون کی قلبی خواہشیں پھول اور پھل لانے کے لئے تیار ہو گئیں۔ اِس ایک زبانِ اسلام پر بتیس مسیحی دانتوں نے خوب زور آزمائی کی۔ ہر ایک نے طرح طرح کی دھمکیوں اور قسم قسم کی قوتوں سے اُسکو دبانا شروع کیا۔ اُسکے بنے بنائے مکمل دو دو ڈریڈ ناٹ جنکو اُسنے اپنے خون سے بنوایا تھا اپنی قوم پر فاقے گوارا کر کے جیبوں سے کروڑ ہا پونڈ نکلوا کر تیار کرائے تھے۔ برطانیہ نے عمدًا چھین لئے ہر ہر محاذ پر قوتِ جنگی جمع کر دی گئی۔ الحاصل ایسے گونا گون معاملات کئے گئے جنکی وجہ سے مجبورًا خلافت کو بھی ایک ایسے فریق کا ساتھ دینا پڑا جس کا ضرر گذشتہ زمانہ میں عالمِ اسلام پر بہ نسبت فریقِ ثانی نہایت ہی کم تھا اور جس سے بہت زیادہ امید کیجا سکتی تھی کہ وہ استقبال میں عالمِ اسلام کیلئے مفید اور اُن کی آزادی کا ہمدرد ہوگا ٭

مولانا مرحوم کی حالت ابتدائے جنگ میں اور گورنمنٹ کو بدظنی کی وجہ

اس حالت نے مولانا مرحوم کے قلب حزین پر نہایت زہریلا اثر ڈالا اُن کو نا انصافیوں نے بیحد بےچین کردیا۔ ہر وقت اس جنگ کی فکر لگی رہتی تھی چونکہ عالم اسلامی کی حامی فقط ایک خلافت ٹرکی باقی رہگئی تھی اسلئے جملہ اہل ایمان کو اُسی سے لگاؤ اور تعلق تھا اسی لئے قلباً اور قالباً اُسی کی طرف آنکھیں لگی ہوئی تھیں اگر اس جنگ کے زمانہ میں بھی مثل بلقان ہلال احمر وغیرہ کے چندوں کی اجازت ہوجاتی تو غالباً مسلمانوں کے جوش دینی کی کسی قدر صورت ظاہر ہوجاتی مگر اس زمانہ میں تو یہ امداد بھی جو کہ محض انسانی امداد تھی جنگ سے اسکو کوئی علاقہ نہ تھا جرم خیال کیا جانے لگا۔ خلافت کی ہمدردی گناہ شمار ہونے لگی۔ یہانتک کہ بعض مقامات میں خلافت کیلئے دعا کرنا بھی جرم شمار کیا گیا۔ ہر ہر ضلع میں معزز لوگ جمع کئے گئے اور خلافت اسلامیہ کے تعلقات کو پوچھا گیا عموماً ایمان فروشوں نے ٹرکی سے اپنی بے تعلقی اور برطانیہ سے ہر طرح ہمدردی کا اظہار کیا۔ بہت سے علماء سوء نے خلافت ٹرکی کے متعلق فتاوی میں زہر اُگلنا شروع کردیا۔ بہتوں نے خوف زدہ ہوکر سکوت یا ذو وجہین بیان کو ترجیح دیا۔ عام پبلک نے ہر طرح خلاف اسلام داد دی۔ پھر جبکہ گورنمنٹ نے عام اعلان شائع کردیا کہ یہ جنگ ٹرکی سے سیاسی ہی مذہبی نہیں تب تو کھلے ہاتھوں منافقین کو میدان میں کھیلنے کا موقعہ ہاتھ آگیا۔ ان واقعات نے اہل دل کے جوش اور غیرت کو بے حد بھڑکا دیا چونکہ مولانا کی غیرت دینی بیحد تھی ان احوال کو دیکھکر اپنے آپے میں نہیں رہ سکتے تھے اسلئے بسا اوقات بعض کلمات مخالف مصلحت اور مغائر سیاست جوش مذہبی میں نکل جاتے تھے جنکی وجہ سے گورنمنٹ کے ہوا خواہوں، دشمنان اسلام، خواہشات نفسانی کے بندوں کو گورنمنٹ کے کان بھر دینے کا اچھا موقعہ ہاتھ آگیا وہ دشمنان مولانا مرحوم جنکو مدتوں سے آرزو تھی کہ وقت ہاتھ آئے کہ مولانا کی تذلیل و توہین کا سامان ہو اُن کی آرزو پوری ہوگئی۔ (دنیا میں کوئی کتنا ہی صلح جو کیوں نہو دشمن اور دوست سے خالی نہیں رہ سکتا خصوصاً وہ ہستی جو کہ مرجع انام ہوجاتی ہے اُس کے دشمن بھی ضرور بہت ہوتے ہیں) ادھر وہ فتاوی جو در بارہ عدم استحقاق خلافت ٹرکی تھے دو مرتبہ پیش کئے گئے دونوں مرتبہ مولانا نے رد کردئے اور جن لوگوں نے اُسپر لکھا تھا سخت کلمات استعمال کئے مجمع عام میں اُنکو پھینکدیا۔ چونکہ یہ فتوے باشارہ یا بامر گورنمنٹ تھے اس لئے اُنکی وجہ سے گورنمنٹ کو اور بھی بدظنی کا موقعہ ہاتھ لگا۔ چنانچہ مولانا سے ان فتووں کی نسبت مصر میں سوال

کیا گیا) مولوی عبدالحق حقانی وغیرہ اِن فتووں کے محرراور موجد تھے۔ سرحد افغانستان میں بھی اُن ایام میں واقعات پیش آئے اور گورنمنٹ کا جانی اور مالی نقصان ہوا۔ چونکہ عام طور پر قبائل میں اس قسم کی تحریکات وہاں کے مولویوں کے ذریعہ سے ہوا کرتی ہیں اور اکثر مولوی یاغستان یا افغانستان وغیرہ کے مولانا مرحوم کے شاگرد یا اُن کے معتقد ہیں اسلئے دشمنوں کو گورنمنٹ کے کان بھر دینے کا اَور بھی زیادہ موقع ہاتھ آیا اور یہ سمجھایا گیا کہ جو تحریکاتِ جہاد قبائلِ یاغستان میں ہو رہی ہیں وہ سب مولانا کے اشارہ سے ہیں۔ اس موقع پر بدخواہوں نے مولانا مرحوم کے جوش زمانہ جنگِ بلقان و طرابلس سے بھی گورنمنٹ کو بدظن کرنے میں نفع اُٹھایا۔ خلاصۂ کلام یہ کہ اِدہر تو جنگ کے واقعات مولانا مرحوم پر اثر ڈال رہے تھے اُدھر گورنمنٹ کو بدظنی بڑہتی جاتی تھی دشمنوں کو بھی برابر موقع ہاتھ آرہا تھا۔ آخر کار نوبت باینجا رسید کہ گورنمنٹ کو بہت زیادہ بدگمانی مولانا سے ہوگئی۔ بعض باخبر احباب نے مولانا سے عرض کیا کہ ان دنوں زیرِ قانونِ تحفظِ ہند گورنمنٹ لوگوں کو اسیر کر رہی ہے۔ چنانچہ مولوی ظفر علی خاں صاحب اڈیٹر اخبار زمیندار مولانا محمد علی صاحب اڈیٹر کامریڈ اور اُن کے بھائی مولوی شوکت علی صاحب وغیرہ نظر بند ہو چکے ہیں آپکی نسبت بھی یہی فکر ہے اسلئے مناسب ہے کہ اس زمانہ فتنہ میں جبکہ کوئی تحقیق واقعی طور پر نہیں ہوتی آپ اپنی حفاظت کا کوئی سامان کریں۔ مولانا مرحوم کا قصد عرصہ سے حجاز کا تھا اسلئے مناسب معلوم ہوا کہ ان دنوں حجاز کا سفر کیا جاوے اور کم از کم مدتِ جنگِ عمومی جو ہیں امن و امان کے ساتھ یادِ الٰہی میں مشغولیت رہے۔ یہ آخری زمانہ عمر کا ایسے مسعود و مبارک سرزمین میں صرف ہونا نہایت افضل اور انسب ہوگا۔ اسلئے وہاں کی تیاری شروع کر دی جو کہ یکبارگی وقوع میں آئی +

مولانا مرحوم کا حجاز کو روانہ ہونا

ماہِ شوال ۱۳۳۳ھ میں قصد فرمایا چونکہ مولوی عزیز گل صاحب خادمِ خاص کو اپنے وطن کیطرف جانا اور اپنے اکابر سے ملنا اور اجازت چاہنا ضروری تھا اسلئے اُن کی واپسی کا انتظار فرمایا اس مدت میں سامانِ سفر قدرے مہیا ہوگیا۔ عالیجناب حکیم عبدالرزاق صاحب غازیپوری برادرِ بزرگ جناب ڈاکٹر انصاری نے اِس سفر میں نہایت زیادہ مدد دی جسکے حضرت مولانا مرحوم ہمیشہ ممنونِ منت رہا کئے حکیم صاحب موصوف مولانا سے پہلے بمبئی پہنچگئے اور ہر قسم کا ضروری سامانِ سفر نہایت فراخدلی کے ساتھ مہیا کر دیا۔ بلکہ جائے قیام اور ٹکٹ وغیرہ کا بھی انتظام کافی طور پر کر دیا +

مولانا کے رفقائے سفر

مولانا کی روانگی ایک معمولی شخص کی روانگی نہ تھی بہت سے ارباب عقیدت بہ استفاضہ یا خدمت کیلئے ساتھ ہو لئے جنمیں سے خاص خاص حضرات حسب ذیل ہیں۔ مولانا مرتضیٰ حسن صاحب چاندپوری۔ مولانا محمد سہول صاحب بھاگل پوری۔ مولوی محمد میاں صاحب انبہٹوی۔ مولوی عزیر گل صاحب ساکن زیارت کاکا صاحب۔ حاجی خان محمد صاحب مرحوم۔ مولوی مطلوب الرحمن صاحب دیوبندی۔ حاجی محبوب بخش صاحب سہارنپوری۔ حاجی عبد الکریم صاحب سرونجی۔ وحید احمد وغیرہ +

مولانا کے سفر کی نسبت افواہ

عام لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ مولانا دیوبند سے ہجرت کرکے جارہے ہیں اور اب ہمیشہ حرمین شریفین میں عمر بسر فرمائیں گے اور چونکہ مولانا مرحوم نے بخوفِ وفات اپنی جائداد شرعی طریقہ پر ورثہ میں تقسیم کردی تھی اسلئے اور بھی لوگوں کو اس خیال میں تقویت ہوئی مولانا نے ایک عرصہ تک کے لئے اپنے گھر کے مصارف کا بھی انتظام کردیا تھا۔ اس خاص افواہ کی وجہ سے ہر اسٹیشن پر لوگوں کا بہت بڑا مجمع زیارت کیلئے موجود رہتا تھا۔ طلباء مدرسہ نے اپنے اپنے اعزہ کو تاریخ روانگی سے تار کے ذریعہ مطلع کردیا تھا۔ غرضکہ ہر اسٹیشن پر ہزاروں کا مجمع ہوتا تھا جسکی وجہ سے مصافحہ کرنا بھی سخت دشوار تھا تشییع کرنیوالے بھی بہت سے ساتھ ہو گئے تھے۔ دہلی میں مولانا مرحوم نے گاڑی میں قدرے تاخیر ہونے کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب انصاری کی کوٹھی پر جاکر چاء بھی نوش فرمائی اور بہت تھوڑی دیر قیام فرماکر گاڑی کے وقت اسٹیشن پر آگئے۔ ناگدہ ریلوے سے روانہ ہوئے راستہ میں رتلام، راندیر، میں بھی قدرے قیام فرمایا کیونکہ ان مقامات پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خاص خاص لوگ تھے جنہوں نے سخت اصرار فرمایا تھا۔

راندیر سے روانہ ہو کر بمبئی پہنچے اور انجمن محافظ حجاج کے آفس میں جسکو حکیم عبد الرزاق صاحب نے پہلے سے آراستہ کر رکھا تھا قیام فرمایا۔ وہاں پر بھی مولانا کے زائرین کا ایک بڑا مجمع رہتا تھا اگر انجمن کے کارکن انتظام کافی نکرتے تو غالباً مولانا کو آرام کی صورت ممکن ہی نہوتی +

بمبئی سے مولانا کی روانگی

وہ تاریخیں اکبر جہاز کی روانگی کی تھیں اُسکے ٹکٹ مولانا مرحوم اور اُنکے ساتھیوں کے لئے لئے گئے تھے۔ مولانا اور اُن کی خاص بعض خدام کے ٹکٹ سیکنڈ کلاس کمرہ کے اور باقی ماندہ کے چھتری یا تتق کے تھے۔ چنانچہ بروز شنبہ ۷ ذی القعدہ سنہ ۱۳۳۳ھ کو جہاز پر سوار ہو کر جدہ کو روانہ ہو گئے۔ چونکہ اکثر ہمراہیوں کی طبیعت دریائی سفر سے مانوس نہ تھی اسلئے

عموماً اُن کو بدمزگی اور جگر وغیرہ کی شکایت پیش آئی جسکی وجہ سے میوہ جات اور عمدہ غذائیں اپنے موقع پر صرف نہوئی جنکی بڑی مقدار حکیم صاحب نے مولانا اور اُن کے رفقار کے لئے مہیا کی تھی بلکہ بہت سی چیزیں ضائع ہوئیں۔ بوجہ ظہورِ جنگ اندنوں قرنطینہ جزیرہ کامران سے اُٹھالیا گیا تھا اور قریب جدّہ کے مقامِ سعد میں ہوتا تھا چنانچہ جہاز نے وہاں لنگر ڈالا اور بخیر و خوبی مولانا معہ رفقاء کے اُترے اور ایامِ قرنطینہ نہایت عافیت سے انجام دیکر جدّہ پہنچے ✤

خفیہ پولیس کی افواہ

بمبئی میں سوار ہوتے وقت بعض لوگوں نے مولانا کے رفقار سے یہ کہا کہ تقریباً آٹھ دس آدمی تمھارے ساتھ خفیہ پولیس کے ہیں اُن سے احتیاط رکھنا (ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ بیان صحیح تھا یا غلط) چونکہ یہ بات اہلِ جہاز کو معلوم ہو چکی تھی کسی شخص نے جو کہ غالباً جدّہ یا مکہ معظمہ کا رہنے والا تھا اُسکو ٹرکی پولیس تک پہنچا دیا۔ اور جو لوگ مشتبہ تھے اُن کے نام و نشان بتا دئے اور کہدیا کہ یہ لوگ مولانا پر مسلط ہو کر آئے ہیں حالانکہ اس قسم کا خیال نہ مولانا کو تھا اور نہ اُنکے رفقار کو۔ ٹرکی پولیس نے فوراً اُن لوگوں کو گرفتار کر لیا اور مولانا مرحوم کیخدمت میں پولیس کا افسر تصدیق کرانیکے لئے حاضر ہوا مولانا خود تو آفس میں نہ گئے مگر مولانا مرتضیٰ حسن صاحب وغیرہ کو بھیجدیا۔ چونکہ واقعی طور پر کوئی یقینی بات تھی ہی نہیں اسلئے مولوی صاحب موصوف نے یہی بیان دیا کہ ہمکو کوئی یقین ان لوگوں کے سی آئی ڈی ہونے یا مولانا پر مسلط کئے جانے کا نہیں ہے۔ ہم کوئی شہادت ایسی نہیں دیسکتے جسکا ہمکو علم نہیں مگر پولیس ٹرکی نے اس جواب کو اسپر حمل کیا کہ چونکہ اِن لوگوں کو پھر ہندوستان جانا ہے اسلئے صریح طور پر اپنی معلومات کو ظاہر نہیں کر سکتے۔ الحاصل ٹرکی پولیس نے اُن لوگوں کو زیرِ حراست رکھا اور اسی طرح اُنکو حج کرا کر یہ کہا کہ اگر تم اپنے محافظ سپاہیوں کا خرچ دو تو تمکو مدینہ منورہ کی زیارت کی اجازت ملسکتی ہے ورنہ تمکو ہندوستان واپس ہونا پڑیگا۔ چونکہ اُن لوگوں کے پاس اسقدر خرچ نہ تھا اسلئے وہ بمبئی واپس کر دئے گئے ✤

دوسری افواہ

بعض خُفیہ کے افسروں کا بیان ہے کہ جب مولانا مرحوم بمبئی پہنچے تو وہاں کے افسر پولیس کے پاس تار آیا کہ مولانا کو بمبئی میں گرفتار کر لیا جائے اور آگے جانے نہ دیا جائے مگر چونکہ مولانا کے پاس بہت بڑا مجمع رہتا تھا اسلئے بمبئی کے مقامی حکام کو بلوہ کا خوف ہوا اور اسوجہ سے اُنہوں نے عملدرآمد سے پہلو تہی کی۔ پھر دوسرا حکم روانگی کے بعد جہاز کے کپتان کے پاس پہنچا کہ مولانا کو جدّہ میں اُترنے نہ دیا جائے

بلکہ جہاز ہی پر گرفتار کر لیا جائے مگر یہ حکم اُسکے پاس اُسوقت پہنچا جبکہ مولانا جزیرہ سعدیں برائے قرنطینہ اُتر چکے تھے اسلئے اسمیں معذوری رہی (ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ دونوں بیان کہانتک صحیح ہیں) مگر ہمکو معتبر ذرائع سے معلوم ہوئے +

مولانا مرحوم کی جدہ سے روانگی اور مکہ معظمہ میں داخلہ

۲۷ ذی قعدہ سنہ ۱۳۳۳ھ کو مولانا رحمۃ اللہ علیہ اونٹوں کی سواری پر مکہ معظمہ کو روانہ ہوئے اور انتیسویں کو مکہ معظمہ میں شب بحرہ گذار کر شام کو داخل ہوئے۔ ذزمانہ طبعی طور پر حجاج کے ہجوم کا ہوتا ہے مگر چونکہ جنگ کی وجہ سے بہت ملکوں سے حجاج کی آمدرفت بند یا کمی پر تھی اسوجہ سے حسب دستور ہجوم میں کمی ضرور تھی مگر تاہم مکہ معظمہ کی گلیاں اور مکانات مسافرین سے بھرپور تھے۔ حرم محترم میں بھی لوگوں کی کثرت تھی۔ مولانا مرحوم طواف قدوم وسعی وغیرہ ادا کرنے کے بعد احباب سے ملنے اور ادائے عبادات میں بدل و جان مشغول ہوئے +

مولانا مرحوم کے مطوّف

مولانا مرحوم نے حسب مشورۂ مولانا مرتضیٰ حسن صاحب و دیگر حضرات سید امین عاصم صاحب کو مطوّف بنایا تھا۔ سید صاحب موصوف حقیقت میں ایک نہایت شریف الطبع خوش خلق آدمی ہیں ہر شخص کے ساتھ معاملہ اُسکی حیثیت اور قابلیت کے موافق کرتے ہیں حجاج کو عموماً اُن کی فراست سے راحت پہنچتی رہی اور چونکہ خود بھی صاحب علم ہیں ادائے مناسک میں حتی الوسع احکام شرعیہ کا لحاظ رکھتے ہیں۔ عام مطوّفوں کی طرح اُنکے معاملات پیچیدہ نہیں۔ سید صاحب موصوف میں مروّت بہت زیادہ ہے شریف سابق یعنی شریف علی کے زمانہ میں انکو نہایت وسعت اور دولت حاصل تھی۔ زمانہ کے انقلابات نے انپر اس زمانہ میں بہت زیادہ گرانباری کر دی ہے جسکی وجہ سے متقروض رہتے ہیں اور اسی وجہ سے سال گذشتہ میں مجبور ہو کر ہندوستان آئے تھے۔ اسمیں شک نہیں کہ سید صاحب ممدوح نے مولانا اور اُن کے رفقاء کے ساتھ نہایت آدمیت اور شرافت کا معاملہ رکھا۔ ہم جملہ متوسلین مولانا مرحوم کے اُن کے خاص طور سے شکر گذار ہیں +

سید صاحب موصوف نے سفر حج کا حسب عادت انتظام کیا اور آٹھویں کو قافلہ روانہ ہو کر شب کو منیٰ میں اور صبح کو عرفات میں پہنچا اور پھر تمام مناسک بفضلہ تعالیٰ نہایت کمال کیساتھ ادا کیے گئے +

جناب مولانا خلیل احمد صاحب کا سفر

اسی سال جناب مولانا خلیل احمد صاحب نے بھی سفر حجاز کا قصد فرمایا تھا اور مولانا موصوف کا ضرور یہ خیال تھا کہ اگر ممکن ہو تو ایک مدت دراز تک سرزمین حجاز خصوصاً

طیبہ مبارکہ سے استفادہ حاصل کریں اور اشغالِ باطنیہ اور فیوضاتِ ظاہریہ سے خلق اللہ کی ہدایت میں حسبِ استطاعت دلچسپی لیں لیکن چونکہ یہ خیال مولانا صاحب کا مدت سے پختہ ہو کر تعیینِ تاریخ وغیرہ تک کراچکا تھا اور اُسوقت تک مولانا شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا قصد مصمم نہ کیا تھا اسلئے سفر میں رفاقت نہ ہو سکی بلکہ مولانا خلیل احمد صاحب کچھ عرصہ پہلے ہندوستان سے روانہ ہو کر مکہ معظمہ پہونچ چکے تھے۔ اُن کے ساتھ کوئی مجمع کثیر بھی نہ تھا۔ فقط اُن کی اہلیہ صاحبہ اور حاجی مقبول احمد صاحب اور بعض حضرات دیگر ہمراہ تھے۔ چونکہ مطوّف مولانا موصوف کا سیّد مرتضیٰ تھا اسلئے حج میں بھی دونوں حضرات کی رفاقت نہ ہو سکی کیونکہ ہر ایک کے شتربان مغائر تھے اور وہ سب علیحدہ علیحدہ رہتے تھے۔ مدینہ منوّرہ کے سفر میں بھی اگرچہ قافلہ ایک ہی تھا مگر اتحادِ کلّی نہ ہو سکا۔ شتربان دور دور رہتے تھے *

مکہ معظمہ سے روانگی مدینہ منورہ کو

تیرہویں تاریخ کی شام کو حسبِ عادت منیٰ سے واپس ہوئے تو اب مدینہ منورہ کی روانگی کی فکریں شروع ہوئیں انہیں ایام میں حاجی خان محمد مرحوم نے ملکِ عدم کا قصد فرمایا۔ اونٹوں کے کرایہ، شغادف کی درستی، سامانِ سفر کی فراہمی، تبریز، وغیرہ میں سات آٹھ دن لگ گئے۔ الحاصل ۲۱ ذی الحجہ بروز دوشنبہ ۱۳۳۳ھ کو قافلہ مدینہ منوّرہ کو روانہ ہوا۔ سیّد امین عاصم صاحب نے اپنے شتربانوں کے سردار کو مولانا مرحوم اور اُن کے رفقا کے لئے منتخب کیا اور اُسکو مولانا کی راحت رسانی کی بہت زیادہ تاکید فرمائی۔ اسمیں شک نہیں کہ اُسنے تمام راستہ میں بہت ہی زیادہ آدمیت اور شرافت سے کام لیا۔ نماز ہمیشہ مولانا مرحوم اور اُن کی جماعت اُتر کر باجماعت ادا فرماتے تھے۔ یہ شتربان یا تو اُسوقت تک اونٹوں کو روکے رکھتا تھا یا قافلہ چلنے دیتا اور خود مع دو ایک آدمیوں کے بندوق لئے ہوئے حفاظت کرتا تھا یہانتک کہ نماز سے فراغت ہوجاتی اور پھر سب اپنے اپنے اونٹوں پر سوار ہوجاتے *

راستہ کا انتظام

موجودہ رفقا میں سے مولوی مطلوب الرحمٰن صاحب تو مکہ معظمہ ہی سے ہندوستان واپس ہوگئے تھے۔ کیونکہ اُن کی ملازمت سرکاری تھی اور رخصت اسقدر نہ تھی کہ وہ مدینہ منورہ سے لوٹ کر موقع ملازمت پر وقت سے پہلے پہونچ سکیں اور شاید خرچ میں بھی کچھ کمی تھی۔ باقیماندہ حضرات سب ساتھ تھے۔ مولانا مرحوم نے حسنِ انتظام کے لئے ابتدا ہی سے مولانا مرتضیٰ حسن صاحب کو امیر قافلہ

بنادیا تھا کیونکہ مولوی صاحب موصوف کو انتظام سے خاص دلچسپی ہی اور منجملہ دیگر کمالات کے اسمیں بھی اُنکو خاص کمال ہی۔ مولوی صاحب موصوف نے ہر قسم کا انتظام اپنے ہاتھ میں رکھہ رکھا تھا اور جملہ خدمتیں نوبت بنوبت انجام پاتی تھیں چونکہ تمام رفقا اہل علم اور ایک مذاق کے تھے اسلئے نہایت خوش اسلوبی سے یہ سفر فرحت و سرور کے ساتھہ طے ہوا +

مولانا پر ایک اتہام اور اسکی غیر معقولیت

اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُس خبر کی قلعی بھی کھولدی جائے جسکو دشمنوں نے گورنمنٹ کے کانوں تک پہنچائی تھی اور جس سے سوال ہم سبھوں سے بارہا کیا گیا۔ گورنمنٹ کے کانوں تک خبر پہنچائی گئی کہ مولانا مرحوم نے مدت قیام مکہ معظمہ میں غالب پاشا گورنر حجاز سے ملاقات کی اور ایک تحریر اہل ہند کے ورغلانے اور ترکوں کے ہر طرح مدد معاون ہونے وغیرہ کے حاصل کی جسکو مولوی محمد میاں صاحب مدینہ منورہ سے اپنے ساتھہ لائے تھے اور ہندوستان میں اُسکو لوگوں نے دیکھا میں نہیں سمجھہ سکتا کہ ایسی غیر واقعی افواہوں پر گورنمنٹ کیونکر کان دھرتی ہی اور ہر کس و ناکس کے غیر معقول بیان پر اعتبار کرلیتی ہے +

مولانا کا ملنا غالب پاشا سے یا تو قبل از حج ممکن تھا یا بعد از حج مگر چونکہ تمام عالم کو معلوم ہے کہ غالب پاشا طائف میں رہتا تھا خصوصاً ایام گرما میں۔ اس لئے اُس سے ملاقات قبل از حج مکہ میں ممکن ہی نہ تھی غالب پاشا اُس سال بھی طائف سے سیدھے روانہ ہوکر عرفات میں آکر شریک حج ہوا تھا۔ مولانا مرحوم بھی حج سے پہلے مکہ معظمہ سے باہر کہیں تشریف نہیں لیگئے البتہ حج کے بعد وہ مکہ معظمہ آیا مگر چونکہ محمل شامی آیا ہوا تھا اور اُسکے مہتمم وزیر جنگ انور پاشا کے والد ماجد تھے اسلئے گورنر موصوف کو اپنے رسمی کاروبار سے اتنی بھی مہلت نہ تھی کہ کسی سے بات تک کرسکتے تمام محمل کے انتظامات، خزانہ کی افکار، انور پاشا کے والد ماجد کی تکریمات، حج کے انتظامات، شہر کی کارروائیاں، دور و دراز سے آنیوالے ترکی افسروں سے ملاقات، وغیرہ وغیرہ اسقدر کاروبار تھے جنکی بنا پر اُسکو اتنی مہلت کہاں تھی کہ مولانا سے ابتدائی ملاقات اور ربط و ضبط کی نوبت آئے اور پھر وہ روابط اسدرجہ کے قابل اعتماد ہوجائیں کہ شاہی عہد نامے اور وثائق کے تنظیم و تسطیر کی نوبت آئے ایسے معاملات میں تو مہینے گذرجاتے ہیں۔ اِدھر مولانا کو افکار سفر مدینہ منورہ اور اُسکے انتظامات مختلف طبقات کے ہندوستانی حجاج کی ہر وقت آمدورفت جنکا ہجوم ہمیشہ مولانا کے پاس لگا رہتا تھا،

شوقِ ادائے عبادات در حرمِ محترم جو کہ مدتہائے دراز کے بعد نصیب ہوا تھا کہاں ایسی باتوں کی مہلت لینے دیتے تھے۔ پھر اسپر طرہ یہ کہ غالب پاشا محمل کے روانہ ہوتے ہی طائف کو لوٹ گیا۔ نہ وہ ترکی زبان کے سوا اردو فارسی وغیرہ جانتا تھا (عربی کے دو چار ضروری الفاظ کے علاوہ گفت و شنید سے بھی واقف نتھا) نہ مولانا کو ترکی زبان سے واقفیت۔ مولانا کیلئے وہاں کوئی وسیلہ بھی ایسا نتھا جسکی وجہ سے ایسے بڑے حکام کے یہاں تک کی رسائی ہوتی اور نہ ہی مولانا کو مدت العمر حکام اور اہلِ دنیا سے قلبی میلان تھا پھر باوجود ان امور کے نہ معلوم گورنمنٹ نے کہاں سے اس غالب پاشا کے وثیقہ کے خواب پریشان دیکھے اور اُنپر یقین کر لیا۔ اسی طرح گورنمنٹ کو لوگوں نے جو کہ حقیقۃً گورنمنٹ کے دوست نما دشمن ہیں بہت سے غلط سلط ہو کے دئے ہیں جنکی غلطی واقعات نے آفتاب کی طرح روشن کردی ہے +

اسمیں شک نہیں کہ مولانا کو اسلام کی ہمدردی اور دینی حمیت بہت زیادہ تھی اور باانیہمہ اپنے ملک اور قوم کی آزادی کا نہایت زیادہ خیال تھا اسمیں وہ ہمیشہ بیچاں رہا کرتے تھے طرح طرح کی تدبیریں اور کارروائیاں بھی عمل میں لاتے رہتے تھے مگر گفتگو اسمیں ہے کہ مولانا ان مقاصد کیلئے کسی خارجی حکومت سے مدد لینا اور اُس سے گورنمنٹ کو ضرر پہنچانا چاہتے ہوئے کوئی ایسی عملی کارروائی کر رہے تھے یا نہیں۔ دشمنوں نے تو گورنمنٹ کو اسی کا ہوّا دکھا کر مولانا سے بدظن بنا دیا تھا۔ گورنمنٹ اندرونِ ملک آزادی کی کوشش اور قانونی حدود میں ہمدردیٔ اسلامی کے اعمال کو جبکہ وہ امن و سکون سے ہوں نہیں روکتی اور نہ برا سمجھتی ہے وہ آزادی کے پروپگنڈہ کو ہندوستانی قابلیت کا معیار خیال کرتی ہوئی مدتوں سے اسی کی خواہشمند ہے اُسکے ذمہ دار وزراء اور بادشاہوں کے صاف الفاظ میں وعدے اور عہود میں اور جملہ عقلائے انگلستان اسکے گویا ہیں کہ ہم ہندوستان کو بوقتِ قابلیت و استعداد پوری آزادی دیدینگے۔ چونکہ فطرۃ نے قابلیت کا معیار طلبِ صادق رکھدیا ہے اسلئے جب ہندوستان میں قابلیت پیدا ہو گی تو طلبِ صادق ضرور بالضرور ہو گی۔ اور جب طلبِ صادق ظہور پذیر ہو گی جبھی قابلیت کا علم ہو گا۔ معدہ میں جب ہضمِ غذا کی استعداد پیدا ہوتی ہے جب ہی بھوک معلوم ہوتی ہے اسیوجہ سے ظہورِ بھوک سے حکیم حاذق معدہ کی قابلیت کو پہچانتا ہے۔ نوجوان مرد اور عورت میں جبکہ قابلیت تولید پیدا ہوتی ہے اُسوقت ایک کو دوسرے کی طلب ہوتی ہے۔ فطرۃ کے قوانین سے اگر جابجا دیکھا جائے تو اسکی سیکڑوں نظیریں مل سکیں گی +

غرضکہ جو اسباب وجوہ طلب صادق کی عوام و خواص میں ہونی چاہئیں اُن کے لئے کوشش کرنا گورنمنٹ کے مین مقصد میں مدد دینا ہے اسی لئے گورنمنٹ کے نزدیک یہ امر نہایت محبوب و پسندیدہ ہے۔ ہاں دول خارجیہ کے تعلقات کو البتہ اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا جسکی بہت سی افترا پردازیاں دشمنوں نے کیں مگر الحمد للہ کوئی بھی پایۂ ثبوت کو نہ پہونچ سکی۔ اور نہ اُن میں واقعیت کی جھلک تھی +

لوگوں نے گورنمنٹ کے کانوں تک یہ بھی پہنچایا کہ مولانا نے انور پاشا اور جمال پاشا سے تحریری تائید اور عہود حاصل کر کے مولوی ہادی حسن صاحب کے ذریعہ سے فلاں صندوق میں جسمیں فلاں فلاں کپڑے رکھے ہوئے ہیں بھیجے ہیں اس خبر پر فوراً دوڑ اور گارد مولوی ہادی حسن کے مکان پر اُن کی غیبت میں پہنچی اور مکان کی تلاشی لیکر صندوق کو دیکھا پھر ہر ہر تختہ کو توڑا مگر کچھ بھی نکلا اور نکلتا کیسے جبکہ کوئی شے ہو ہی نہیں تو کہاں سے نکلے۔ مگر دشمنوں نے گورنمنٹ کو دھوکا دینے میں کوئی فروگذاشت نہ کی۔ ایسے اعمال سے غالبًا اتنا تو نفع ضرور ہو گیا کہ گورنمنٹ کو بھی کچھ پتہ چل گیا کہ اکثر باتیں لوگوں کی مولانا کے حق میں خلاف واقع ہیں۔ بلکہ شخصی اغراض پر اُن کا دارمدار ہے +

مولانا کا مدینہ منورہ میں داخلہ

اہلِ مدینہ منورہ جو کہ بذریعہ سانڈنیوں کے حج کو ہمیشہ جایا کرتے ہیں اور سب سے پہلے واپس آجاتے ہیں وہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے مکہ معظمہ میں مل چکے تھے ادھر خطوط سے مولانا کی روانگی کا حال معلوم ہو چکا تھا اسلئے ماہ محرم الحرام کی ابتدائی اُن تاریخوں میں جنمیں قافلہ کی آمد آمد تھی ایک بڑی جماعت اہلِ علم و فضل کی مدینہ منورہ سے باہر مولانا کے استقبال کو بیر عروہ تک جو کہ شہر پناہ کے دروازہ باب العنبریہ سے تقریبًا دو ڈھائی میل ہے نکلا کرتی تھی اور دن بھر وہاں قیام کرتی کھانا اور چائے وغیرہ کا انتظام کر کے وہاں انتظار کرتی اور بالآخر جب مولانا کو نہ پاتی شام کو لوٹ آتی چار اور پانچ محرم کو ایسا ہی واقعہ ہوا۔ چونکہ قاعدہ ہے کہ قافلہ مکہ معظمہ سے نکلتا تو ایک ہی دن ہے مگر راستہ میں چند منازل کے بعد متفرق ہو جاتا ہے جسکے اسباب مختلف ہیں اوّل تو یہ کہ اگر پورا قافلہ ایک جگہ ٹھہرے تو بسا اوقات کنوے کا پانی سب کو کافی نہیں ہوتا۔ دوسرے یہ کہ اکثر شتربان مدینہ منورہ کے اطراف و جوانب کے قبائل میں سے ہوتے ہیں وہ اپنے مکانوں پر جانیکی غرض سے اپنے گاؤں کی طرف سے گذرتے اور قریب کے راستہ کو اختیار کرتے ہوئے ایک دو دن وہاں ٹھیرتے ہیں تیسرے یہ کہ بعض مختصر راستے ہیں وہ اُن کو مرغوب ہوتے ہیں

الحاصل مکہ معظمہ کا قافلہ مولانا کی تشریف آوری سے دو تین دن پہلے سے داخل ہو رہا تھا بالآخر ۸ محرم بروز دو شنبہ صبح کو قریب ۹ یا ۱۰ بجے مولانا بیر عروہ پر پہنچے استقبالیہ جماعت موجود تھی لوگوں کو خبر ہوئی جوق جوق جماعتِ اہلِ علم و فضل کی نکلی اور مولانا مرحوم و نیز مولانا خلیل احمد صاحب کی قدمبوسی سے مستفیض ہوئی ہر دو حضرات معہ جملہ رفقاء راقم الحروف کے مکان پر فروکش ہوئے اہلِ شہر ائمہ و خطباء رؤساء وغیرہ وغیرہ میں ہجوم مچ گئی کہ ہندوستان کے آفتاب نے بارگاہِ نبوت کی خاکروبی کا قصد کرکے عتبۂ عالیہ پر جبہہ سائی کی ہے۔ چنانچہ تمام دن لوگ قدمبوسی کے لئے آتے رہے اور شہ نشین میں جو کہ اسی واسطے مزین کیگئی تھی مشرف ہوتے رہے۔ تقریباً تین چار دن تک ہجوم زوار و مسافرین سے نہایت ہی زیادہ چہل پہل رہی +

مولانا کے رفقاء کا سفر

بالآخر مولانا کے رفقاء کے سفر کا وقت آگیا۔ مولانا ہر ایک کی وطنی ضرورتوں اور ملازمت اور قرابت کے علائق سے بخوبی واقف تھے سبھوں کو حکم دیا کہ اب تم لوگ حج و زیارت سے فارغ ہو چکے ہو وطن کو واپس چلے جاؤ میں یہاں قیام کرنا چاہتا ہوں چنانچہ جملہ رفقاء بجز مولانا عزیر گل صاحب مولوی ہادی حسن صاحب۔ وحید احمد سلمہٗ روانہ ہو گئے۔ جنمیں مولانا مرتضیٰ حسن صاحب و مولوی محمد میاں صاحب۔ حاجی عبد الکریم صاحب حاجی محبوب خانصاحب مولوی محمد سہول صاحب وغیرہ حضرات تھے۔ ادھر مولانا خلیل احمد صاحب کے رفقاء بھی روانہ ہو گئے۔ فقط مولانا صاحب معہ اہلیہ و حاجی مقبول احمد صاحب باقی رہگئے۔ اس زمانہ میں طلباء و مدرسینِ مدینہ منورہ نے ہر دو حضرات سے اصرار کیا کہ ہمارے استفادہ کے لئے بعض کتابیں شروع کرا دیجئے۔ علاوہ اسکے بہت سے علماء اور طلباء نے حسب قاعدۂ اسلاف اوائل کتب حدیث سنا کر اجازت بھی لی۔ خلاصہ یہ کہ مولانا نے بخاری شریف اور بعض دیگر کتب حدیث لوگوں کے اصرار پر شروع کرا دی۔ تقریر عربی میں فرماتے تھے۔ طلباء اور مستفیدین کا جو کہ اکثر وہاں کے مدرس اور معتبر عالم تھے اسقدر مجمع ہوتا تھا کہ مکان میں جگہ بمشکل ملتی تھی۔ مولانا نے حلقۂ درس حرم محترم میں اپنی کسر نفسی کی وجہ سے مناسب نہ سمجھا بلکہ مکان ہی پر پڑھاتے تھے۔ دوسری بعض کتابوں کا درس مولانا خلیل احمد صاحب نے بھی اسی مزید اصرار کی بناء پر شروع کرا دیا +

ترکی پولیس کے توہمات

چونکہ زمانہ جنگ کا تھا اسلئے ہر گورنمنٹ اپنے یہاں جاسوس کی فکریں زیادہ رکھتی تھی ترکی پولیس کو بھی اسکا خیال تھا جو لوگ زائرین کے واپسی کے بعد مدینہ منورہ میں رہگئے تھے اُن کی خفیہ طور پر اُس نے نگرانی شروع کر دی اور جن لوگوں پر کسی قسم کا شبہ ظاہر ہوا اُن سے معمولی طور پر اظہار

تفتیش کی نوبت آئی اور پھر مشتبہ لوگ نظر بند ہو کر سوریا (شام) کو روانہ کردئے گئے اور وہاں سے بعد از تفتیش ایشیائے کوچک وغیرہ میں تا اختتام جنگ نظر بند ہو گئے۔ رضائیہ فرقہ کے لوگ جنکو سوائے فساد اور نفسانی خواہشات کے دنیا میں کوئی مقصد نہیں ۔ نہ اُن کو اسلامی ہمدردی ہے نہ حقانیت کی تلاش نہ اُن کو خوفِ آخرت ہے نہ پاس ملامتِ اہلِ بصیرت ۔ اُن کے نمایاں کارنامے اسوقت بھی ظاہر و باہر ہیں۔ اُنہوں نے اپنے پُرانے حقد اور عداوت کا موقع پایا اور پولیس کمشنر فخری آفندی حلبی تک رسائی پیدا کر کے اُسکے کانوں کو بھرا۔ کہ یہ دونوں حضرات انگریزوں کے خفیہ اور سی آئی ڈی ہیں۔ اور اسی وجہ سے یہاں مقیم ہوئے ہیں ورنہ ایسے پُر آشوب زمانہ میں اُن کے یہاں آنے اور قیام کرنے کے کیا معنے۔ غرضکہ اس قسم کی بہت سی باتیں خلاف واقع اُسکو پہنچا کر بدظن کردیا اور پھر موقع پاکر عقاید کے متعلق (جو پُرانا رویہ اس طائفہ کا ہے) بھی مشرزنی کیکے اُسکو اَور بھی برانگیختہ کیا۔ اسلئے خوش اسلوبی سے اُسکے تصفیۂ خیالات کی کوشش کیگئی اور اُس میں ابتدا میں کامیابی بھی ایک درجہ تک ہوگئی تھی مگر شدنی بات ہو کر رہتی ہے۔ اُدہر جدہ سے مولوی مرتضیٰ حسن صاحب کے اُردو کے طویل طویل خطوط خلاف قانون[عـه] بواسطہ پوسٹ آفس آئے اور وہ بالا بالا پولیس کے ہاتھ لگ گئے اُدہر محض حُسن ظن پر دو غیر معلوم شخصوں کیلئے بعض اکابر کا سعی فرمانا اور اُن کی براءت کی کوشش کرنی جنکی نسبت پولیس نے اپنے خیالات جمالئے تھے پھر بعض بے عنوانیوں کے ظہور نے پولیس کمشنر اور اُسکے ہواخواہوں کے خیالات میں سخت تغیرات پیدا کر دئے جنکی بناء پر اُسنے گورنرِ مدینہ منورہ بصری پاشا کو بھی دونوں حضرات سے بدظن کردیا خود پولیس کمشنر بھی ایک بدطینت شخص تھا اُسکو بھی رضائیوں کے سمجھانے بجھانے کی وجہ سے کچھ ہٹ ہوگئی اُسنے دونوں حضرات کے کچہری میں بُلا کر کچھ کچھ اظہارات لئے اور کاغذات مرتب کر کے شام (دمشق) جہاں پر کمیٹی تحقیقات تھی بھیجے۔ اُس زمانہ میں شام میں قوانین مارشل لا جاری تھے جسکی بناء پر ہمیشہ یہ خیال تھا کہ دیکھئے پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔ مدینہ منورہ کے عموماً عہدے دار اور بڑے بڑے رؤسا اور علماء اور خطباء و ائمہ وغیرہ اگر حضرات کے معتقد اور جان نثار نہوتے تو وہ کمبخت ضرور دست درازی کرتا مگر اس خوف نے اُسکو مجبور کیا کہ اوپر سے حکم منگائے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اس درمیان میں شام کی طرف سفر کرنا چاہا اور اجازت چاہی جسکی وجہ بیت المقدس جیسے مبارک مقام اور انبیاء و صلحاء شام کے مزاروں کی

[عـه] کیونکہ اُسوقت میں سوائے عربی یا ترکی زبان کے دوسری زبانوں میں خط بھیجنا قانوناً منع کردیا گیا تھا اور اسی طرح بند اسلہ ڈاکخانہ دوسری زبانوں میں ہونا منع تھا ۱۲

زیارت کے سوا اور کیا ہو سکتی تھی مگر اُسنے اِسکو بھی وجوہ اشتباہ قرار دیا۔ اکابر مدینہ منورہ مثل مفتی احناف وغیرہ اُسکی اِس سبک حرکتی اور شرارت سے سخت بیزار تھے مگر بوجہ زمانۂ جنگ و اجراء قوانین مارشل لا دم نہیں مار سکتے تھے اور یہی خاص وجہ رضائیوں کے ادھر ٹہلانے کی واقع ہوئی ورنہ اُن کے تو پہلے سے مچلکے عرصہ دراز سے ہو چکے تھے۔ انہیں احوال میں یکبارگی خبر آئی کہ وزیر جنگ جناب دولتلو انور پاشا حضرتلری اور جناب دولتلو جمال پاشا حضرتلری وزیر بحریہ و قوماندان فیلق رابع معہ دیگر جرنیلوں وغیرہ کے مدینہ منورہ تشریف لائے ہیں حکومت کے جملہ ارکان انتظام اور استقبال کیطرف متوجہ ہوگئے یہ موقع نہایت مناسب معلوم ہوا کہ اسوقت میں پولیس کی شرارتیں کھولی جائیں جس سے فقط اپنا تحفظ مقصود تھا کسی دوسرے کو ضرر پہنچانا مطلوب نہ تھا جو جماعت انور پاشا کے ساتھ آئی تھی اُس میں دمشق کے نقیب الاشراف بھی تھے جو کہ وہاں کے سادات کے رئیس اور ترکی حکومت کے بہت بڑے معتمد تھے اور چونکہ پہلے بھی یہ ماہ ربیع الاول میں بمعیت علماء شام و سوریہ مدینہ منورہ میں آ چکے تھے اور بواسطہ آفندی اسعد صفا خالدی اِن سے ملاقات دونوں حضرات کی ہو چکی تھی اور اِن کو دونوں حضرات سے بہت زیادہ خوش عقیدگی اور محبت پیدا ہو گئی تھی اِن کو اُسوقت میں پولیس کی بعض شرارتوں کی بھی اطلاع مل چکی تھی اسلئے اُنہوں نے اِس سفر میں جناب جرنیل جمال پاشا سے مولانا کے تعارف کی کوشش کی اِدھر مفتی احناف جناب مامون آفندی بری شیخ علماء مدینہ منورہ نے بھی اسطرف خاص توجہ کی

انور پاشا اور جمال پاشا وغیرہ کا مدینہ منورہ میں آنا

چونکہ اُمور جنگ کا انتظام سب انور پاشا کے ہاتھ میں تھا اور نیز محاذ جنوبی اور غربی یعنی میدان سویز، سینا، حجاز، یہ جمال پاشا کے متعلق اور اُن کی کمانداری میں تھا اسلئے جمال پاشا تو فقط اپنے محاذ پر مقیم تھے اور بضرورت دوسری جانب کو کبھی جاتے تھے مگر پھر وہیں لوٹ آتے اور فوجی کمانداری کرتے تھے۔ مگر انور پاشا مرکز کی محافظت کرتے ہوئے ہر میدان میں جو کہ تقریباً گیارہ یا بارہ تھے اپنے آپکو پہنچاتے تھے اور جنگی احوال اور ضروریات کو ملاحظہ کرتے تھے۔ جب وہ سوریہ میں آئے اور سویز وغیرہ کے میدانوں کے دیکھنے سے فارغ ہوئے تو قصد کیا کہ بادشاہ دوجہان وسیلۂ دنیا و آخرت حضرت رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہو جائیں اسلئے بمعیت جماعت عظیم روانہ ہوئے ایک خاص اسپیشل میں روانگی کی خبر آئی اور اگلے دن بروز جمعہ تقریباً دس بجے دن کے اسپیشل مدینہ منورہ پہنچی چونکہ یہ ایک پہلا موقعہ تھا کہ ایسے دو بڑے بڑے وزیر معہ بہت سے جرنیلوں اور افسروں کے

آئے ہوں اسلئے بہت بڑا ہجوم اسٹیشن پر تھا اور ہر طائفہ نہایت انتظام سے استقبال اور سلامی کیلئے وہاں موجود تھا۔ حکومت کا جو کچھ انتظام تھا وہ تو تھا ہی مگر اہل شہر نے جو جو انتظامات اپنی عقیدت و اخلاص و محبت کیلئے کئے تھے وہ بھی نہایت دلچسپ تھے۔ جس وقت گاڑی اسٹیشن پر پہنچی تو حدود اسٹیشن اندر اور باہر لوگوں سے بھرا ہوا تھا ہر ایک کی آنکھیں انور پاشا کے دیکھنے کو اُٹھیں مگر ایسے ہجوم میں دیکھنا کوئی آسان بات نہ تھی۔ انور پاشا نے مدینہ منورہ کا سفر کرتے وقت اپنے افسری کے کپڑے اور نشانات وغیرہ فقط اس خیال سے کہ بادشاہ دو جہان کی بارگاہ میں حاضری ہر غلام بنکر جانا چاہیئے اُتار دئیے تھے نہایت سادہ اور اُس لباس میں تھے جسمیں ایک معمولی سپاہی رہتا ہی۔ البتہ جمال پاشا کے لباس پر بعض نشانات و علامات افسری نمایاں تھے۔ ٹرین سے جس وقت دونوں وزیر معہ ہمراہیوں کے اُترے تو اسٹیشن کی بڑی ہال میں میونسپلٹی (بلدیہ) کی طرف سے چاء کی دعوت پیش کیگئی اور ایڈریس بھی اہل شہر کیطرف سے پیش کیا گیا جسپر اظہار شکریہ و مسرت طرف ثانی سے عمل میں آیا۔ چونکہ جمعہ کا دن تھا اسلئے مسجد نبوی میں پہنچنے کی تعجیل کیگئی۔ اسٹیشن کے دروازہ پر فٹن وغیرہ سواریاں موجود تھیں۔ گورنر مدینہ منورہ اور دیگر حکام نے سواری کرنیکے لئے آرزو ظاہر کی مگر انور پاشا نے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم پیدل بارگاہ نبوت تک غلامانہ طریق سے چلیں گے۔ اہل شہر نے عجب طرح جلوس نکالا جو کہ قابل دید تھا۔ جتنے اہل تصوف کے مختلف حلقے مدینہ منورہ میں تھے سب کے سب علیحدہ علیحدہ معہ اپنے مریدوں اور زرّین جھنڈوں کے آگے آگے ذکر کرتے ہوئے اشعار مدحیہ اور دعائیہ پڑھتے ہوئے جاتے تھے جنکی بڑی بڑی جماعتیں تقریباً آٹھ دس ہونگی اسکے بعد حرم محترم نبوی کے مختلف خدام کی جماعتیں تھیں۔ موذنوں کی جماعت جو کہ تقریباً ڈیڑھ سو یا زیادہ آدمی تھے علیحدہ تھی۔ حرم کے جاروب کشوں کی علیحدہ اماموں کی علیحدہ خطیبوں کی علیحدہ حجرۂ مطہرہ نبویہ کے خاص خدام خواجہ سراؤں کی علیحدہ۔ یہ سب کے سب درجہ بدرجہ یکے بعد دیگرے حمد و صلوٰۃ دعا و نعت پڑھتے ہوئے اپنے اپنے رسمی لباس پہنے ہوئے چل رہے تھے۔ ان کے بعد دونوں وزیر برابر چل رہے تھے اُن کے پیچھے اُنکے رفقا اور دیگر حکام تھے اُن کے بعد اہل شہر۔ دائیں بائیں ترکی فوجیوں کی زنجیریں (قطاریں) تھیں جو کہ تمام ہتھیار اور سامان سے مکمل تھے اور دونوں طرف قطار باندھے ہوئے خراماں خراماں چل رہے تھے ان دونوں قطاروں کے باہر دائیں اور بائیں دریچے اور مکانوں پر خلقت کا ہجوم تھا۔ جمال پاشا اور دیگر جرنیلوں وغیرہ

کی نظریں کبھی کبھی دائیں اور بائیں بھی پڑ جاتی تھیں مگر انور پاشا کی آنکھ زمین سے لگی ہوئی تھی۔ نہایت ادب اور احترام سے جا رہے تھے، جیسے کہ ایک شہنشاہِ والا تبار کے سامنے کھڑے ہوں اسی طرح یہ مجمع باب السّلام تک پہنچا باب السّلام سے جب دست بستہ حرمِ نبویؐ میں داخل ہوئے ہیں اور مزوّر نے دعائے دخول پڑھانی شروع کی ہے تو انور پاشا کی آنکھیں آنسوؤں کی لڑیاں بہا رہی تھیں اسی طرح گریہ کناں بادشاہِ دوجہاں کے سامنے دونوں وزیر ایستادہ ہوئے اور حسب اوامر شریعت بہ تلقینِ جناب شیخ الحرم حضرت سعید پاشا صلوٰۃ وسلام کی رسم کو پورا کیا۔

شیخ الحرم

بادشاہانِ روم اور خلفائے ترک نے جب سے کہ حرمین کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا ہے ہمیشہ دونوں حرمِ محترم کا اپنے آپکو خادم سمجھتے رہے اور اسی لفظ کو اپنے لئے باعثِ نجات تصوّر کرتے ہوئے خطبہ میں بھی داخل کیا گیا۔ یہی نہیں کہ فقط زبانی جمع خرچ تھا دو روز کے بعد جاتا رہا۔ یا عمل میں نہ لایا گیا۔ بلکہ آخر دم تک یہ عمل جاری رہا۔ اسی بنا پر ہزاروں پونڈ ماہوار خالص خزینہ اور اوقاف سے دونوں مقدس مقاموں میں صرف ہوتا تھا۔ یہاں کے باشندے گورنمنٹ ترکی کو کسی قسم کا خراج یا عشر یا مالگذاری نہیں دیتے تھے، البتہ کچھ فی اونٹ شتربانوں سے لیا جاتا تھا اور کچھ بندروں میں کسٹم تاجروں سے لیا جاتا تھا جو کہ فی صدی دس تک تھا اخیر میں کچھ زیادتی بھی ہوگئی تھی۔ مکانوں یا باغوں یا مزارع وغیرہ پر دونوں مقدس مقامات میں کچھ نہ تھا بلکہ اُلٹے ہزاروں باشندے مختلف عنوانوں سے تنخواہیں اور وظائف پاتے تھے جن سے مقصدِ اصلی اہلِ حرمین شریفین کی پرورش تھی، مجکو صحیح طریقہ سے معلوم ہوا ہے کہ قبل از جنگ حرمین شریفین کا خرچ گورنمنٹ ترکی پر تیس ہزار پونڈ ماہوار پڑتا تھا۔ فقط حرم محترم مدینہ کے ائمہ دو سو سے زائد تھے۔ موذنوں کی تعداد سو سے زیادہ تھی، جھاڑو دینے والے ساٹھ سے زیادہ تھے خطبہ پڑھنے والے چھپن سے زیادہ تھے۔ خواجہ سرا یعنی آغاوات خادمینِ روضہ مطہرہ ساٹھ ستر آدمی تھے جنکی کم سے کم تنخواہ دو پونڈ ماہوار اور زیادہ سے زیادہ تیس پونڈ ماہوار تھی یہ مقدار خاص طور سے مقرر تھی اسکے علاوہ اور بھی طریقے اُن کو عطا کرنے کے بہت سے تھے۔ خلاصہ کلام یہ کہ اکثر اہلِ مدینہ خصوصاً اور بعض اہلِ مکہ عموماً (دولتِ علیہ) گورنمنٹ ترکی کی پرورش سے جیتے تھے،

شاہانِ روم نے روزانہ خدمتِ روضۂ اقدس کے لئے اور علیٰ ہذا القیاس خدمتِ بیت اللہ کیلئے ایک ایک خاص شخص مقرر کر رکھا تھا جسکے ہاتھ میں ہر دو حرم کے کاروبار کا انتظام تو تھا ہی مگر اصلی وظیفہ یہ تھا کہ ہر روز خدمتِ جاروب کشی اور روشنیِ قندیل خادمانہ لباس پہنکر سلطان کی طرف سے اولاً یہ ادا کیا کریں۔ یہ شیخ الحرم

استنبول کے بڑے خاندان کا اور بڑے رُتبہ کا آدمی ہوتا تھا اِسکی تنخواہ بھی بہت زیادہ ہوتی تھی۔ صبح کی نماز کے بعد اسپر لازم تھا کہ حجرہ شریفہ یعنی روضۂ مطہرہ کی جاروب کشی کیلئے اُنکا معینہ لباس زیب بدن کرتا اور حجرہ شریفہ میں داخل ہوکر سلطان اور اپنی طرف سے صلوٰۃ وسلام عرض کرکے دعا کرتا اور پھر جاروب کشی کرتا۔ اور اسی طرح شام کے وقت مغرب سے کچھ پہلے داخل ہوتا اور چند قندیلیں خدام کے ساتھ روشن کرتا اور یہ سب فعل اُسکا سلطان کے قایم مقامی میں شمار ہوتا تھا۔ اس زمانہ میں شیخ الحرم سعید آفندی تھے جو کہ باعلم نہایت سمجھدار اور پرہیزگار شخص تھے۔ مولانا سے بھی اُن کو خاص تعلق تھا۔ تصوّف کیطرف اُنکی طبیعت بہت مائل تھی

روضۂ مسجد

انور پاشا زیارت کرنیکے بعد روضۂ شریف میں جا بیٹھے۔ مسجد شریف کا وہ حصہ جو کہ منبر اور حجرہ مطہرہ کے درمیان میں واقع ہے اُسکو روضہ یا ریاض الجنۃ کہتے ہیں کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مابین بیتی ومنبری روضۃ من ریاض الجنۃ۔ (میرے حجرے اور منبر کے درمیان میں جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے) یہ مقام تمام مسجد شریف میں بہت زیادہ مقدس شمار کیا جاتا ہے اور احادیث اسکے فضائل میں بہت زیادہ ہیں کچھ عرصہ کے بعد جمعہ کی اذان ہوئی، خطبہ اور نماز کو حسب معمول ادا کیا گیا، پھر دونوں زیر معیت ہمراہیوں کے جائے استراحت پر تشریف لیگئے۔ بیرون باب المجیدی سید مدنی کا ہوٹل (دار السرور) اُنکے قیام کیلئے تیار کیا گیا تھا۔ میونسپلٹی کی طرف سے ہر قسم کا انتظام خورد ونوش وغیرہ کا تھا۔ الغرض وہاں جاکر بعد از جمعہ کھانا کھایا اور استراحت فرمائی۔ عصر کیوقت نماز کے لئے حاضر ہوئے اور باجماعت نماز ادا کی۔ شام کے وقت حجرۂ مطہرہ میں خادمانہ لباس پہنکر قندیل روشن کرنیکے لئے بھی داخل ہوئے۔ پھر نماز مغرب کی باجماعت ادا کرکے قیامگاہ پر تشریف لیگئے، چونکہ پولیس کو ہمارے دونوں حضرات کیطرف سے بدظنی تھی جسکا پہلے ذکر ہوچکا ہے۔ اسلئے جناب نقیب الاشراف صاحب موصوف نے چاہا کہ اگر ایسے میں حضرت مولانا کی جمال پاشا سے ملاقات ہوجاتی تو میں ایک اچھا موقعہ پولیس کے خطرہ کے دفعہ کرنے کا پاتا۔ چنانچہ اُنہوں نے کہا کہ قیام گاہ پر بعد از مغرب دونوں حضرات تشریف لائیں میں ملاقات کراؤنگا۔ مگر بدقسمتی سے جب ہم سب پہنچے تو وہ ہوٹل میں داخل ہوچکے تھے اور چونکہ ہوٹل کے دروازہ پر نہایت سخت پہرہ تھا اسلئے ہمکو داخل ہونا ممکن نہ ہوا اور نہ کسی سے ملاقات ہوسکی۔

حکام مدینہ منورہ نے سخت پہرہ اسلئے بٹھا رکھا تھا کہ لوگ مخالف اخبار ان دونوں حضرات تک پہنچائیں

جسکی وجہ سے اُن کی پوزیشن میں نقصان واقع ہوگا - علیٰ ہذاالقیاس اہلِ حاجت کے ہجوم کا بھی زیادہ خیال تھا

ہر دو حضرات کی انور پاشا اور جمال پاشا سے ملاقات

مفتی مدینہ منورہ اور شیخ العلما یعنی مفتی ماموں بری حضرت شیخ المشائخ شاہ عبدالغنی صاحب دہلوی مرحوم و مغفور کے شاگرد تھے اُن کو ہمارے اکابر سے خاص تعلق تھا وہ بھی اِس کوشش میں تھے کہ کسی طرح اِن حضرات کی عزت پر کوئی دھبہ آوے اور کسی قسم کی تکلیف ان بزرگوں کو پیش نہ آوے - اگر زمانہ جنگ کا نہ ہوتا تو اسقدر فکر نہ تھا - مگر زمانہ جنگ کی وجہ سے حکم فوجی تھا اہلِ سنت کا زور نہایت کمزوری پر تھا اسلئے زیادہ فکر تھی -

شب کو انور پاشا نے اُن کے پاس حکم بھیجا کہ میں چاہتا ہوں کہ صبح کو اشراق کے بعد علمائے شہر کا مسجد شریف میں اجتماع ہو اور سب اپنی اپنی تقریریں سنائیں - چونکہ میرے پاس اتنا وقت نہیں ہو کہ ہر ایک کے حلقۂ درس میں جاکر تقریریں سنوں اسلئے اُس ایک مجلس میں مشرف ہونا چاہتا ہوں - علی الصباح مفتی صاحب نے کاتب الحروف سے کہا کہ بہت زیادہ مناسب ہے، کہ دونوں حضرات اس مجلس میں تشریف لادیں تاکہ مجھکو تعارف کرانے کا موقع ہاتھ آوے اور پھر میں مناسبت پاکر صفائی کرادونگا - چنانچہ ہر دو حضرات تشریف لائے - صفِ اول میں مفتی صاحب موصوف بیچ میں بیٹھے اُن کے بائیں طرف حضرت مولانا مرحوم تھے، اُنکے بائیں مولانا خلیل احمد صاحب اُن کے بائیں کاتب الحروف تھا اور اسی طرح اور دوسرے علماء تھے - مفتی صاحب کے دائیں بھی بہت سے علما تھے - شیخ الحرم صاحب خاص طور سے منتظم تھے - اُنہوں نے ہر دو حضرات سے خواہش کی اگر دونوں وزراء میں سے کوئی صاحب آپ سے تقریر کی خواہش کریں تو آپ انکار نفرمائیں - جبکہ مجمع پورا ہوگیا اور دونوں وزراء تشریف لے آئے تو اولاً اُنہوں نے مفتی صاحب سے تقریر کی خواہش کی اُنہوں نے تھوڑی دیر تقریر فرمائی اُسکے بعد انور پاشا نے مولانا مرحوم سے خواہش کی مگر مولانا مرحوم نے انکار فرمایا - پھر اُنہوں نے مولانا خلیل احمد صاحب سے درخواست کی - مگر دونوں حضرات نے یہ عذر پیش کیا کہ ہماری آواز نہایت کمزور ہے ہم تقریر نہیں کرسکتے - اُسکے بعد کاتب الحروف کی طرف اشارہ ہوا - میں نے حسب لیاقت ایک عرصہ تک عربی میں تقریر کی اُسکے بعد دوسرے علماء نے تقریریں کیں اختتام جلسہ پر مفتی صاحب اور شیخ الحرم نے اُسی جلسہ میں مولانا مرحوم اور مولانا خلیل احمد صاحب کا تعارف کرایا آپس میں مصافحہ ہوا اور مزاج پرسی کی نوبت آئی اس سے زیادہ نہ وہاں موقع تھا اور نہ وقت تھا - مجمع بہت ہی زیادہ تھا ہر دو وزراء اسی وقت اُٹھے اور اپنے قیامگاہ پر چلے گئے اور کھانا کھا

ظہر کی نماز ادا کرتے ہوئے مدینہ منوّرہ سے روانہ ہو گئے۔ مگر اس تعارف کی وجہ سے مفتی صاحب اور دوسرے احباب کو موقع ملگیا کہ اُنھوں نے کھانا کھلاتے وقت یا اور کسی وقت یہ عرض کر دیا کہ پولیس ایسے مقدس اشخاص کی نسبت ایذا رسانی کا قصد رکھتی ہے۔ مدینہ منوّرہ اور مکہ معظمہ چونکہ مسلمانوں کا مرکز ہے۔ یہاں پر ہر ملک کے لوگ مذہبی حیثیت سے آتے رہتے ہیں اُنپر یہ شبہ کرنا کسی طرح مناسب نہیں۔ چنانچہ شام پہنچکر جمال پاشا نے ایک خاص حکم بھیجا کہ حرمین شریفین میں دول متحاربہ کی رعایا کیساتھ وہی معاملہ کیا جائے جو ہماری رعایا کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اِس حکم کے آنیکے بعد پولیس کی تمام کارروائیاں بیکار ہوگئیں اور اُسکے ہاتھ پیر ٹوٹ گئے

ترکی گورنمنٹ کی دریادلی

انور پاشا نے اہل مدینہ اور خادمین حرم نبوی اور علماء وغیرہ کیلئے پانچ ہزار پونڈ دیئے جو کہ تقسیم کئے گئے۔ بڑے علماء کو پانچ پانچ پونڈ اور دوسروں کو حسب مرتبہ کم یا زیادہ جسکی تقسیم ایک جماعت کے ذریعہ سے تھی جسکے رئیس شیخ الحرم صاحب تھے۔ چنانچہ اُنھوں نے پانچ پانچ پونڈ اِن دونوں بزرگوں کو اور پانچ پونڈ کاتب الحروف کو بھیجے۔ حضرت مولانا مرحوم اور مولانا خلیل احمد صاحب نے اُن کے لینے سے انکار کیا اور ظاہر کیا کہ ہم مستغنی ہیں ہمکو ضرورت نہیں مگر اُدھر سے کہا گیا کہ یہ شاہی ہدیہ ہے، صدقہ نہیں اسلئے دونوں حضرات نے قبول فرماکر پھر کاتب الحروف کو دیدئے۔ جمال پاشا نے اہل حجاز کی حاجت دیکھکر بارہ ریل کی گاڑیاں گیہوں سے بھری ہوئی مدینہ منوّرہ کے اہالی پر تقسیم کرنیکے لئے بھجوائیں مگر بدقسمتی سے اُسکے تقسیم کا کام شریف حسین کے بیٹے کے سپرد کیا گیا جو کہ اُن دنوں بڑے وفادار اور خیر خواہ بنے ہوئے تھے۔ اسلئے اُس میں اہل مدینہ کو بہت کم فائدہ ہوا خود اُن کے لوگوں اور فوج کو زیادہ فائدہ ہوا۔

انور پاشا نے پانچہزار گنی مکہ معظمہ بھی وہاں کے لوگوں کے لئے بھیجیں جنکو شریف صاحب کی تھیلیوں کی نذر ہونے کا شرف عظیم حاصل ہوا۔ اسی طرح انور پاشا جہاں جاتے تھے وہاں کے ضعفاء فقراء مساکین پر تقسیم فرماتے تھے۔ حالانکہ جنگ کا زمانہ تھا رعایا کو دینا تو درکنار اُن سے لوٹ کھسوٹ کر چندہ کے نام سے قرض کے نام سے سیکڑوں طریقہ سے ہر جگہ ہندوستان میں وصول کیا جاتا تھا۔ مگر ترکی گورنمنٹ فقراء کا پیٹ بھر رہی تھی۔

مولانا کی نسبت افواہ

یہی وہ ملاقات ہے جسکی نسبت اصحاب اغراض نے گورنمنٹ کے کانوں تک خبر پہنچائی کہ مولانا تو جمال پاشا اور انور پاشا سے ملے اور دیر تک تخلیہ میں گفتگو کرتے رہے اور ان سے عہد نامہ

اور وثائق حاصل کئے مگر افسوس ہر ایسی دروغگوئی اور افترا پردازی پر کیونکر جرأت کیگئی۔ دونوں وزیر بھی مدینہ منورہ میں مدت اقامت کل ۴۸ گھنٹہ کے قریب تھی جسمیں اُن کو ہزاروں کام درپیش تھے۔ اُن کے پاس ہزاروں آدمیوں کا اجتماع ہروقت تھا، اُن کو بات کرنے کی فرصت نہ تھی۔ شہر کے بڑے بڑے عمائد تو اُنکے پاس پھٹک نہیں سکتے تھے۔ پردیسی اور وہ بھی مولانا مرحوم جیسے زاہد اہل دنیا سے نفرت کرنے والے کہاں وہانتک پہنچ سکتے تھے اور پھر وثائق اور عہدناموں کا لکھنا اور مقرر کرنا شرط کا لحاظ کرنا کیسے ہوسکتا تھا۔ مگر جیسا کہ میں پہلے عرض کرچکا ہوں کہ گورنمنٹ کو خود اسکا جھوٹ ہونا معلوم ہوگیا تھا۔ کیونکہ گورنمنٹ کو لوگوں نے یہ بھکایا کہ مولانا مرحوم نے وہ کاغذات جو انور پاشا سے حاصل کئے ہیں ایک صندوق میں اُسکے تختوں میں سوراخ کرکے رکھدیا ہے اور اسی صندوق میں اپنے خاص خاص کپڑے رکھدئے ہیں جسکو مولوی ہادی حسن صاحب اپنے ہمراہ جدہ سے لائے ہیں اور بمبئی سے اپنے اسباب کے ہمراہ مکان پر بھیجدیا ہے۔ بیچارے مولوی ہادی حسن صاحب اسوقت تک نینی تال ہی میں تھے کہ اُن کے مکان پر دوڑ گئی اور اُس صندوق کو توڑ کر تختہ پارچہ پارچہ کردیا گیا۔ مگر کچھ نہ نکلا۔ اسلئے گورنمنٹ کو بھی غالبًا یقین ہوگیا کہ مولانا کی نسبت اکثر خبریں غلط افواہ تھیں +

مولانا کی مدینہ منورہ سے روانگی

اس واقعہ کے بعد یہی مناسب سمجھا گیا کہ اب مکہ معظمہ کو جو قافلہ جانیوالا ہے اُسکے ساتھ وہاں کا قصد کیا جائے۔ اُن دنوں مدینہ منورہ میں خبر پہنچی تھی کہ ایک آگبوٹ ہندوستان سے مختلف سامان خصوصًا چاول لیکر نکلا ہے، اور عنقریب جدہ پہنچنے والا ہے۔ چونکہ ان چند ماہ میں یعنی صفر سے جمادی الثانی تک کوئی آگبوٹ غلہ کا ہندوستان سے جدہ نہ پہنچا تھا۔ ادھر مصر کے آگبوٹ بھی وہاں نہ آتے تھے۔ بحر احمر بالکل بند تھا فقط اتحادیوں کے آگبوٹ اُسمیں آتے جاتے تھے اسلئے عرب کے بندروں پر جملہ اشیاء تجارت کا آنا بند ہوگیا تھا۔ بادبانی کشتیاں پہلے پہل سفر کرتی اور افریقیہ کے بندروں سے چیزیں خرید کر لاتی اور عرب کے بندروں پر پہنچاتی تھیں۔ مگر انگریزی جہازوں نے اُن کو بھی پکڑنا مال کا چھین لینا کشتیوں کا غرق کردینا۔ قید کرکے بھیجنا وغیرہ۔ مظالم اسقدر برسائے کہ اُن کی بھی آمدورفت بالکل بند ہوگئی اسلئے تمام حجاز میں سخت گرانی پھیل گئی۔ لوگ بھوکوں مرنے لگے۔ مدینہ منورہ میں چونکہ ریل کی وجہ سے شام سے متصل تھا اسلئے گیہوں، آٹے وغیرہ کی تو یہاں گرانی نہ ہوئی۔ مگر شکر چاء چاول وغیرہ اشیاء یہاں بھی سخت

گراں ہوگئی تھیں۔

اُس قافلہ میں جانا اسلئے بھی ضروری معلوم ہوا کہ اب رمضان شریف کا زمانہ قریب ہے۔ مکہ معظمہ میں رمضان کیا جائے تو بہتر ہوگا علاوہ ازیں مکہ معظمہ میں پولیس کی اسقدر سختی بھی نہ تھی۔ اور چونکہ مدینہ منورہ کا پولیس کمشنر ایک قسم کی پرخاش رکھنے لگا تھا اسلئے اُس سے دور ہی رہنا ضروری معلوم ہوا۔ پھر ہندوستان جانیکے لئے مکہ معظمہ سے قرب اور انتظام کا آسان ہونا بھی ظاہر تھا۔

خلاصہ یہ کہ ماہ جمادی الثانی ۱۳۳۴ھ کی بارہویں یا تیرہویں کو قافلہ مدینہ منورہ سے روانہ ہوا اُسوقت حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مولوی عزیر گل صاحب، وحید احمد اور کاتب الحروف حسین احمد اور منشی محمد حسین صاحب فیض آبادی تھے نیز جناب مولانا خلیل احمد صاحب معہ اپنی اہلیہ محترمہ اور حاجی مقبول احمد صاحب بقصد مکہ معظمہ ساتھ ہی روانہ ہوئے تھے۔ مولوی ہادی حسن صاحب اس سے تقریباً دو ماہ پہلے معہ حاجی شاہ بخش صاحب ساکن حیدرآباد سندھ روانہ ہو کر جدہ آ چکے تھے مگر اتفاق سے اُن کو کوئی آگبوٹ ہندوستان جانے والا ملا نہ تھا اسلئے دونوں صاحب مکہ معظمہ ہی میں آ گئے تھے بایں خیال کہ جب آگبوٹ آجائیگا اُسوقت روانہ ہوں گے۔ کیونکہ جدہ کی خبریں مکہ معظمہ میں برابر پہنچتی رہتی تھیں۔

قافلہ مذکورہ جدہ ہوتا ہوا مکہ معظمہ اخیر ماہ جمادی الثانیہ میں پہنچا اور قریب باب العمرہ ایک مکان کرایہ پر لیکر قیام کیا گیا۔ مولانا خلیل احمد صاحب معہ متعلقین باب ابراہیم کے پاس قاری عبدالحق صاحب کے مکان پر فروکش ہوئے اُس زمانہ میں مکہ معظمہ میں گرمی بہت تھی۔ ادھر طائف کا موسم تو بوجہ سردی خوب مناسب تھا ہی۔ وہاں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ کے مزارات بھی ہیں جنکی زیارت کی غرض سے اکثر لوگ وہاں جایا کرتے ہیں۔ اہل مکہ عموماً گرمیوں میں مکہ معظمہ میں نہیں رہ سکتے طائف ہی میں چلے جاتے ہیں۔ مولانا نے بھی قصد فرمایا کہ طائف چلے جائیں اور کچھ دنوں ٹھہر کر نصف شعبان سے پہلے مکہ معظمہ کو واپس چلے آئیں گے چنانچہ بمعیت سید امین عاصم صاحب آمد و رفت کا شتر کرایہ کر کے ۲۰ رجب ۱۳۳۴ھ کو روانہ ہو کر ۲۳ یا ۲۴ رجب کو طائف پہنچے۔ شہر پناہ کے باہر ایک باغ میں فروکش ہوئے۔ جسکا انتظام سید صاحب نے پہلے سے کر رکھا تھا باغ کے بالائی حصہ مکان میں سید امین عاصم صاحب معہ اپنے متعلقین تھے اور نیچے کے ایک حصہ میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ اس سفر میں مولانا کے ہمراہ فقط تین آدمی تھے۔ مولوی عزیر گل صاحب وحید احمد اور

کاتب الحروف حسین احمد۔

طائف

طائف حقیقۃً ایک چھوٹا سا قصبہ ہے مگر اُسکا اطلاق بہت بڑے حصّہ پر کیا جاتا ہے جسمیں بہت سے قصبات اور دیہات شامل ہیں۔ یہ قطعۂ زمین کا بہت اونچائی پر واقع ہے اونٹوں کے راستہ سے تین دن میں یہاں پہنچتے ہیں کیونکہ چکر زیادہ ہے اور چڑھائی بآسانی طے ہوتی ہی اور جبل کرہ کے راستہ سے جسمیں خچر گدھے گھوڑے چلتے ہیں ۲۴ گھنٹہ بلکہ اس سے کم میں آدمی پہنچ جاتا ہے مگر راستہ دُشوار گذار ضرور ہے۔ آدھے راستہ ہی سے ہوا بالکل متغیر ہو جاتی ہی۔ جبکہ مکہ معظمہ میں سخت گرمی کی وجہ سے شب کو بھی آرام نہ آتا ہو طائف میں پتلی رضائی کی ضرورت ہوتی ہی۔ وہاں کا موسم گرمیوں میں نہایت عمدہ رہتا ہے۔ جابجا باغات ہیں۔ ہر قسم کے میوے پیدا ہوتے ہیں۔ انگور، انجیر، برشومی (ناگ پھل) انار، آڑو، آلوچی، وغیرہ وغیرہ جملہ سرد ملکوں کے میوے بکثرت اور عمدہ ہوتے ہیں زراعت اور سبزی ہر قسم کی پیدا ہوتی ہی جابجا نہریں بھی ہیں۔ کنویں میٹھے بکثرت ہیں، بارش بھی خوب ہوتی ہے۔ حجاز کیلئے طائف ہند کے لئے شملہ کے مانند ہے۔ ترکی گورنر اکثر گرمیوں کے زمانہ میں طائف میں رہا کرتا تھا۔ اور بڑے درجہ کے حکام اور اہل عرب شریف وغیرہ بھی وہاں ہی چلے جاتے تھے +

فتنۂ حجاز

جب ہم مکہ معظمہ میں پہنچے تو عجیب عجیب افواہیں مشہور تھیں عام بدوؤں اور اہل شہر کی زبانی سُنا جاتا تھا کہ عنقریب بدعملی ہونیوالی ہی۔ شریف حسین انگریزوں سے ملا ہوا ہے اور بغاوت کرنیوالا ہے مگر ترکی استقلال میں کوئی فرق نہ تھا۔ ترکی فوج تمام حجاز میں غالبًا چار پانچہزار ہوگی۔ کیونکہ اکثر فوج دوسرے مقاماتِ جنگ پر چلی گئی تھی۔ شریف نے بابِ عالی کو اطمینان دلا رکھا تھا کہ حجاز کا ذمہ دار میں ہوں یہاں زیادہ قوّت رکھنے کی ضرورت نہیں۔ جای ضرورت جنگ پر اپنی قوّت پہنچاؤ۔ یہ موجودہ فوج بھی جدّہ مکہ طائف پر منقسم تھی۔ ہمکو یہ بھی اُسوقت کہا گیا کہ جلد طائف جانا اور لوٹ آنا چاہیئے مبادا بدعملی ہو جائے مگر ہمکو یقین کامل نہ ہوا۔ اُسی زمانہ میں یہ بھی خبر مشہور ہوئی تھی کہ گورنمنٹ برطانیہ کی طرف سے کوئی خط شریف کے نام آیا ہے کہ فلاں تاریخ تک یا تو تم ترکوں کو حجاز سے نکالدو ورنہ ہم شریف علی کو جو کہ پہلے شریف حجاز تھا اور شریف حسین موجودہ کا بہنوئی ہے اور اسوقت مصر میں مقیم تھا) اُسکو حجاز کا شریف بناکر بھیجیں گے (نہ معلوم یہ خبر کہانتک صحیح تھی) جدّہ میں ہمیشہ جنگی آگبوٹ آتے اور بندر میں تین تین چار چار اور کبھی کم زیادہ جمع ہو جاتے تھے

اور کہڑے رہکر چلے جاتے تھے۔ نہ وہ کچھ تعرض کرتے تھے نہ ترکی حکومت +

ہم اس رسالہ میں اُن واقعات کو دکھلانا نہیں چاہتے جو کہ اس فتنہ کے زمانہ میں ہوئے کیونکہ اُسکے لئے ہمارا ارادہ ہے کہ اگر خدا کو منظور ہوا تو مستقل رسالہ لکھیں گے۔ اس مقام پر تو فقط حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا سفر نامہ لکھنا ہی۔ ہمکو طائف پہنچکر کچھ طبیعت سیر ہونے کا موقعہ ہاتھ نہ آیا تھا کہ شتربان آیا اور کہا کہ اگر چلتے ہو تو شتر حاضر ہے ورنہ میں آٹھ دن کے بعد پھر آؤں گا مطوف صاحب اور ہم لوگوں کی رائے ہوئی کہ ایک ہفتہ یہاں اور قیام کر لیا جاوے۔ اُسکے بعد مکہ معظمہ جانا چاہیئے۔ اتفاق وقت سے اُسوقت طائف میں میوے بہت کم تھے شہتوت اور خوبانیوں وغیرہ کا ابتدائی موسم تھا البتہ شہد خوب آتا تھا۔ دو چار دن کے بعد مولانا مرحوم نے تقاضا فرمایا کہ مکہ معظمہ کو چلنا چاہیئے مگر شتربان جا چکا تھا۔ ایک دو دن کے بعد پھر زیادہ تقاضا فرمایا ہم نے جب دوسری سواریاں تلاش کیں تو معلوم ہوا کہ راستہ بند ہو گیا ہے۔ ہم اُسوقت اس راز کو نہ سمجھ سکے کہ کیوں اسقدر تقاضا کیا جا رہا ہے مگر دو ہی تین دن کے بعد معلوم ہو گیا کہ آیندہ آنے والے واقعات نے خلاف عادت مولانا کو تقاضائے سفر پر مجبور کیا ہی جنکو نظر کشفی سے مولانا نے معلوم کر لیا تھا۔ مگر چونکہ ضبط اور اخفا کا مادہ بہت زیادہ تھا۔ اِدھر مقام رضا میں قدم راسخ تھا اسلئے چند مرتبہ ظاہری تقاضا کرنے کے بعد چپ ہو رہے اور پھر معلوم ہوا کہ طائف نہایت سخت خطرہ میں پڑ گیا ہے اسلئے جو لوگ باہر باغوں میں مقیم ہیں اُن کو شہر پناہ میں چلے جانا ضروری ہی۔ چنانچہ ہمارے مطوف سید امین عاصم صاحب بھی مع اپنے اہل و عیال شہر میں سید علی حبشی کے مکان پر چلے گئے اور ہمارے لئے بھی وہاں ہی ایک کوٹھری لے دی۔ تمام شہر میں اُسوقت عجب ہلچل تھی۔ ۹ شعبان روز شنبہ کو ہم لوگ شہر میں چلے گئے تھے۔ ترکی افسروں کو بھی یہ بات محسوس ہو گئی اُنہوں نے شہر کے اردگرد حسب قواعد جنگ مورچے بنائے اور جن جن باغوں اور مکانوں کو مورچہ کیلئے مناسب جانا اُن کو خالی کرا لیا۔ گیارہویں شعبان ۱۳۳۴ہجری کی شب کو صبح صادق کے قریب چاروں طرف سے شریف کی فوج نے چڑھائی کی جو کہ زیر کمانداری عبداللہ بیگ کام کر رہی تھیں۔ صبح صادق کے وقت ہم سب معیت حضرت مولانا مرحوم صبح کی نماز کیلئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مسجد میں جا رہے تھے کہ ناگاہ ایک بندوق کی آواز سُنائی دی۔ پھر تو چاروں طرف سے بندوقیں چلنے لگیں۔ ترکی فوج جس نے چاروں طرف حسب قواعد جنگ مورچے بنا رکھے تھے پورے طور سے جواب دیتی رہی۔ اگرچہ ترکی فوج کی مقدار تقریباً ایکہزار مسلح سپاہی کے تھی باقیماندہ

لوگ مسلح نہ تھے مگر چونکہ منتظم جماعت تھی اُسنے بدوی فوجونکو بہت زیادہ اور قوی نقصان پہنچایا - بدویوں کی مقدار بہت زیادہ بتائی جاتی ہے - اس سے دو دن پہلے مکہ معظمہ جدہ ینبع مدینہ منورہ میں یہی واقعہ پیش آچکا تھا - کیونکہ شریف نے انتظام کیا تھا کہ ایک ہی دن میں سب جگہہ یہ کام ہو - اس جنگ کی وجہ سے جو لوگ طائف میں غلہ اور ترکاری میوہ وغیرہ لاتے تھے اُن کا آنا بند ہوگیا اور یہاں سے باہر کا جانا بھی بند ہوگیا - ادھر فوجی حکام کو رسد کی فکر ہوئی - حسب قواعدِ جنگ اُنہوں نے تاجروں سے موجودہ غلہ کی نصف مقدار لینی شروع کی - جس نے خوشی سے دیدیا اُسکی مقدار میں سے نصف لیلیا اور نصف چھوڑ دیا اور لئے ہوئے نصف کی قیمت اُسوقت کے حساب سے لگاکر اُسکو رسید دیدی کہ حکومتِ ترکی بعد از جنگ یہ مقدار تمہکو ادا کریگی البتہ جن لوگوں نے چھپایا اُنپر شدت کیگئی اور تمام مالِ تجارت اُن کا خور ونوش اور ضروریاتِ فوجی کی قسم کا لیلیا گیا - فقط بمقدار اُن کے اہل وعیال کی ضرورت کے اُنکو دیدیا گیا - اِدھر تو شہر میں غلہ کی کمی اُدھر آمد بالکل بند بخرضکہ اسوجہ سے شہر میں سخت گرانی ہوگئی - پھر شریف کے لوگوں نے نہر کو بھی اوپر سے بند کردیا اسوجہ سے پانی کی سخت تکلیف ہوئی - اگر قشلہ (فوجی قیامگاہ) کا کنواں نہوتا تو نہایت زیادہ اشکال کا سامنا ہوتا - اگرچہ شریف کی فوج کثیر التعداد بھی تھی اور اُسکے پاس نئی اور عمدہ انگریزی رائفلیں بھی تھیں اور سامانِ جنگ نہایت کثرت سے تھا مگر باوجود سعی بسیار اُن کو کامیابی نہیں ہوئی جب اُنہوں نے ہجوم کیا مُنہ کی کھائی - دن رات برابر گولیاں چلتی رہتی تھیں - ترکی فوج اُن کے مجموں پر توپوں سے گولے بھی برساتی تھی - نصف رمضان تک یہی حالت رہی اُسکے بعد وہ مصری فوجیں جو جدہ میں اُسکے لے لینے کے بعد اُتاری گئی تھیں اور جنہوں نے مکہ معظمہ قلعہ اور قشلہ کو توپوں کے ذریعہ سے فتح کیا تھا - طائف میں معہ توپوں کے پہونچیں ہو طائف کے چاروں طرف سے توپیں سات یا آٹھ نصب کرکے قلعہ اور قشلہ پر گولہ باری کرنے لگیں - صبح سے تقریباً بارہ بجے تک یہ عمل ہوتا رہا اُسکے بعد توپیں ٹھیر جاتی تھیں - ترک بھی اُن کا جواب دیتے تھے - یہی حال عیدِ مبارک تک رہا - افسوس کہ عید کے دن بھی شریف کے لوگوں نے جنگ کو موقوف نہ کیا ٭

مولانا کا رمضان طائف میں

چونکہ رمضان کا مہینہ طائف میں نہایت بدامنی کی حالت میں واقع ہوا تھا اسلئے نہ تو دن کو حسب خواہش لوگوں کو خوراک کا انتظام کرنا ممکن ہوتا تھا - نہ مساجد میں تراویح وغیرہ کا انتظام حسب ضرورت ہو رہا تھا - مسجدِ ابن عباسؓ وہاں کی بڑی مسجد ہے اُس میں بھی تراویح الم ترکیف سے

ہوتی تھیں۔ اور اُسمیں بھی بہت کم آدمی آتے تھے۔ باقی لوگ محلہ کی مسجدوں اور اپنے مکانوں میں پڑھتے تھے کیونکہ گولیاں ہر وقت اوپر سے گذرتی رہتی تھیں۔ مولانا نے بھی اوّلاً مسجدِ ابن عباس میں حسب عادتِ سابقہ تراویح پڑھنی شروع کی مگر چونکہ رستہ وہاں کا ایسا تھا جہاں پر گولیاں برابر آتی رہتی تھیں اسلئے اُس مسجد میں جاتے وقت خطرہ ضرور رہتا تھا۔ اور پھر ایک شب میں یہ واقعہ پیش آیا کہ نمازِ مغرب پڑھکر فارغ ہوئے ہی تھے ابھی تک نفل وغیرہ پڑھ رہی تھے۔ اندھیرا ہو چکا تھا کہ بدوؤں نے ہجوم کیا۔ مسجد ابن عباس کی چھت اور میناروں پر بھی ایک بڑا دستہ ترکی فوجیوں کا تھا اور مسجد کے قریب جو دروازہ تھا وہاں پر مورچہ بھی تھا۔ غرضکہ طرفین میں خوب تیز گولی اور گولونکی بارش دیر تک ہوتی رہی۔ خود مسجد میں بھی برابر گولیاں برستی رہیں، جو لوگ مسجد میں باقی تھے وہ ایک کونہ میں جدھر گولیوں کے آنیکا گمان نہ تھا بیٹھ گئے۔ اُسروز تراویح بھی نہیں ہوئی فقط چند آدمیوں نے بوقت نمازِ عشا فرضِ عشا ایک طرف پڑھکر جب کچھ سکون ہوا چلے گئے۔ اُسکے بعد احباب اور خصوصًا سیّد ابن عاصم صاحب نے اصرار کیا کہ آپ مسجدِ ابن عباس میں نماز کیلئے نہ جایا کریں دروازہ مکان کے قریب جو مسجد ہے اُس میں ہمیشہ نماز باجماعت پڑھا کریں۔ چنانچہ تمام رمضان اوقاتِ خمسہ کی نماز وہاں پڑھتے تھے۔ اُس سال تراویح فقط الم ترکیف سے پڑھی گئی۔ اُسکے بعد مولانا رحمۃ اللہ علیہ نوافل میں سحر کے وقت تک مسجد میں مشغول رہتے تھے۔ مولوی عزیز گل صاحب اور کاتب الحروف بھی اُسی مسجد میں علیحدہ علیحدہ نفلوں وغیرہ میں وقت گذارتے۔ چونکہ گرمیونکی رات تھی جلد تر سحور کا وقت ہو جاتا تھا۔ پھر آکر کچھ سحری پکاتے جو کہ میٹھے چانول ہوتے تھے۔ مگر چونکہ شکر وہاں ملتی نہ تھی اسلئے شہد کو بجائے شکر چانول اور چاء میں استعمال کرتے تھے ورنہ اکثر تو نمکین چانول بغیر گوشت پکایا جاتا تھا۔ اُسوقت طائف میں چانول وغیرہ بھی دستیاب ہونا مشکل ہو گیا تھا ایک آنہ والی روٹی آٹھ آنہ کو بمشکل ملتی تھی۔ مگر دہلی کے تاجروں میں سے حاجی ہارون مرحوم نے تھوڑے چانول مولانا مرحوم کے لئے ہدیۃً بلا طلب بھیجدیئے تھے جو کہ عمدہ قسم کے تھے۔ اُنہوں نے بہت کام دیا۔ اس مدت میں جو کہ تقریبًا دو ماہ تھی ہم نے دس بارہ اشرفی طائف میں بوجہ سخت گرانی کھا ڈالی ؏

طائف سے روانگی

عید کے بعد تمام اہلِ شہر چونکہ بھوک سے مرنے لگے تھے حکّام کے پاس جاکر شکایت کی کہ اب ہمارے پاس کھانے کے لئے کچھ نہیں رہ گیا ہمارے پاس جتنے حیوانات دودھ یا سواری کے تھے کھا ڈالے غلہ سب ختم ہو گیا۔ اب ہمارے لئے کوئی صورت کیجیئے ہم سب مرے جاتے ہیں۔ اُنہوں نے

کہاکہ اچھا صبح کے آٹھ بجے سے بارہ بجے تک بابِ ابن عباس سے روانگی کے لئے ہم تمکو اجازت دینگے۔ ہم اپنی حد میں تمکو کوئی نقصان نہیں پہونچائیں گے باقی شریف کے آدمی تمکو نقصان پہنچائیں تو اُسکے ہم ذمہ دار نہیں
الحاصل اسطرح لوگوں کو ایک فارم معہ اُن کے اہل وعیال کے نام کے دیا جاتا تھا اور اُن سے عہد لیا جاتا تھا کہ وہ کہیں اگر ترکی حکومت سے جنگ نہ کرینگے پھر اُن کو معہ اُن کے ضروری اسباب کے باہر نکلنے دیا جاتا تھا۔ جب اسطرح سے لوگ نکلنے لگے تو پھر ہم سبھوں کو بھی ضروری معلوم ہوا کہ نکل چلیں۔ چنانچہ ۹ شوال ۱۳۳۴ھ کو وقت صبح ہم بھی بابِ ابن عباس سے نکلے اور وہاں سے چلکر پھرتے ہوئے (قیم) میں پہنچے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں پر شریف کا بیٹا عبداللہ بیگ جو کہ کماندار بدؤوں کا تھا مقیم تھا۔ اور تمام فوجی حرکات کا یہی مرکز تھا یہیں مصری فوج کے خیمے بھی تھے۔ چونکہ ہمارے پاس نہ سواری تھی اور نہ نقد وغیرہ، اور راستہ دور تھا۔ اِدھر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نہایت ضعیف تھے تین دن تک پہاڑی راستہ کو قطع کرنا آسان نہ تھا۔ علاوہ ازیں اسباب بھی تھا اسلئے وہاں جانا ضرور ہوا۔ عبداللہ بیگ سے ملاقات ہوئی۔ اعزاز واکرام سے پیش آیا۔ ایک خیمہ ٹھیرنے کرنیکا حکم کیا۔ ایک دُنبہ ذبح کرکے دعوت پیش کی (عرب میں عادت ہے کہ معزز مہمان کی دعوت میں دُنبہ ذبح کرنا ضروری ہے اگر ایسا نہ کیا جاوے تو وہ کامل اکرام مہمان کا شمار نہیں ہوتا) اور پھر انجیر وغیرہ میوہ جات بھیجے اور ایک اشرفی نذر کی۔ اور کہا کہ شب کو یہاں قیام کرو علی الصباح تمکو روانہ کردیا جائیگا۔ مگر علی الصباح لڑائی پر چلا گیا۔ اُسکے لوگوں نے خالی پُشت شتر کا انتظام کردیا کرایہ بھی خود دیا اور زادِ راہ بھی۔ اس طرح وہاں سے روانہ ہوکر ہم دسویں شوال کو مکہ معظمہ علی الصباح پہنچے۔ عمرہ کا احرام تھا۔ افعال عمرہ ادا کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ دو تین دن کا عرصہ گذرتا ہی کہ مولانا خلیل احمد صاحب متعلقین اور مولوی ہادی حسن صاحب اور حاجی شاہ بخش صاحب جدہ تشریف لیگئے ہیں۔ کیونکہ جدہ میں ہندوستان جانیوالا جہاز آنیوالا ہے۔ اسلئے ہندوستان کا قصد ہی۔ یہاں کے احوال دیکھکر مولانا صاحب گھبراگئے ہیں، اور یہ معلوم نہ تھا کہ طائف سے مولانا مرحوم کبتک آسکیں گے۔ چونکہ مولانا مرحوم اور مولانا خلیل احمد صاحب میں ہمیشہ سے تعلقات نہایت قوی اور گھر سے تھے اسلئے مناسب معلوم ہوا کہ وہ ہندوستان چلے جائیں اور ملاقات نہ ہو۔ نیز جدہ میں اور دوسرے کاروبار بھی تھے۔ ایک یا دو روز مکہ معظمہ میں قیام فرماکر جدہ سب کے سب پہنچے۔ وہاں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رامپور کی رباط میں اوپر کے طبقہ میں فروکش تھے۔ اُسی کے وسطانی طبقہ میں ہم سبھوں نے بھی قیام کیا۔

چونکہ جہاز کے آنے میں کچھ دیر لگی اسلئے تقریباً پندرہ بیس دن وہاں قیام کرنا پڑا۔ جب جہاز آگیا تو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب معہ اہلیہ صاحبہ و حاجی مقبول احمد صاحب و مولوی ہادی حسن صاحب و حاجی شاہ بخش صاحب سوار ہو گئے اُن کو جہاز تک پہنچانے کے لئے مولانا رحمۃ اللہ علیہ بھی تشریف لیگئے۔

الحاصل اُسکے بعد پھر جدّہ کے قیام کی کوئی ضرورت نہ تھی بہت جلد مکہ معظمہ واپس چلے آئے۔ حج کا زمانہ قریب تھا۔ حجاج کی آمد ہو رہی تھی۔ کاتب الحروف پر بعض احباب نے زور دیا کہ علم حدیث وغیرہ کی بعض کتابیں درس کے طور پر حرم شریف میں شروع ہو جانی چاہئیں۔ چنانچہ اُن کو شروع کرا دیا۔ اوائل ماہ ذی الحجہ میں مولوی مسعود احمد صاحب بھانجہ و داماد خورد حضرت مولانا مرحوم اور مولوی ولی احمد صاحب مدرس مدرسہ حسینیہ ضلع مرادآباد اور دیگر حجاج تشریف لائے۔ اُن کی زبانی معلوم ہوا کہ گورنمنٹ کی نگاہیں حضرت مولانا پر نہایت سخت پڑی ہیں۔ گورنمنٹ تک اسقدر افواہیں پہنچائی گئی ہیں کہ مولانا مرحوم کا بہت سخت بدظنی کے ساتھ انتظار کیا جا رہا ہے۔ ہر آگبوٹ کی تفتیش بہت زیادہ کیجاتی ہے۔ آگبوٹ کے پہنچتے ہی پولیس کمشنر اور متعدد عہدہ دار آگبوٹ پر آتے ہیں اور مولانا کی نسبت ہر شخص سے پوچھتے اور تحقیق کرتے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جناب مولانا خلیل احمد صاحب بھی بمجرد پہنچنے کے معہ ہمراہیوں کے زیر حراست لیلئے گئے اور سیدھے نینی تال بھیجدیئے گئے حاجی شاہ بخش صاحب اگرچہ ہمراہیوں میں نہ تھے مگر حیدرآباد پہنچکر وہ بھی زیر حراست لے لئے گئے۔ اسلئے مولانا مرحوم نے یہ قصد ضرور فرمایا کہ جو کچھ ہو ابھی ہندوستان چلنے کا قصد مناسب نہیں۔ حج کے ادا کرنے کا تو پہلے ہی سے قصد تھا اور یہ ضروری خیال تھا کہ جب ایام حج سر پر آگئے ہیں تو ایسی مبارک نعمت کو چھوڑ کر جانا کسی طرح مناسب نہیں۔ مگر ہاں اگر یہ معلوم ہو جاتا کہ گورنمنٹ کو مولانا مرحوم سے کوئی خاص پرخاش اور بدظنی نہیں ہے تو غالباً حج کرتے ہی مولانا مرحوم ہندوستان کو ضرور روانہ ہو جاتے۔

ایام حج آہستہ آہستہ آگئے اور تمام ادائے حج سے بحمد اللہ فراغت کاملہ حاصل ہوئی اس زمانہ میں یہ بات بھی خاص طور سے وقوع میں آئی کہ جناب حکیم عبد الرزاق صاحب نے بذریعہ مولوی مسعود احمد صاحب یکہزار روپیہ مولانا مرحوم کے پاس اخراجات جہاز کیلئے روانہ فرمایا۔ کیونکہ اس مدت میں جو روپیہ مولانا کے پاس تھا وہ تقریباً خرچ ہو چکا تھا اور باقیماندہ کچھ زیادہ مقدار نہ تھی :

مولوی مسعود احمد صاحب پر شبہ

مگر چونکہ مولوی مسعود احمد کی روانگی یکبارگی بلا شہرت ہوئی علیٰ ہذا القیاس اُن کا

وہاں پہنچنا بھی جہاز کی روانگی کے وقت ہوا جسکا اصلی سبب غالباً یہ تھا کہ حکیم صاحب موصوف کو یہ خیال غالباً اخیر میں ہوا۔ ورنہ ان رپوٹوں کو تاجروں کے ذریعہ سے بھی بھیج سکتے تھے مگر ساتھ ہی شاید اس گمان پر کہ اگر مولوی مسعود احمد جائیں گے تو گھر کے سب لوگوں کے احوال بیان کر دینگے اور مولانا کو اپنے جملہ اقارب کی طرف سے مطمئن کر دینگے اُن کے واسطے سے بھیجنا ضروری سمجھا اور اُن سے اُسوقت کہا جبکہ جہاز کی روانگی سر پر آپہنچی تھی۔ بمبئی تار دیکر ٹکٹ وغیرہ کا انتظام کر دیا۔ غرضکہ انکی اور آگبوٹ کی روانگی کے بعد گورنمنٹ کو خبر پہنچی۔ اسلئے گورنمنٹ کو شبہ دلایا گیا کہ اسطرح روانہ ہونا خالی از علت نہیں ہو سکتا۔ ضرور کوئی چیز ان کے ہمراہ ہے چنانچہ جسوقت آگبوٹ عدن پہنچا پولیس انکی تفتیش کیلئے سر پر آدھمکی۔ مگر وہاں کیا تھا تمام اسباب تفتیش کیا ہر چیز کو دیکھا کوئی مشتبہ چیز ہاتھ نہ آئی۔ آخر کار اپنا سا منہ لیکر چھوڑ دیا۔ مگر اسپر بھی گورنمنٹ کو باور نہوا۔ ایک شخص سی آئی ڈی کا انسپکٹر مسمی بہاؤالدین جدہ بھیجا گیا جو کہ بعہدہ ظاہریہ محافظ حجاج کے عہدہ پر تعینات کیا گیا تھا۔ اور غالباً وہ مولانا مرحوم کے نقل و حرکت کی تفتیش کی غرض سے وہاں مامور ہوا تھا۔ اُنہی زمانہ میں اہل سورت و راندیر سے بعض احباب و تلامذہ نے بھی مولانا کی خدمت میں ایکہزار روپیہ ارسال کیا جو کہ بذریعہ تجار تھا۔ حج کرنے کے بعد مولوی مسعود احمد صاحب اور عموماً حجاج واپس ہو گئے کیونکہ مدینہ منورہ کا راستہ اس سال بند تھا۔ مولوی مسعود احمد صاحب جب جہاز پر سوار ہو گئے تو بہاؤالدین نے اُن کی تلاشی آگبوٹ پر لی۔ مگر کوئی مشتبہ چیز برآمد نہ ہوئی۔ مگر پھر بھی بمبئی پہنچتے ہی زیر حراست کر لئے گئے اور پھر ان کو الہ آباد جیل میں پہنچایا گیا۔ اور اسقدر سختی کیگئی کہ بیچارے نے جھوٹی جھوٹی باتیں بنا کر جان چھڑائی

خان بہادر مبارک علی

ایام حج میں اورنگ آباد کے خان بہادر مبارک علی مکہ معظمہ تشریف لائے سرکاری آدمی تھے لن ترانیاں خوب ہانکتے تھے۔ شریف حسین صاحب کے یہاں پہنچے۔ ترکوں کو ہر مجلس میں برا کہتے تھے۔ حکومت موجودہ کی مدح سرائی میں زبان خشک ہو جاتی تھی۔ انہوں نے ظاہر کیا کہ میں گورنمنٹ ہند کی طرف سے بھیجا ہوا آیا ہوں تاکہ حجاز کے احوال کو دریافت کر کے واقعی باتیں اہل ہند کو بتاؤں کیونکہ ہند میں اسوقت بے چینی بہت پھیلی ہوئی ہے اور عموماً اہل ہند برطانیہ پر سخت احتجاج بلند کرتے ہوئے بادشاہ حجاز کو برا بھلا کہتے ہیں۔ اسلئے ضروری ہے کہ ایک اعلان علماء مکہ کی طرف سے مجھکو دیا جائے جسمیں ترکوں اور اُن کی حکومت اور خلافت کی برائیاں ہوں۔ اُن کے استحقاق خلافت پر پُر زور مضمون سے رد کیا گیا ہو۔ اسمیں خود

انقلاب اور حکومت جائرہ کی جانب ذکر کی گئی ہو۔ چنانچہ ایسا ایک محضر تیار کیا گیا اور وہاں کے اُن علمائے جنکو دربار شرافت میں دخل تھا اور صاحب ثروت و شوکت شمار کئے جاتے تھے اُسپر دستخط اور مہر کرایا گیا بہتوں نے خوشی سے اور بہتوں نے خوف سے دستخط اور مہر کر دیا۔ خان بہادر موصوف کے پاس جب یہ محضر پہنچا تو اُنہوں نے کہا کہ ان علماء کو کوئی ہندوستان میں نہیں جانتا کون تصدیق کریگا۔ مناسب ہوگا کہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب جو کہ علماء ہند میں ایک مشہور اور مسلم شخص ہیں اُنکے اور دیگر علمائے ہند کے دستخط اور مہر ہوں (نہ معلوم یہ اسی واسطے وہاں بھیجے گئے تھے کہ اس ذریعہ سے مولانا مرحوم کو وہاں سے پکڑا جائے۔ یا یہ قضیۂ اتفاقیہ تھا) الحاصل اس مضمون کو وہاں کے شیخ الاسلام مفتی عبداللہ سراج جو کہ زمانۂ حکومت ترکیہ میں مفتی حنفیہ تھے اور اب انقلاب کے بعد عہدۂ شیخ الاسلامی اور وکالتِ شرافت پر مامور ہو گئے تھے بذریعہ نقیب العلماء مولانا کے پاس بھیجا۔ اواخر محرم الحرام ۱۳۳۵ھ میں عصر کے بعد وہ اس محضر کو لیکر مکان پر آیا اُس زمانہ میں اہالی مکہ معظمہ میں سے جو لوگ مہاجرین ہند اور علم دوست تھے اُنہوں نے ظہر کے بعد مولانا مرحوم سے بخاری شریف کو شروع کرایا تھا مکان اقامت ہی پر درس دیا کرتے تھے۔ جب وہ کاغذ آیا تو چونکہ اُسکی سرخی تھی "من علماء مکۃ المکرمۃ المدرسین بالحرم الشریف المکی۔ یعنی یہ تحریر مکہ مکرمہ کے اُن علماء کی طرف سے ہے جو کہ حرم شریف مکی میں پڑھاتے ہیں۔" اسلئے اُن سے کہا گیا کہ "اولاً اسی سرخی کی وجہ سے کوئی استحقاق نہیں کہ حضرت مولانا اسپر کچھ لکھیں کیونکہ وہ علمائے مکہ میں سے نہیں اور نہ حرم مکی یعنی مسجد الحرام میں مولانا نے کبھی تدریس کی۔ ثانیاً اس میں قوم ترک کی مطلقاً تکفیر کیگئی ہی اور درباره اسکے جو کچھ احتیاط اور سخت احکام ہیں آپکو معلوم ہے۔ ثالثاً اسمیں وجہ تکفیر سلطان عبدالحمید خاں کا تخت سے اُتارنا لکھا گیا ہے۔ حالانکہ کسی فقیہ نے اسکو موجبات کفر میں سے قرار نہیں دیا۔ رابعاً اسمیں خلافتِ سلاطین آلِ عثمان کا انکار کیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ امر مخالف نصوص شرعیہ ہی۔ خامساً اسمیں اس انقلاب اور حرکت کو مستحسن دکھایا گیا ہے اور یہ بھی شرعاً نہایت قبیح واقع ہوا ہے۔"

چونکہ کاتب الحروف کی نقیب العلماء سے کچھ پہلے سے معرفت تھی اسلئے اُن سے تمام کیفیتیں ظاہر کر دینے کے بعد یہ کہا گیا کہ تم شیخ الاسلام سے یہ کہدینا کہ مولانا نے اسپر دستخط اور مہر سے اسوجہ سے انکار کر دیا کہ اسکا عنوان اہلِ مکہ اور مدرسینِ حرم کے ساتھ مخصوص ہے میں آفاقی شخص ہوں۔ پردیسی ہونے کی وجہ سے مجھکو کوئی

استحقاق اسپر دستخط کرنیکا نہیں - اور یہ کہا گیا کہ ابھی دوسری وجہوں کو انپر ظاہر نکرنا اگر پھر انہوں نے اصرار کیا تب اُن وجہوں کو پیش کیا جائیگا - وہ اُسی وقت واپس ہوگئے اور پھر کوئی جواب لائے اس محضر کا شہر میں پہلے سے چرچا تھا جو لوگ حقانی تھے اُن کو خوف لگا ہوا تھا کہ اگر ہمارے پاس آیا تو ہم کیا جواب دینگے اور کس طرح جان چھوڑائینگے - مولانا مرحوم کے رد کرتے ہی تمام شہر میں مشہور ہوگیا کہ مولانا نے اُسپر دستخط کرنے سے انکار کردیا - ابتو دوسروں کو بھی ہمت ہوگئی -

ادھر شیخ الاسلام صاحب کو تنبیہ ہوا اُنہوں نے عبارت سابقہ بالکل بدل ڈالی اور اس طرح اُسکو لکھا کہ اُس میں سے مبحث تکفیر بالکل خارج ہوگیا - مگر دستخط کرنے کو پھر نہیں بھیجا - جو عبارت دوسری مرتبہ بنائی گئی تھی اُسپر پہلے علماء سے فقط دستخط لیکر اخبار "القبلہ" میں بھی چھاپ دیا گیا - ادھر اُسی کو ہمارے نمایاں مبارک علیخاں لیکر روانہ ہوگئے - خیر خواہوں نے مولانا مرحوم سے کہا کہ اگر شریف نے آپکو کوئی اذیت پہنچائے مولانا مرحوم نے فرمایا کہ پھر کیا کیا جائے - مذہبی حیثیت سے اُسپر مہر و دستخط کسی طرح درست نہ تھا آیندہ جو کچھہ تقدیر الٰہی میں ہوگا جھیلیں گے -

مولانا کو پہلے سے بھی بارہا یہ خیال آیا تھا کہ مکہ معظمہ میں ہمارا قیام کسی طرح مناسب نہیں بلکہ شریف کے احاطۂ حکومت میں رہنا خالی از خطرہ نہیں - کیونکہ گورنمنٹ انگریزی کو لوگوں نے اس طرح بدظن کر رکھا ہے اور شریف سے اور گورنمنٹ سے از حد اتحاد ہے - پھر کیونکر بہتری کی اُمید کیجائے - اسلئے بارہا تقاضا فرمایا کہ کوئی صورت جلد یہاں سے نکلنے کی ہونی چاہیئے - مگر اگر فقط مولانا صاحب کی ذات مبارک ہوتی تو ہر وقت نکلنا ممکن تھا - وہاں تو کئی آدمیوں کا مجمع اور بہت سا اسباب تھا - ان سب کے لئے متعدد سواریوں کی ضرورت تھی جنکے انتظام میں بڑا کھڑاگ اور بہت شہرت کا سامنا تھا - تسپر بھی فکر کیا گیا -

حکیم نصرت حسین صاحب کا ذکر

ایام حج سے پہلے حکیم نصرت حسین صاحب ساکن کوڑہ جہان آباد ضلع فتحپور ہسوہ معاینہ چوبھی(؟) د بھائی جناب مولوی سید ہاشم صاحب کانپوری مدن اور پورٹ سودان ہوتے ہوئے تشریف لائے تھے - حکیم صاحب موصوف نے دیوبند میں علم حدیث وغیرہ پڑھا تھا یہاں ہی ان کی دستاربندی ہوئی تھی - مولانا مرحوم سے بیعت بھی تھے - اور مولانا سے اُنکو نہایت زیادہ تعلق تھا طبیعت نہایت زیادہ جوشیلی اور خدا پرست پائی تھی - احوالِ حاضرہ کی کشمکش اور عالم اسلام کے تسفل ہندستان کی غلامی نے اُنکو

سخت پیچیدگیوں میں ڈال رکھا تھا۔ اُن دنوں یہ دونوں حضرات مکلا وغیرہ ہوتے ہوئے حج کو تشریف لائے۔ والیٔ مکلا سید ہاشم صاحب سے واقف تھے اور اُن کے دادا مولانا عبدالحق صاحب کانپوری مرحوم کے معتقدین میں سے تھے۔ اُنہوں نے ہی انتظام ان دونوں حضرات کے سفر کا کر دیا تھا اور بذریعہ برٹش حاکم عدن پورٹ سوڈان تک وہاں سے جدہ کا ٹکٹ بھی دلوا دیا تھا۔ چونکہ حکیم نصرت حسین صاحب طب یونانی سے واقف تھے اور اُن کے پاس تجربہ کی دوائیں موجود تھیں اُنہوں نے حاکم مکلا کی دوا بھی ایک مدت تک کی تھی اور بظاہر وہ اسی غرض سے مکلا پہنچے تھے۔ پھر اُنہوں نے قصد حجاز کا کر دیا۔

خلاصہ کلام یہ کہ یہ دونوں حضرات بھی ابتدائے ذی الحجہ یا اواخر ذی قعدہ میں مکہ معظمہ میں پہونچے عبدالقادر سکندرانی کا مطوف تھا۔ چونکہ اُن دنوں وہ خود موجود نہ تھا اُسکے بیٹے اور نوکر وغیرہ موجود تھے اُنہوں نے پوری طرح خدمت اور خبرگیری ان دونوں حضرات کی رکھی۔ اُس زمانہ میں مکہ معظمہ میں کوئی ترکی ٹوپی کا استعمال کرنیوالا سوائے ان دونوں کے نہ تھا۔ اسلئے عام طور پر لوگوں کی نظریں ان دونوں پر پڑتی تھیں۔ حج سے فارغ ہونیکے بعد سید ہاشم صاحب ہندوستان واپس چلے گئے اور حکیم صاحب موصوف وہاں اس بنا پر ٹھہر گئے کہ شاید انہیں چند دنوں میں مدینہ منورہ کا راستہ کھل جائے تو مدینہ منورہ کی زیارت سے مشرف ہونا نصیب ہو۔ اور چونکہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا بھی خیال مدینہ منورہ کے جانیکا ہو چکا تھا۔ اسلئے اُنہوں نے اُسی مکان میں آجانا اور قیام کرنا مناسب سمجھا جہاں پر حضرت مولانا مقیم تھے۔ سید ہاشم صاحب کا جہاز جب عدن پہنچا وہاں پر امیر مکلا نے جو روپیے اُنکے لئے پہلے وعدہ کے طور سے تیار کر رکھے تھے بذریعہ اپنے وکیل کے پیش کئے۔ کیونکہ جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں۔ اولاً تو امیر مذکور اُن کے دادا کا معتقد تھا۔ اُسکو بھی حیدرآباد سے تعلق ہے اور اُن کے دادا صاحب بھی وہاں کے معتقد علیہ لوگوں میں سے تھے۔ ثانیاً یہ بھی سادات علویہ میں سے ہیں جنکا حضرموت میں قیام اور مرکز ہے۔ اور امیر مذکور اُن سادات کا ہمیشہ سے خادم اور معتقد رہا ہے۔ ثالثاً یہ دونوں وہاں اُسکے پاس بطور مہمانی گئے تھے اُسکے لئے ادائے خدمت و نذرانہ ضرور تھا۔ رابعاً حکیم صاحب سے اُسنے مفید اور سریع التاثیر دوائیں پائی تھیں جنکو وہ ہزاروں کے خرچ میں بھی نہیں پا سکتا تھا۔ ان وجوہ سے اُس نے انکے لئے اپنے وکیل کے پاس کچھ نقد جمع کر رکھا تھا۔ ان کا جہاز جب عدن پہنچا تو بوجہ واقفیت سابقہ اُس سے ملے اُسی نے وہ نقد پیش کیا۔ جب بمبئی پہنچے تو گورنمنٹ نے ان کو زیر حراست لے لیا اور جو کچھ نقد انکے

پاس تھا وہ بھی ضبط کر لیا اور تہمت یہ لگائی کہ تم اس سے امیر کابل سے سازش کرنا چاہتے ہو۔ بیچارے ایک مدت دراز تک الہ آباد اور فتحپور کے جیل میں رہکر پھر چھوٹے مگر نقد ابتک نہیں ملا +

واقعہ اسارت مکہ معظمہ

میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ اس فتوے کے واقعہ کے بعد ہمکو عموماً اور مولانا کو خصوصاً اسکا خیال تھا کہ مکہ معظمہ سے باہر چلا جانا اور خصوصاً شریف کی قلمرو سے بیرون ہو جانا نہایت ضروری ہی مگر اسباب اور ہمراہیوں کے تعدد کی وجہ سے اشکال تھا حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا تقاضا بھی شدید تھا۔ بہت کچھ انتظام کیا جسکی کچھ صورت ہوگئی تھی۔ غالباً اگر دو چار یوم کی تاخیر ہو جاتی تو ہم روانہ ہو چکے تھے مگر تقدیر کا لکھا ہوا ہو کر رہتا ہے۔ شریف صاحب جدہ گئے اور وہاں کرنیل ولسن معتمد برطانیہ سے خدا جانے کیا گفت و شنید ہوئی کہ شب کو شیخ الاسلام کے نام حکم آیا کہ مولانا اور اُن کے جملہ ہمراہیوں اور حکیم نصرت حسین صاحب اور سید ہاشم صاحب کو زیر حراست یہاں بھیجدو مگر سید صاحب کی نسبت کہا گیا کہ وہ روانہ ہو گئے۔ سید امین عاصم صاحب کو اسکی خبر رات کو ہی ہوگئی تھی مگر انہوں نے ہمکو کچھ نہیں بتایا۔ صبح کو شیخ المطوفین احمد یحیٰی مولانا کے پاس مکان پر پہنچا۔ اُسوقت حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے پاس مولوی عزیر گل صاحب اور دوسرے رفقا تھے کاتب الحروف نہ تھا اُسنے کہا کہ تمہاری گورنمنٹ جسکی تم رعایا ہو تمکو طلب کرتی ہے۔ اسلئے مجھکو شریف کی طرف سے حکم ہوا ہے کہ تم کو راحت کیساتھ روانہ کردوں۔ جس سواری کی اور جتنی سواریوں کی ضرورت ہو ہمکو بتلادو تاکہ ہم اُن کا انتظام کردیں۔ مولوی عزیر گل صاحب سے اُس کی کچھ زیادہ گفتگو ہوئی جسکا خلاصہ یہ تھا کہ ہم یہاں کسی کافر گورنمنٹ کو نہیں پہچانتے ہم حرم خداوندی میں اماں لئے ہوئے پڑے ہیں۔ اگر شریف ہمکو یہاں سے نکالتے ہیں تو ہم خوشی سے نکل جائیں گے جب تک کہ تم ہمکو ڈنڈے کے زور سے نہ نکالو۔ وہ کچھ پیچ و تاب کھاکر جواب دے رہا تھا اتنے میں میں (کاتب الحروف) پہونچگیا۔ قصہ دریافت کیا حال معلوم ہوا۔ آخر کار یہ رائے قرار پائی کہ سید امین عاصم صاحب سے اس بارہ میں چارہ جوئی کرنی چاہئے وہ کچھ اس بارہ میں سعی کریں۔ چنانچہ ہم سب اُن کے مکان پر گئے تو معلوم ہوا کہ اُن کو پہلے سے خبر ہے کہ رات کو یہ حکم شریف کا شیخ الاسلام کے پاس آچکا ہے۔ پھر آخر کار رائے یہ ہوئی کہ سب کو ملکر شیخ الاسلام کے پاس حمیدیہ میں جہاں حکام کا مرکز ہے چلنا چاہئے اور اُس سے گفت و شنید کرنی چاہئے۔ چنانچہ وہاں گئے۔ اول سید صاحب اوپر گئے اور ہم سبھوں کو نیچے بٹھا گئے۔ اُنہوں نے جب شیخ الاسلام سے

گفتگو کی تو اُسنے وہی فتوے پر دستخط نکرنیکا الزام رکھا اُنہوں نے جواب دیا کہ وہ نیچے موجود ہیں اُن میں سے حسین احمد عربی میں آپکو وجہ اور اصلیت بتلا سکتا ہے اُسکو بلائیے اور تحقیق کیجئے۔

شیخ الاسلام سے گفتگو

الغرض مجھکو بُلایا گیا اُنہوں نے کہا کہ مولانا ہمارے مخالف ہیں ہمکو باغی کہتے ہیں۔ ہم کو خارجی کہتے ہیں۔ اسلئے اُن کو باغیوں کی حکومت میں نہ رہنا چاہیئے میں نے کہا کہ آخر آپکو یہ کہاں سے معلوم ہوا اُنہوں نے کہا کہ مولانا نے فتوے پر دستخط کیوں نہیں کئے۔ میں نے کہا کہ آپ خود نقیب کو بلاکر پوچھئے۔ چونکہ اُسکا عنوان (مُہر تھی) یہ تھا کہ من علماء مكة المكرمة المدرسين بالحرم المكي تو مولانا نے فرمایا کہ نہ تو میں مکہ معظمہ کے علماء میں سے ہوں اور نہ میں مسجد الحرام میں پڑھاتا ہوں اسلئے مجکو اسپر دستخط کرنے کا کوئی استحقاق نہیں۔ اُسنے اس جواب کا انکار کیا۔ آخر کار نقیب بلایا گیا اور اُسنے اسکی تصدیق کی۔ شیخ الاسلام نے کہا کہ تم ہمارے حکم سے نافرمانی کرتے ہو میں نے کہا کہ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ آپ ہمکو کل تک کی اجازت دیدیں کل کو شریف صاحب خود آجائیں گے ہم اُن سے کچھ عرض کرلیں وہ اگر راضی نہوے تو ہم امتثال حکم کیلئے تیار ہیں۔ کہا کہ یہ نافرمانی نہیں ہے میں نے کہا کہ یہ استرحام ہے اور استرحام بادشاہ اور وزیر سے سب ہی سے ہو سکتا ہے۔ تب وہ ڈھیلا ہو کر کہنے لگا کہ مولانا سیاسی مجالس منعقد کرتے ہیں میں نے کہا کہ آپکو غلط خبر پہنچائی گئی ہے۔ مکان پر مولانا بخاری شریف پڑھاتے ہیں اُسکے پڑھنے اور سننے کیواسطے لوگ جمع ہو جاتے ہیں کوئی سیاسی مجلس منعقد نہیں کیجاتی۔ اُسنے کہا کہ اُس میں پہلے یا بعد کوئی سیاسی تذکرہ نہیں ہوتا؟ میں نے کہا کہ ہاں کبھی بعد درس کے بعض باتوں کا جو اخباروں میں یہاں آتی ہیں تذکرہ ہوتا ہے جنکا تعلق آپکے داخلی احکام و نظام سے کوئی نہیں فقط خارجی امور سے تعلق رکھتی ہیں۔ کہا کہ مولانا مغرب کے بعد مسجد الحرام میں بھی سیاسی مجلس منعقد کرتے ہیں۔ میں نے کہا یہ بھی غیر واقعی خبر ہے۔ مغرب کے بعد مولانا نوافل دیر تک پڑھتے رہتے ہیں اُسکے بعد ہم فقط چند خدام مولانا کے پاس حاضر ہو جاتے ہیں۔ وہاں کوئی مجلس نہیں ہوتی اور نہ امور سیاست سے کوئی تعلق ہوتا ہے اُسنے کہا کہ تو نے حافظ عبد الجبار صاحب دہلوی کی دوکان پر یہ کہا کہ یہاں پر سب چیزیں اور احکام انگریزی ہو گئے ہیں میں نے کہا کہ میں نے سب چیزوں اور احکام کو نہیں کہا بلکہ ایک کتاب کی جلد باندھکر ایک صاحب لائے تھے اُن سے حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا کہ کیسی جلد باندھکر لائے ہو اُس نے جواب دیا کہ فرنگی باندھکر لایا ہوں میں نے کہا کہ افسوس اب سب چیزیں فرنگی پسند ہونے لگیں۔ میرا اشارہ

اور مطمح کلام جلد کے سوا دوسرا کوئی امر نہ تھا میں نے کہا کہ ہر خبر کی آپ تصدیق کیونکر فرما لیتے ہیں۔ اُسنے کہا کہ ہمارے پاس خبر لانیوالے تو یہی لوگ ہوتے ہیں فرشتے تو لانے سے رہے ہی۔

الغرض اخیر میں اُسنے اگلے دن کی اجازت دیدی کہ کل کو شریف آجائے گا تو خود اُن سے گفتگو کر لینا ہم خوشی خوشی گھر چلے آئے اور سارا قصہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے تمام رستہ بیان کرتے رہے۔ خیال یہ بھی ہوتا تھا کہ شب کو کسی طرح نکل چلیں تاکہ اِن کے دست بُرد سے بچے رہیں۔

مصالحت کی کوشش

مگر حافظ عبد الجبار صاحب ہلوی نے کوشش یہ کی کہ شیخ الاسلام کی مولانا سے صفائی ہو جائے تو بہتر ہے وہ شریف سے بھی کہہ لیگا اسلئے لوگوں کو درمیان میں ڈالکر کچھ گفتگو کی۔ اور مجھ کو بُلا کر کہا کہ اگر تو اسپر راضی ہو کہ شیخ الاسلام کے ہاتھ چوم کر معافی طلب کرے تو یہ سب قصہ رفع دفع ہو جائے۔ میں نے کہا کہ مولانا کی راحت کیلئے شیخ الاسلام کے ہاتھ تو درکنار میں پیر چومنے کے لئے بھی تیار ہوں اُنہوں نے فرمایا کہ مغرب کے بعد تو ہمارے مکان پر آجانا ہم تجھ سے پہلے شیخ الاسلام کے یہاں جائینگے اور پھر جسوقت ہمارا آدمی تیرے پاس آوے اُسوقت تو اُسکے ساتھ چلے آنا۔ الغرض ایسا ہی کیا گیا مغرب عشا کے درمیان میں وہ حضرات مجتمع ہو کر علی مالکی (مفتی مالکیہ) کے مکان پر گئے وہیں شیخ الاسلام شام کو بوجہ اپنی سُسرال ہونیکے بیٹھا کرتا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد میرے پاس آدمی آیا میں وہاں پہنچا۔ شیخ الاسلام کے ہاتھ چومے اور معافی طلب کر کے ایک طرف کو بیٹھ گیا۔ اُسنے جواب دیا کہ خواہ ہمنے ترکوں سے لڑنے میں غلطی کی یا صواب کیا مگر اب جبکہ لڑائی ٹھن گئی اور ہم اس میدان میں اُتر آئے ہیں تو جبتک کہ ہماری عورتیں اور بچے باقی ہیں ہم لڑینگے۔ میں نے اِسکا کوئی جواب نہیں دیا۔ تھوڑی دیر بیٹھ کر قہوہ پیکر میں چلا آیا۔ اب جملہ احباب کو بھی اور ہمکو بھی اطمینان ہو گیا کہ قصہ رفع دفع ہو گیا۔ کوئی ضرورت نہیں کہ جلدی کر کے یہاں سے سفر کیا جاوے اگلے روز جب شریف صاحب آئے تو شیخ الاسلام نے اُس سے کہا کہ وہ لوگ (ہم سب ہو نکی نسبت) رات کو آئے تھے اور معافی کے خواستگار ہوئے ہیں اسلئے اُن کو چھوڑ دیا گیا۔ شریف نہایت برہم ہوا کہ کیوں تم نے اُنکو شب ہی کو روانہ کر دیا۔ اُن کو آج ہی روانہ کرو۔ اُن کو کسی طرح مت معاف کرو اور بہت سختی کے کلمات کہے اِس خبر کے پہونچنے پر ہم میں سے بعض احباب کی رائے ہوئی کہ مولانا کو اور اُن کے ساتھ وحید احمد کو کہیں چھپا دیا جائے اور شب کو اُن کو کسی دوسری جگہ روانہ کر دیا جائیگا۔ باقی لوگوں کو دو چار دن غایۃ ما فی الباب قید رکھیں گے

پھر چھوڑ دینگے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد پولیس کا آدمی مجھکو اور وحید کو بلانے کیلئے پہونچا وحید موجود نہ تھا۔ مجھکو حمیدیہ میں بُلا کر نائب کمشنر پولیس نے مجھکو کہا کہ تو انگریزی حکومت کو بُرا کہتا ہے اب اسکا مزہ چکھ اور قید خانہ میں مجھکو بھیجدیا ٭

مکۂ معظمہ کے قید خانے

مکۂ معظمہ میں تین قید خانہ ہیں ایک متمدّن اور دو غیر متمدّن۔ متمدّن قید خانہ تو حمیدیہ میں ہے جسمیں آدمی مکان سے باہر نہیں جا سکتا ہے۔ اُسکا لباس وغیرہ وہی رہتا ہے اُس سے کوئی کام بھی نہیں لیا جاتا اُس سے جو شخص چاہے آکر مل سکتا ہے۔ لوگوں کا کھانا اُن کے گھر وں سے آتا ہے اور غیر متمدن قید خانے شریف کے مکان کے پاس ہیں۔ ایک تو تہ خانہ ہے جسمیں بہت سی سیڑھیوں سے اُترنا ہوتا ہے اُس میں روشنی بالکل نہیں دن رات وہاں یکساں رہتا ہے۔ اور دوسرا مرتبہ اُس میں وہ ہے جسکو تخشیبہ کہتے ہیں لکڑیوں میں پیر ڈال دئے جاتے ہیں۔ جسکی وجہ سے آدمی چل پھر بھی نہیں سکتا۔ اُس اندھیرے میں ننگا مادر زاد لکڑی کے تختوں میں پیر پڑا رہتا ہے۔ غرضکہ یہ دونوں قید خانہ نہیں بلکہ عذاب دوزخ کے نمونے ہیں۔ کاتب الحروف کو اُس متمدن قید خانہ حمیدیہ میں رکھا گیا (شام اور صبح کھانا سید امین عاصم صاحب برطون نے بھیجا)۔

اسکے بعد پولیس نے مولانا کو تلاش کیا چونکہ مکان پر موجود نہ تھے اسلئے مولوی عزیز گل صاحب اور حکیم نصرت حسین صاحب کو پکڑا اور کہا کہ جہاں سے ممکن ہو مولانا کو ڈھونڈھ کر لاؤ انھوں نے میری نسبت دریافت فرمایا تو یہ جواب ملا کہ وہ تو قید خانہ میں ہے۔ اِن دونوں خدام نے مولانا کی لاعلمی بیان کی۔ باوجود سخت تقاضے اور دھمکی موت کے اِن خدام نے کچھ پتہ نہیں دیا۔ بالآخر یہ دونوں اسی مکان میں حضرت کے آمد تک مقید رکھے گئے اور شریف کے نوکر جا کر حضرت کی تلاش میں رہے ٭

دہلی کے تاجروں کی ہمدردی

دہلی وغیرہ کے بڑے بڑے تاجروں کی ایک جماعت شریف کے یہاں پہنچی اور کہا کہ ہم آپکی خدمت میں استرحام کیلئے حاضر ہوئے ہیں اگر مولانا اور اُن کے رفقا سے کوئی قصور ہوا ہو تو آپ خود اُن کو اپنی مملکت میں سزا دیں غیر مسلم قوموں کے حوالے کیوں کرتے ہیں اور حرم خداوندی سے کیوں نکالتے ہیں آپکو یاد ہوگا کہ ترکی حکومت کے زمانہ میں جبکہ ترکوں نے بعض آدمیوں کو قید کر کے فلاں تاریخ کو غیر مسلموں کو دینا چاہا تھا تو آپ خود مانع ہوئے تھے اور اُن کو چھوڑا دیا تھا۔ پھر اب تو آپ خود مستقل ہیں تو ہماری اُمیدیں آپ سے بہت زیادہ وابستہ ہیں اُسنے جواب دیا کہ ہماری اور انگریزوں کی دوستی ابھی نئی ہے

ہم نہیں چاہتے کہ ہم اُنکی رعایا کو کوئی سزا دیں اور پھر وہ ہماری دوستی میں فرق اور خلاف کی باعث ہو۔ ہمکو اُن کی دوستی قایم رکھنی ضروری ہے۔ ہم کسی طرح اسوقت کوئی رعایت نہیں کرسکتے (حقیقت تو یہی کہ وہ خود مجبور تھا غالباً اُسپر حکم کیا گیا تھا کہ مولانا کو تسلیم کردے) غرضکہ اُن کی بھی کوئی بات نہ سُنی گئی۔ جب شام کا وقت ہوگیا اور مولانا باوجود تفتیشِ کثیر ہاتھ نہ لگے تو پھر شریف کو خبر دیگئی کہ مولانا تو ہاتھ نہیں آتے خدا جانے کہاں ہیں +

شریف نے حکم کیا کہ اگر عشا تک مولانا موجود نہو گئے تو دونوں سا تھیونکو گولی سے ماردو اور مطوف کے سو کوڑے لگاؤ اور مطوفی چھین لو۔ اس خبر کی وجہ سے مطوف صاحب کو نہایت پریشانی ہوئی اور مولانا کو بھی خبر پہنچی۔ مولانا نے فرمایا کہ میں کسی طرح گوارا نہیں کرتا کہ میری وجہ سے کسی کو کوئی آزار پہنچایا جائے جو کچھ ہوگا میں اپنے سر پر جھیلوں گا اور نکلنے کے لئے تیار ہوئے احباب نے کہا کہ اچھا احرام کے لباس میں نکلئے تاکہ لوگوں کو خیال ہوجائے کہ یہاں تھے ہی نہیں چنانچہ احرام کے لباس میں مولانا مکان پر آگئے اوسیوقت اونٹ وغیرہ حاضر کئے گئے اور چار آدمی تقریباً عشا کے وقت وہاں سے دو اونٹوں پر روانہ کردئے گئے۔ مولانا روانگی کے وقت نہایت مطمئن تھے اور احباب سے رخصتی میں ملتے وقت فرماتے تھے کہ "الحمد للہ بمصیبتے گرفتارم نہ بمعصیتے"۔

منشی محمد حسین صاحب فیض آبادی چونکہ اکثر بیمار رہا کرتے تھے اسلئے ہمنے اُنکو علیحدہ کردیا تھا اور کہدیا تھا کہ اگر کوئی تم سے پوچھے تو کہدینا کہ میں فقط خدمت وغیرہ کی غرض سے یہاں آتا تھا میں رفقا میں سے نہیں ہوں مگر اُن سے کسی نے تعرض بھی نہ کیا۔ مولانا کے ساتھ چند سپاہی بندوق لئے ہوئے حفاظت کیلئے ساتھ تھے جو نوبت بنوبت ہر مقام پر بدلتے رہتے تھے۔ یہ سفر مولانا مرحوم کا مکہ معظمہ سے ۲۳ صفر شب یکشنبہ ۱۳۳۶ھ کو ہوا دوشنبہ کی صبح کو ۲۴ صفر کو جدہ پہنچے۔

مجھکو راتب الحروف کی قید خانہ میں کوئی حالت صبح تک معلوم نہ ہوئی صبح کو جب احباب ملنے آئے تب سب کیفیت معلوم ہوئی تھوڑی دیر کے بعد سید امین عاصم صاحب کے بھانجہ زادہ سید احمد جعفری آئے اور کہا کہ سید صاحب نے کہا ہے کہ ہم نے تیرے چھوڑانے کیلئے بہت کوشش کی مگر چونکہ شریف بہت خفا ہے اسلئے کم از کم آٹھ دس دن تک تجھکو قید خانہ میں رہنا پڑیگا۔ میں نے کہا کہ چونکہ میں مدینہ منورہ سے فقط مولانا کی خدمت کے لئے نکلا ہوں اسلئے مجھکو خدمت میں رہنا ضروری ہے اگر جدہ سے مولانا ہندوستان تشریف لیگئے تو پھر

ساتھ رہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہاں مجھسے اعلیٰ اعلیٰ خدام موجود ہیں اور اگر کسی دوسری جگہ اُن کو بھیجا گیا تو میرا ساتھ رہنا ضروری ہے اسلئے جس طرح ممکن ہو مجکو مولانا کے پاس بھجوا دیجئے اُنہوں نے کہا کہ یہ بات تو آسان ہے، ہم ابھی شیخ الاسلام سے جاکر کہے دیتے ہیں کہ مادہ فساد میں سے بعض کا باقی رکھنا اور بعض کا اخراج کرنا مناسب نہیں اسلئے اسکو بھی وہاں بھیجدو غالبًا دو ایکوقت تمکو بھی وہاں بھیجدیں گے۔ میں نے کہا کہ ہاں ایسا ہی کیجئے۔ پھر نہ معلوم اُن سے کیا باتیں ہوئیں ظہر کے بعد قریب عصر کے معلوم ہوا کہ مجکو جدہ جانے کا حکم ہوا ہے۔ میں نے مکان پر پولیس کے ساتھ جاکر اپنا ضروری سامان ساتھ لیا اور باقیماندہ جسقدر اسباب حضرت مولانا اور رفقاء کا تھا اُسکو بھی منتظم کر کے حافظ عبد الجبار صاحب کے سپرد کیا کہ آپ اس تمام اسباب کو خچروں پر جدہ معلوف صاحب کے وکیل کے پاس بھجوادیں۔ الغرض مولانا کی روانگی کے بعد اگلے دن خچروں پر مجھکو زیر حراست روانہ کیا گیا۔ چونکہ اونٹ جدہ اور مکہ کے درمیان دو دن لگاتا ہے اور خچر ایک ہی شب میں پہنچا ہے اسلئے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے پہونچنے کے تقریبًا ڈیڑہ یا دو گھنٹہ کے بعد میں پہنچ گیا۔ جدہ کے قیدخانہ کے دروازہ پر ایک کمرہ تھا وہاں پر مولانا مع اپنے رفقاء کے فروکش تھے وہاں ہی میں بھی پہنچا دیا گیا مولانا کو میری طرف سے بہت فکر تھا حاضر ہوجانے پر اطمینان ہوا۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا خواب

بیان فرمایا کہ میں نے رات کو خواب میں دیکھا ہے کہ جناب سرور کائنات آقائے نامدار حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ ہے اور ہم سب لئے جا رہے ہیں اور میں یہ سمجھ رہا ہوں کہ آپکی تجہیز و تکفین وغیرہ سب اُمور کا میں متکفل ہوں اور پھر اپنے دل ہی دل میں سوچ رہا ہوں کہ آنحضرت علیہ السلام کی تجہیز و تکفین ہم طالب علم کس طرح سے پورے طور پر ادا کر سکیں گے پھر دیکھا میں نے کہ جنازہ ایک جگہ رکھا گیا اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس اللہ سرہ العزیز اُسکے سامنے دو زانو مراقب بیٹھے ہوئے ہیں اور میں چاروں طرف اردگرد تجہیز تکفین غسل وغیرہ کا انتظام کرتا پھر رہا ہوں" پھر چونکہ ظاہر نہ تھی کچھ بیان نہیں فرمایا۔

شام کے وقت انسپکٹر سی آئی ڈی بہاؤ الدین محافظ حجاج آئے اور اُنہوں نے کہا کہ کل کو اگبوٹ جانیوالا ہے اگر آپ اسمیں چلیں تو میں اُسکا انتظام کروں۔ ہم نے اُن سے کہا کہ آپ معتمد برطانیہ کرنیل ولسن کی طرف سے مامور ہوکر ہمارے پاس آئے ہیں یہ کہدیجئے کہ ابھی تک ہمارا سارا سامان مکہ معظمہ سے نہیں آیا اسلئے

ہم اگلے آگبوٹ میں جائیں گے۔ اور پھر دوسری بات ہم آپ سے بحیثیت ہندوستانی اور مسلمان ہونیکے خیر خواہانہ کہتے ہیں کہ اگر ہمکو اسوقت ہندوستان بھیجا گیا تو جو واقعات حجاز کے ہیں ہم بلا کم وکاست وہاں کہیں گے ہم نہ جھوٹ بولیں گے نہ چھپا دینگے اور یہ امر گورنمنٹ کی سیاست کے زیادہ مخالف ہوگا۔ اسلئے آپ کوشش کیجئے کہ گورنمنٹ تا اختتام جنگ ہمکو یہاں ہی کسی جگہ رکھدے خواہ جدہ میں یا اور کسی قریہ یا قصبہ میں اُنہوں نے کہا کہ بہتر ہے۔ اگلے روز وہ آئے اور ہمکو اپنے مکان پر لیگئے اوپر کے طبقہ میں جو کہ خالی تھا ہمکو رکھا اور بیچ کے طبقہ میں خود رہتے تھے۔ اور نیچے دروازہ پر شریف کا سپاہی محافظت کرتا تھا۔ جو جہاز اُسوقت موجود تھا وہ روانہ ہوگیا۔ کرنل ولسن کسی جنگی ضرورت سے باہر چلا گیا۔ تقریبًا ۲۰ یا ۲۵ دن کے بعد آیا اُنہوں نے اُس سے کہا اُسنے جواب دیا کہ ممکن نہیں کہ ان کو یہاں چھوڑا جائے۔ کیونکہ شریف کہتا ہی کہ میری قلمرو میں انکا چھوڑنا میری مرضی کے خلاف ہی ان کو مصر بھیجنا چاہیئے جب ہمکو یہ خبر پہنچی تو ہم نے کہا کہ مصر سے تو ہندوستان ہی اچھا ہی۔ آپ ہندوستان کیلئے اُن سے زور دیجئے اُنہوں نے جواب دیا کہ اب وہ ہندوستان کے لئے کسی طرح تیار نہیں ہوتا (یہ سب اُن کا بیان ہی)۔

جدہ سے روانگی

الغرض بروز جمعہ ۱۲ جنوری ۱۹۱۶ء مطابق ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ جدہ سے سویز کو خدیوی آگبوٹ پر ہمکو سوار کردیا گیا۔ تقریبًا ایک ماہ جدہ میں رہنا ہوا۔ نماز پنجگانہ ہم مکان پر ہی پڑھتے تھے جمعہ کے روز بہاؤ الدین ہمارے ساتھ جامع مسجد کو جو کہ قریب ہی تھی جاتا تھا اور پھر ساتھ ہی واپس ہوتا تھا۔ بازار میں سے اگر کوئی چیز ضروری ہوتی تھی تو اُسکو اپنے ہمراہ لیجاکر خرید وادیتا تھا یا اپنے نوکر کے ذریعہ سے جو کہ خفیہ ہی کا تھا منگوادیتا تھا۔ جہاز پر سوار ہونے تک ہم اُسکے زیر حراست رہے اور جہاز کی روانگی تک دو سپاہی شریف کے ہماری حفاظت کرتے رہے جبکہ وقت روانگی کا آگیا چلے گئے۔ جہاز پر کوئی پولیس ہمراہ نہ تھی۔ جدہ میں کھانا گورنمنٹی خرچ سے بواسطہ بہاؤ الدین عبد الرحیم بخش کے یہاں سے پک کر دونوں وقت آتا تھا۔ قیام جدہ میں بھی مولانا نے دو خوابیں دیکھیں ایک یہ کہ "ایک سیاہ بھینسا نہایت مضبوط مولانا پر حملہ آور ہوا ہے اور اُسنے اپنے سینگ مولانا کے سینۂ مبارک سے لگادئے ہیں۔ اب یہ خیال ہے کہ اگر اُسنے ذرا بھی دھکا دیا تو مجھکو گرادیگا مگر وہ سینگوں کے لگا دینے کے بعد ساکت وصامت کھڑا ہوگیا۔ کچھ لوگ مولانا کی ہمدردی کررہی ہیں اور اُسکو پیچھے سے مارنا چاہ رہی ہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ یہ کیا کرتے ہو

اگر تم نے اسکو مارا تو مجھکو آگے کو دھکیل کر ہلاک کر دیگا۔ اسی حال میں مولانا نے اسکو غفلت دیکر ایک طرف کو اپنے آپکو نکال لیا۔ اور ہٹ گئے اُسنے بھی کوئی تعاقب نہ کیا۔ اسکی تعبیر تو یہ دی کہ انشاءاللہ العزیز تعبیر کسی کی سعی کے افادہ دینے کے ہم اس مصیبت سے نجات پائیں گے۔

دوسری خواب بھی اسی کے قریب تھی دیکھا کہ" ایک میدان میں ہیں اور سامنے ایک باولا سفید کتا بیٹھا ہے اُسپر جنون اسقدر سخت غالب ہے کہ منہ سے جھاگ جا رہی ہیں لوگ اُسپر پتھر اینٹ وغیرہ پھینک رہے ہیں کہ وہ میرے سامنے اور مجھپر حملہ کرنے سے ہٹ جائے مگر ہٹتا نہیں تھوڑی دیر کے بعد وہ خود بخود چلا گیا اور مولانا محفوظ ہو گئے۔ اسکی تعبیر بھی اول کے قریب تھی۔

سویز کا پہونچنا

جہاز جدہ سے روانہ ہو کر چوتھے دن بروز شنبہ ۱۶ ار جنوری ۱۹۱۷ء مطابق ۲۲ ربیع الاول سویز میں صبح کو پہنچا۔ کچھ دیر کے بعد ایک گارد تقریبًا اٹھارہ بیس گوروں کی سنگین اور بندوق لئے ہوئے پہونچی اور ہمکو قریب کے فوجی کیمپ میں جو اسٹیشن کے قریب ہی تھا لیگئی۔ وہاں ایک خیمہ میں ہمکو ٹھیرا دیا گیا۔ اور کہا گیا کہ کل تمکو مصر روانہ کیا جائیگا۔ ہم پر ہندوستانی سپاہی پہرے کے لئے مقرر کئے گئے اور ہندوستانیوں ہی سے ہمارے واسطے کھانا پکوا کر دیا گیا۔ صبح کو نماز کیوقت ہمکو ریل پر سوار کرادیا گیا۔ درجہ تھرڈ کلاس تھا۔ اور تقریبًا چودہ یا پندرہ گورے سنگین لگائے ہوئے ہماری حفاظت کو ساتھ تھے اسباب سب ہمارا ہمارے ساتھ تھا۔ گوروں کی گارد جنکشنوں پر ایک یا دو جگہ بدلی تھی پہر کو تقریبًا دو بجے اُسیروز یعنی چہارشنبہ ۱۷ ار جنوری مطابق ۲۳ ربیع الاول گاڑی قاہرہ کے اسٹیشن پر پہونچی۔ یہاں ہم اوتارے گئے چونکہ نماز کا وقت تھا ہم نے پانی مانگا اور اسٹیشن ہی پر باجماعت نماز پڑھی۔ گورے سپاہی ہمارے چاروں طرف سنگین لئے ہوئے محافظت کرتے رہے۔ پھر عصر کی بھی نماز وہیں پڑھی جبکہ تقریبًا ڈیڑہ گھنٹہ دن باقی تھا اُسوقت موٹر آیا اور ہمکو معہ جملہ اسباب کے جیزہ لیگیا۔

قاہرہ اور جیزہ

ملکِ مصر کا دارالسلطنت قاہرہ ہے جو کہ دریائے نیل کے کنارے پر واقع ہے۔ یہ مصر میں سب سے بڑا شہر ہے اور جب سے اسلام نے اپنا سکہ یہاں جمایا ہے ہمیشہ بادشاہانِ مصر کے قیام کی جگہ یہی شہر رہا ہے۔ نہایت پر رونق اور آباد شہر ہے۔ خدیو مصر یہاں ہی رہتا ہے اسکا اسٹیشن بھی نہایت عجیب اور بڑا بنا ہوا ہے۔ یہاں سے ہر طرف کو گاڑیاں چھوٹتی ہیں۔ علمی حیثیت سے یہ بھی بہت بڑا مرکز ہے

جامع ازہر علوم عربیہ کی بہت بڑی یونیورسٹی ہی۔ علاوہ اِسکے مختلف علوم وفنون کے یہاں پر یونیورسٹیاں اور کالج اور اسکول وغیرہ ہیں۔ یہ شہر دریائے نیل کے دائیں جانب واقع ہے اور دریا کے بائیں جانب کی آبادی کا نام جیزہ ہے۔ اندنوں جیزہ ایک علیحدہ ضلع شمار کیا جاتا ہے۔ دریائے نیل نے اِن دونوں آبادیوں کو جُدا کر دیا ہے۔ دریا پر متعدد مقامات میں پُل بنے ہوئے ہیں جو کہ کُھلتے اور بند ہوتے رہتے ہیں جنکی وجہ سے کشتیاں گذر سکتی ہیں۔ ٹریموے دونوں شہروں میں چلتی رہتی ہی۔

اہرامِ مصر پادشاہانِ قدیم کی عمارت یہاں جیزہ ہی میں واقع ہے یہاں پر زمانہ سابق کا ایک جیلخانہ تھا جسکو سیاہ جیلخانہ کہتے تھے چونکہ اب خود قاہرہ میں جیلخانہ بنا دیا گیا تھا اسلئے یہ جیلخانہ بیکار ہو گیا تھا سوداگروں کو تجارتی مال وسامان رکھنے کیلئے کرایہ پر دیا جاتا تھا۔ زمانۂ جنگ میں جبکہ سیاسی قیدیوں کے لئے جیل کی ضرورت ہوئی تو اُسکو خالی کرالیا گیا۔ اور اُسکو (معتقل سیاسی) سیاسی قیدخانہ کے نام سے موسوم کیا گیا۔ یہاں پر اُن دنوں ڈیڑھ یا دو سو سے زاید سیاسی لوگ قید تھے جنمیں اکثر حصہ مسلمانوں کا تھا اور کچھ عیسائی بھی تھے۔ ہندوستانی بھی تقریباً آٹھ دس تھے جنمیں کے عموماً وہی لوگ تھے جنہوں نے مصر میں بود وباش اختیار کر رکھا تھا۔ ہم مغرب سے کچھ پہلے یہاں داخل کیئے گئے ہماری تلاشی لیگئی ہمارے پاس چھری یا اُسترہ وغیرہ جو کچھ تھا وہ لیلیا گیا اور نقد سے استفسار کیا گیا اُسوقت ہمارے پاس (۸۱) پونڈ انگریزی اور کچھ تفاریق تھی جنکو ہم نے بنظرِ احتیاط مکہ معظمہ سے ساتھ لیلیا تھا اور تقریباً چالیس پونڈ چھوڑ دیا تھا کہ اگر ضرورت پڑی تو پھر منگالیں گے وہ سب لے لئے گئے اور بطور امانت رکھ لئے گئے اور کہا گیا کہ جب تمکو ضرورت ہوا کریگی ملاکریگا۔

ہمکو اندرونِ قیدخانہ جہاں قیدی رہتے تھے شب کو داخل نہیں کیا گیا بلکہ دیوارہائے قیدخانہ کے اندر قیدیوں کے کٹہرے سے باہر ایک خیمہ کھڑا کر دیا گیا۔ اور اُسمیں چارپائیاں بچھادی گئیں اور کھانا چار وغیرہ ہمکو دی گئی چاء تو حقیقت میں سیاسی قیدیوں میں سے حاجی غلام نقشبند کابلی وغیرہ حضرات نے بھیجی مگر کھانا ترکی مطبخ میں سے گورنمنٹ کی طرف سے آیا۔ رات بخیر وعافیت ہم نے خیمہ میں گذاری وہ ایام مصر میں سخت سردی کے تھے اور ہم کہ معظمہ سے جو کہ گرم جگہ ہی گئے تھے مگر چونکہ ہمارے پاس کپڑے ہر قسم کے موجود تھے اسلئے کوئی سخت تکلیف نہ ہوتی تھی۔ صبح کو ہم سے بلاکر پوچھا کہ یہ مقدار نقد کسکے نام سے لکھی جاوے۔ ہم سبھوں نے اتفاق سے کہدیا کہ

ہم پانچوں کے مشترک میں کسی خاص نام کو نا مناسب سمجھا گیا۔ اُسکے بعد ہماری چار پائیاں ایک طویل کمرہ میں داخل کردی گئیں اور باہر سے دروازہ لوہے کی سلاخوں کا مضبوط تھا۔ اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو اوّل وہاں کے دفتر میں لیگئے پھر وہاں سے شہر میں جہاں جنگی دفتر اور مرکز تھا دو سپاہیوں کی حفاظت میں ٹرمیوے میں لیگئے کیونکہ جگہ بہت دور تھی ایک کمرہ میں مولانا کو داخل کیا گیا جو کہ چھوٹا سا تھا اُسمیں تین شستیں تین انگریزوں کی تھیں دو اُن میں سے اردو نہایت صاف بولتے اور سمجھتے تھے مولانا کو کرسی پر بٹھایا گیا اُسکے پاس چھپے ہوئے کاغذات تھے جنکو گورنمنٹ ہند نے ہم سبھوں کے متعلق خبریں جمع کرکے چھاپکر وہاں بھیجے تھے۔ مولانا مرحوم کی ڈاڑہی بہت زیادہ تھی اتفاق سے مولانا کو اُسوقت کچھ پیشاب کا بھی تقاضا تھا۔ کچھ تنہائی رُفقاء کا خیال۔ کچھ انگریزوں اور دنیاوی حکام سے نفرت اُسنے اوّلاً مولانا کا نام اور پتہ وغیرہ پوچھنا شروع کیا اور پھر دوسری باتیں پوچھی۔ مولانا نے نہایت مختصر اور محض اکھڑے ہوئے طریقہ پر بلا التفات و توجہ کے جوابات دئے جس طریقہ کو غالباً اُسنے اپنی تمام عمر میں کہیں دیکھا نہ تھا۔ اسی وجہ سے اُسنے حکیم نصرت حسین صاحب سے شکایت کی اور کہا کہ غالباً مولانا کو کبھی حکام سے ملنے اور اُن سے طرزِ معاشرت کا سابقہ نہیں پڑا ہے اُسنے پتہ وغیرہ لکھنے کے بعد سوالات کئے :-

سوال مستنطق۔ آپکو شریف نے کیوں گرفتار کیا ؟

جواب مولانا۔ اُسکے محضر پر دستخط نکرنے کی بنا پر۔

سوال مستنطق۔ آپنے اُسپر کیوں نہ دستخط کئے ؟

جواب مولانا۔ مخالف شریعت تھا۔

مستنطق۔ آپکے سامنے مولوی عبدالحق حقانی کا فتوی ہندوستان میں پیش کیا گیا تھا ؟

مولانا۔ ہاں !

مستنطق۔ پھر آپنے کیا کیا ؟

مولانا۔ رد کردیا۔

مستنطق۔ کیوں ؟

مولانا۔ مخالفِ شریعت تھا۔

مستنطق - آپ مولوی عبید اللہ کو جانتے ہیں؟

مولانا - ہاں۔

مستنطق - کہاں سے؟

مولانا - اُنہوں نے دیوبند میں مجھسے عرصہ دراز تک پڑھا ہے۔

مستنطق - وہ اب کہاں ہیں؟

مولانا - میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ میں عرصہ ڈیڑھ سال سے زیادہ ہوتا ہو کہ حجاز وغیرہ میں ہوں۔

مستنطق - ریشمی خط کی کیا حقیقت ہی؟

مولانا - مجکو کچھ علم نہیں۔ نہ میں نے دیکھا ہے۔

مستنطق - وہ لکھتا ہے کہ آپ اُسکی سیاسی سازش میں خلافِ برطانیہ شریک ہیں اور آپ فوجی کماندار ہیں!

مولانا - وہ اگر لکھتا ہے تو اپنے لکھنے کا وہ خود ذمہ دار ہوگا۔ بھلا میں اور فوجی کمانداری میری جیسی حالت ملاحظہ فرمائیے اور پھر عمر کا اندازہ کیجئے۔ میں نے تمام عمر مدرسہ کی مدرسی میں گذرانی مجھکو فنونِ حربیہ اور فوج کی کمان سے کیا مناسبت۔

مستنطق - اُسنے دیوبند میں جمعیۃ الانصار کیوں قایم کی تھی؟

مولانا - محض مدرسکے مفاد کیلئے۔

مستنطق - پھر کیوں علیحدہ کیا گیا؟

مولانا - آپس کے اختلاف کی وجہ سے۔

مستنطق - کیا اُسکا مقصد اس جمعیۃ سے کوئی سیاسی امر نہ تھا؟

مولانا - نہیں۔

مستنطق - غالب نامہ کی کیا حقیقت ہی؟

مولانا - غالب نامہ کیسا؟

مستنطق - غالب پاشا گورنر حجاز کا خط جسکو محمد میاں لیکر حجاز سے گیا ہے اور آپنے غالب پاشا سے اُسکو حاصل کیا ہے۔

مولانا۔ مولوی محمد میاں کو میں جانتا ہوں۔ وہ میرا رفیقِ سفر تھا مدینہ منورہ سے مجھ سے جُدا ہوا ہے۔ وہاں سے لوٹنے کے بعد اُسکو جدہ اور مکہ میں تقریبًا ایک ماہ ٹھیرنا پڑا تھا۔ غالب پاشا کا خط کہاں ہے، جسکو آپ میری طرف منسوب کرتے ہیں؟

مستنطق۔ محمد میاں کے پاس ہے۔

مولانا۔ مولوی محمد میاں کہاں ہیں؟

مستنطق۔ وہ بھاگ کر حدودِ افغانستان میں چلا گیا۔

مولانا۔ پھر آپکو خط کا پتہ کیونکر چلا؟

مستنطق۔ لوگوں نے دیکھا۔

مولانا۔ آپ ہی فرمائیں کہ غالب پاشا گورنر حجاز اور میں ایک معمولی آدمی۔ میرا وہاں تک کہاں گذر ہوسکتا ہے۔ پھر میں ناواقف شخص۔ نہ زبان ترکی جانوں نہ پہلے سے ترکی حکام سے کوئی ربط ضبط۔ حج سے چند دن پہلے مکہ معظمہ پہونچا۔ اپنے امورِ دینیہ میں مشغول ہوگیا غالب پاشا حجاز کا اگرچہ گورنر تھا مگر طائف میں رہتا تھا۔ میری وہاں تک رسائی نہ حج کے پہلے ہوسکتی تھی نہ بعد از حج۔ یہ بالکل غیر معقول بات ہے۔ کسی نے یوں ہی اُڑائی ہے۔

مستنطق۔ آپنے انور پاشا اور جمال پاشا سے ملاقات کی؟

مولانا۔ بے شک!

مستنطق۔ کیونکر؟

مولانا۔ جب وہ مدینہ میں ایک دن کے لئے آئے تھے تو صبح کے وقت اُنہوں نے مسجدِ نبوی میں علماء کا مجمع کیا۔ مجھکو بھی حسین احمد اور وہاں کے مفتی اُس مجمعِ عام میں لیگئے اور اختتامِ مجمع پر اُنہوں نے دونوں وزیروں سے مصافحہ کرلیا۔

مستنطق۔ آپنے اُس مجمع میں کوئی تقریر کی؟

مولانا۔ نہیں۔

مستنطق کیوں؟

مولانا۔ مصلحت نہ تھا۔

مستنطق۔ مولوی خلیل احمد صاحب نے تقریر کی؟

مولانا۔ نہیں۔

مستنطق۔ حسین احمد نے کی؟

مولانا۔ ہاں۔

مستنطق۔ پھر کچھ انور پاشا نے آپکو دیا؟

مولانا۔ ہاں اتنا معلوم ہوا تھا کہ حسین احمد کے مکان پر ایک شخص پانچ پانچ پونڈ لیکر انور پاشا کیطرف سے آئے تھے۔

مستنطق پھر آپنے کیا کیا؟

مولانا۔ حسین احمد کو دیدیا تھا۔

مستنطق۔ ان کاغذات میں لکھا ہی کہ آپ سلطان ٹرکی اور ایران اور افغان میں اتحاد کرانا چاہتے ہیں اور پھر ایک اجتماعی حملہ ہندوستان پر کراکے ہندوستان میں اسلامی حکومت قایم کرانا چاہتے ہیں اور انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنا چاہتے ہیں۔

مولانا۔ میں تعجب کرتا ہوں۔ آپکو بھی حکومت کرتے ہوئے اتنے دن گذر چکے ہیں۔ کیا آپ گمان کرسکتے ہیں کہ میرے جیسے گمنام شخص کی آواز بادشاہوں تک پہونچسکتی ہی اور پھر کیا سالہا سال کی اُن کی عداوتیں میرا جیسا شخص زائل کرسکتا ہی اور پھر اگر زائل بھی ہوجاوے تو کیا اُن میں ایسی قوت ہی کہ وہ اپنے ملک کی ضرورتوں سے زائد سمجھکر ہندوستان کے حدود پر فوجیں پہنچادیں اور اگر پہنچا بھی دیں تو آیا اُن میں آپ سے طاقت جنگ کی ہوگی؟

مستنطق۔ فرماتے تو آپ سچ ہیں مگر ان کاغذات میں ایسا ہی لکھا ہے۔

مولانا۔ اس سے آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ اسمیں کی باتیں کسقدر پایۂ اعتبار رکھ سکتی ہیں۔

مستنطق۔ شریف کی نسبت آپ کا کیا خیال ہی؟

مولانا۔ وہ باغی ہے۔

مستنطق - حافظ احمد صاحب کو آپ جانتے ہیں؟

مولانا - "خوب" وہ میرے اُستاد زادے ہیں اور بہت سچے اور مخلص دوست ہیں - میری تمام عمر اُنکے ساتھ گذری ہی -

غرضکہ اسی قسم کے بہت سے سوالات وہ کرتا رہا - حدودِ افغانستان اور قبائل و نیز کابل وغیرہ کی نسبت بھی سوالات کئے - مولانا بھی مختصر مختصر جملوں میں مگر نہایت بے رُخی کے ساتھ جواب دیتے رہے وہ سب کو انگریزی میں لکھتا رہا اور پھر مولانا کو جیل میں واپس کر دیا - مگر مولانا جیل میں واپس ہونے کے بعد ہمارے پاس نہیں لائے گئے - بلکہ اندر جیلخانہ میں بھیجدیئے گئے - اور وہاں ایک چھوٹی کوٹھڑی میں بند کر دیئے گئے - اُس کوٹھڑی میں تین چار پائیوں کی جگہ تھی دو برابر طول میں بچھ سکتی تھی اور ایک عرض میں - مگر ایک ہی چارپائی اُسمیں بچھی ہوئی تھی +

مصر کے سیاسی قید خانہ کی چارپائی

وہاں چارپائیاں چیڑ کی لکڑی کے تین تختہ سے لمبائی میں دو پٹیوں پر رکھدینے سے بنجاتی ہیں ان دونوں پٹیوں میں معمولی شاخہ پائے جڑے ہوتے ہیں اس صورت پر اس چارپائی کے نقل و حرکت میں آسانی ہوتی ہی تینوں تختے اوپر کے علیحدہ ہوجاتے ہیں اور دونوں پٹیاں علیحدہ ہوتی ہیں - اس چارپائی پر موٹا گدا بچھا ہوا تھا جسمیں ناریل کا صوف بھرا تھا اور گدے پر تین کمبل ایک بچھانے اور دو اوڑھنے کے لئے رکھے تھے +

جیزہ کی قید تنہائی کے قواعد

کوٹھڑی میں ایک طرف کو ایک بالٹی رکھی تھی جسمیں وضو یا غانہ پیشاب کرنے کا حکم تھا - اُس بالٹی پر ڈھکنا بھی ہوتا تھا کوٹھڑی کا دروازہ لکڑی کا تھا جسمیں کوئی سوراخ نہ تھا کوٹھڑی میں پشت کی جانب سے ایک روشندان بہت اونچائی سے تھا جس سے ہوا اور دن کو روشنی آتی رہتی تھی، صبح کو ایک گھنٹہ اور شام کو ایک گھنٹہ کوٹھڑی کھولکر ہوا کھلانیکے لئے نکالے تھے - اُسی وقت بالٹی بھی میلا صاف کرنیوالے خدام لیجاتے اور صاف کر کے پھر رکھہ جاتے اور کمرہ میں جھاڑو دیجاتے - ایک ایک صراحی ہر کمرہ میں جسکی قیمت ہمکو اپنے پاس سے دینی پڑتی تھی - اور علیٰ ہذا القیاس خادموں کی تنخواہ بھی جنکا کام کھانا لانا، پانی لانا، جھاڑو دینا، بالٹی صاف کرنا، تھا ہمکو دینا پڑتا تھا - گورنمنٹ کی طرف سے فی کس بارہ قرش صاغ یعنی تقریباً ایک روپیہ آٹھ آنہ یومیہ ہر اسیر کو

ملتے تھے جنہیں وہ اپنے جملہ مصارف کا متکفل تھا وہاں پر ایسٹرن نے حسب مذاق خود اپنے اپنے باورچی (میز) بنا رکھے تھے جن لوگوں کو ترکی کھانوں کا مذاق تھا اُنہوں نے اپنی شرکت میں ایک باورچیخانہ کھول رکھا تھا جسمیں باورچی ترکی کھانا پکانیوالا کام کرتا تھا۔ انتظام سب اسیر کرتے تھے۔ ہر مہینہ میں کوئی منتخب کیا جاتا تھا اور وہ حسب مشورہ ضروریات منگاتا اور پکواتا تھا مگر اُسی مقدار میں جتنا کہ گورنمنٹ نے مقرر کر رکھا تھا۔ اسی طرح مصریوں کی میز (باورچیخانہ) علیحدہ تھی اُسکا باورچی مصری کھانے پکاتا تھا۔ جو عیسائی ان دونوں میں سے کھانا نہیں چاہتے تھے اُن کی میز علیحدہ تھی۔ ہمارا کھانا ترکی میز سے آتا تھا۔ علی الصباح ایک ایک گلاس سادہ چائے اور کبھی دودھ کے ساتھ، انڈے، مسکہ، پنیر، مربا، جیلی، یا دُوروٹی کا ایک یا دو ٹکڑا آتا تھا۔ مگر سب ایک دن میں نہیں بلکہ روٹی کے ٹکڑے کے ساتھ کبھی کچھ ہوتا تھا کبھی کچھ البتہ اکثر نمکین اور میٹھا دونوں میں سے ایک ایک قسم ضرور ہوتی تھی۔ دوپہر کے وقت روٹی کے ساتھ دو تین قسم کے سالن ہوتے تھے۔ ہفتہ میں ایک دن مرغ اور ایک دن دوسرے پرندوں کا گوشت بھی ہوتا تھا۔ باقی ایام میں دُنبہ کا گوشت ہوتا تھا۔ پلاؤ یا میٹھی قسم کا بھی کوئی کھانا اکثر ہوتا تھا۔ شام کا کھانا مختصر ہوتا تھا یعنی فقط ایک قسم کا سالن اکثر ہوتا تھا اور کبھی کبھی اُسکے ساتھ میٹھا بھی ہوتا تھا۔ خلاصہ یہ کہ کھانا بہت اچھا تھا اور لذیذ بھی ہوتا تھا۔ نمک پانی درست تھا۔ اُن عربی کھانوں کی طرح سے نہیں ہوتا تھا جنمیں نہ نمک ہوتا ہے نہ مرچ۔ ہم میں سے اپنے حصّہ کو کوئی بھی پورا نہیں کر سکتا تھا کھانے کیوقت دروازہ کھولکر اندر داخل کر دیتے تھے۔ ہمکو شمع جلانے کی اجازت تھی اسلیئے ہم اپنے پیسہ سے شمع اور دیا سلائی منگا لیتے تھے اور اندر کھانے یا پڑھنے وغیرہ کے وقت جلا لیتے تھے۔ ہمکو کسی سے باتیں کرنے کی اجازت نہ تھی اور نہ کسی کو ہمسے ؛

ٹہلنے کی جگہ

جبکہ صبح کو ایک گھنٹہ کے لئے ٹہلنے کو نکالتے تھے تو عام میدان میں ہم ٹہل نہیں سکتے تھے بلکہ حجروں کے پیچھے ایک محفوظ جگہ تھی وہاں پر ٹہلنے کا حکم تھا اُسکے دو طرف دیواریں تھیں ایک طرف ٹین کی دیوار بنی ہوئی تھی اور ایک طرف تار کی جالی تھی اور اسی طرف سے دروازہ تھا۔ محافظ اس دروازہ کو کھولکر ہمکو ٹہلنے کے لئے داخل کر دیتا تھا اور قفل لگا دیتا تھا۔ ایک گھنٹہ گذر جانیکے بعد ایک آدمی کو نکال کر اُسکے کمرہ میں بند کر کے دوسرے کو ہوا کھانے کیلئے اِس پنجرے میں بند کر دیتا تھا۔ یہ ٹہلنے کی جگہ کھلی ہوئی تھی۔

آسمان نظر آتا تھا چونکہ فروری کا زمانہ تھا اور مصر کی سردی تھی اسلئے وہاں دھوپ کی خواہش بہت ہوتی

دروازہ جیل

باورچیخانے

قید تنہائی کی کوٹھریاں

قید تنہائی کی کوٹھریاں

غسلخانے

پاخانے

تھی۔ وہاں دیواروں پر سپاہی بہ ہمہ وقت پہرہ دیتے تھے۔ اُنکو سخت تاکید تھی کہ کوئی شخص ان کمروں کے پاس آنے نہ پائے۔ اور دن میں نہ رات میں کوئی اُن سے گفتگو کر سکے اسلئے کوئی شخص اُن تک نہ پہنچ سکتا تھا جسکا نقشہ تقریباً یہ تھا البتہ بعض احباب ہندوستانی کبھی کبھی رات کو آکر گفتگو کر جاتے تھے جنمیں سے الہ آباد کے صوفی مولوی شاہ محمد خاں صاحب جو کہ قاری عبدالوحید صاحب الہ آبادی کے قریب بھی ہوتے ہیں اور حاجی غلام نقشبند صاحب کابلی اور غلام جیلانی صاحب خاصکر قابل شکریہ ہمدردی فرماتے رہے خصوصاً صوفی صاحب نے بہت زیادہ ہمدردی کا قابل وقعت حصہ لیا۔ ممدوح ایک زمانہ میں مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں پڑھا بھی کرتے تھے اور مدینہ منورہ بھی گئے تھے اسلئے اُنکو حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ اور کاتب الحروف سے واقفیت بھی تھی۔

خلاصہ کلام یہ کہ مولانا کو تو کوٹھری کے اندر بند کر دیا گیا۔ مگر ہمکو یہی خیال ہوا کہ مولانا کو اندر لیجا کر جملہ اسیروں کے ساتھ کسی بارگ میں چھوڑ دیا گیا ہوگا۔ مولانا نے اپنی ضروریات قرآن شریف دلائل الخیرات تسبیح وغیرہ طلب فرمائی ہم نے یہ چیزیں اور چند پان اور لوٹا وغیرہ بھیجدیا۔ ہمکو نہ معلوم تھا کہ مولانا کو کوٹھری میں بند میں مولانا کو قدرے پانوں کی وجہ سے تکلیف ہوئی مگر حتی الوسع خبرگیری رکھی گئی۔ مولانا مرحوم کو جب یہاں بند ہوگئے تو یہ خیال ہوگیا کہ مجھکو سزائے پھانسی دیجائیگی۔ کیونکہ مشہور ہے کہ جسکے لئے پھانسی کا حکم ہوتا ہے اُسی کو کال کوٹھری میں رکھا جاتا ہے اِدھر دوستوں اور دُشمنوں نے مولانا کی نسبت جھوٹی اور سچی خبروں کے پہنچانے میں کوئی کوتاہی کی ہی نہ تھی۔ جن باتوں کی نسبت خیال تک بھی نہ تھا وہ باتیں گورنمنٹ کے کانوں تک پہنچائی گئی تھیں ۔

مولانا کا فکر

حقیقت میں مولانا مرحوم کو اپنی جان کا کوئی فکر نہ تھا جیسا کہ اُن کے کلام سے معلوم ہوا۔ فقط اُن کو دو فکر تھے ایک یہ کہ میری وجہ سے یہ چند رفقا بھی اذیت اور تکالیف میں پڑے خدا جانے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ اور دوسرا وہ تھا جو کہ حقیقت میں اہل بصیرت اور بڑے

مرتبہ والوں کو ہوا کرتا ہے یعنی چونکہ بارگاہ الٰہی نہایت بے نیاز بارگاہ ہے جسکے استغنار اور علو نے تمام اکابر کو اُنکے درجہ کے موافق بے چین کر رکھا ہی۔ نزدیکاں را بیش بود حیرانی ابکا راز ہے۔ ؎

زدرد دیں ہمہ پیران رہ را　　جگرہا خستہ و دلہا کباب است

بکاستے۔ کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم متواصل الاحزان دائم الفکرۃ نظرہ الی الارض اکثر من نظرہ الی السماء۔ {جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (جنکے لئے فرمادیا گیا ہو ولسوف یعطیك ربك فترضیٰ۔ اور لیغفرلك اللہ ما تقدم من ذنبك وما تاخر یعنی عنقریب تمہارا پروردگار تمہارے مطلوب کو دیکر تمکو راضی کردیگا۔ اور تمہارے فتح مکہ کرنیکے ثمرات میں تمہارے اگلے اور پچھلے گناہوں کا معاف ہونا بھی ہی) ہمیشہ غمگین اور ہر وقت فکر میں مستغرق رہتے تھے آپکی نظر زمین کی طرف آسمانکی نسبت زیادہ رہتی تھی} اور اس قسم کی حدیثیں اسکے شواہد حالی ہیں۔

الغرض جو جسقدر معرفتِ باطنی اور حقیقی علوم دیا گیا ہے وہ اُسی قدر عظمتِ الٰہی کے سامنے خائف اور لرزاں رہتا ہے۔ وہ کیسا ہی عظیم الشان کام کرے اور کتنی ہی نیت صاف اور خالص بناکر پیش کرے مگر احکم الحاکمین بے نیاز کے سامنے اُسکو اطمینان کہاں۔ جب تک خاتمہ بالخیر اور سلامتِ عواقب پر مہر نہو جاوے جبتک پریشانی ہی ہی۔ چنانچہ مولانا کو یہ پریشانی بہت زیادہ پریشان رکھتی تھی۔ چھٹے یا ساتویں روز جبکہ ہم سب اُس ہواخوری کی جگہہ میں جمع ہوئے اور نہایت آزادی سے ہر ایک نے اپنے احوال بیان کئے اور مولانا کے افکار کا حال معلوم ہوا تو مولانا سے بعض خدام نے سبب پوچھا۔ کیونکہ اس مدت میں مولانا نے بالکل کھانا نہیں کھایا۔ کثرتِ افکار اور استغراق باطنی کی بنا پر کھانا ویسا ہی واپس ہوجاتا تھا فقط چار پیتے تھے اور پان کھاتے رہتے تھے (کیونکہ تمبا کو کھانے کی بہت عادت تھی۔ سوکھے پان مکہ معظمہ سے ہم نے بہت سے رکھ لئے تھے) ممکن ہی کہ کبھی ایک دو لقمہ روٹی کھالی ہو۔ مگر مجھکو جہانتک معلوم ہے نہ اس مدت میں کھانا کھایا نہ قضائے حاجت فرمایا البتہ پیشاب برابر کرتے رہے اُنکو ہمیشہ سے غذا کی تقلیل میں بہت سرگرمی تھی اسی وجہ سے قلتِ غذا اُنکی طبیعتِ ثانیہ ہوگئی تھی۔ اور اسی وجہ سے قضاء حاجت کی ضرورت بھی بہت کم ہوتی تھی اور پھر بھی فضلہ نہایت کم خارج ہوتا تھا۔ عموماً فضلہ اُن کا پیشاب کے ذریعہ سے بدن سے نکل جاتا تھا۔ اُن کی صحت کی نشانی کثرتِ ادرارِ بول تھا۔ اور جب کبھی اسمیں کمی ہوجاتی تھی جبھی بیمار ہوجاتے تھے۔ قبض اُنکو اکثر رہتا تھا۔

فرمایا کہ مجھکو برابر یہ خیال دامنگیر رہا کہ میری وجہ سے تم سب بھی پکڑے گئے اور پھر اس خیال نے کہ غالباً ہم سبھوں کو سزائے موت دیجائیگی اور بھی بیچین کر دیا تھا۔ میرا کچھ نہیں تھا۔ میں اپنی طبعی عمر سے تجاوز کر چکا ہوں مگر تم سب کی طرف سے بہت بڑا خیال تھا اور ہی کہ تم سب نوعمر میری وجہ سے گرفتار ہوئے خدام نے عرض کیا کہ یہ سب خدا کے راستہ میں واقع ہوا ہے پھر کیا فکر ہے اُسوقت میں مولانا کی عجیب حالت تھی حالانکہ ضبط نہایت قوی تھا کبھی اپنے آپکو بے اختیار نہیں ہونے دیتے تھے مگر اُسوقت بے اختیار ہو گئے آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا گئیں چہرہ کا رنگ متغیر ہو گیا۔ اور فرمانے لگے کہ بھائی خدا کی درگاہ نہایت بے نیاز ہے یہی تو ڈر ہے آدمی اپنی جان تک دیدے مگر کیا خبر وہ قبول فرماتے ہیں یا نہیں۔ یہ کہکر چپ ہو گئے اور کچھ عرصہ تک خاموش رہے

مولانا کا اپنے غلاموں کے ساتھ برتاؤ

مولانا مرحوم میں مروّت کا مضمون نہایت زیادہ تھا اور اسی وجہ سے غلاموں کا نہایت زیادہ خیال رہتا تھا۔ یوں تو ہر بڑے کو اپنے کا خیال ہوتا ہی ہے مگر طبائع مختلف پیدا کیگئی ہیں۔ مولانا مرحوم میں جسقدر یہ مضمون تھا عموماً بڑوں میں نہیں دیکھا گیا مگر اسکے ساتھ ایک خاص ادا بھی تھی جو کہ شاذ و نادر ہی کہیں پائی جاتی ہو۔ جب کبھی اپنے آدمی کا کسی اجنبی سے مقابلہ کسی بات میں دیکھتے یا پاتے تھے تو اپنے خادم کو دباتے تھے اور ہمیشہ اجنبی کو بڑھاتے تھے اور جسقدر تعلق اپنے سے ہوتا تھا اُسی قدر اُسکو دباتے بھی تھے۔ اور یہی حالت بعینہ اپنی ذات کے ساتھ تھی مگر قلبی تعلق اور حقیقی طور سے خیر خواہی اپنے جان نثاروں کی بیحد فرماتے تھے۔ جس شخص سے تھوڑا سا بھی کبھی احسان اور کوئی خدمت اخلاص سے کی ہوتی تھی تو ہمیشہ اُسکا خیال رکھتے ہوئے اُسکے احسان کو مثل پہاڑ ایک عظیم چیز خیال فرماتے تھے۔ اخیر زمانہ میں جن لوگوں نے مسائل حاضرہ میں موافقت کرتے ہوئے ہر طرح مستعدی اور جان نثاری سے کام لیا تھا اُن سے تو مولانا کو بہت ہی گہرا تعلق ہو گیا تھا۔

حقیقت تو یہ ہی کہ ہم سبھوں نے عموماً اور کاتب الحروف نے خصوصاً مولانا کے کمالات کو پہچانا اور نہ اُن کی خدمت کا حق ادا کی بلکہ حق خدمت کا عشر عشیر بھی ادا نہیں کر سکے۔ اپنی نالائقی و کم ظرفی سے ہمیشہ ایسی باتیں بھی کرتے رہے جنکی وجہ سے مولانا کو تکلیف جسمی یا روحی کی نوبتیں آتی رہیں مگر اُن کا حوصلہ اور ضبط اور دریا صفت صبر اور عفو نے اُن کو مجبور رکھا کہ ہماری نالائقیوں پر خیال بھی نفرمائیں۔ اُنھوں نے اخیر وقت تک اپنے غلاموں کے خیال کو اپنے دل سے باہر نہیں کیا۔ خداوند کریم عالم برزخ اور آخرت میں بھی اُن کی توجہ کو ہم نالائق غلاموں کی

طرف مبذول کرکے باعثِ نجات کرے۔ آمین ۞

قبر ہے اُنکے پکاروں جو رشید و محمود　　بوسہ دیں لب کو مرے مالک و رضواں دونوں

مولانا کی توجہ اور فکر کا اثر

یہی غلاموں کا فکر اُن کو قیدِ تنہائی میں بھی بے چین کئے ہوئے تھا جس کا ایک ظاہر اور باہر اثر ہم پر یہ تھا کہ ہم قسمیہ کہہ سکتے ہیں کہ باوجودیکہ ہم نئے پھنسے ہوئے تھے کبھی ایسے احوال ہم پر گذرے نہ تھے نوعمر تھے، اپنے جملہ عزیز و اقارب سے جُدا تھے، بالکل پردیس میں تھے، نہ کوئی مونس تھا، نہ غمگسار، نہ واقف نہ رازدار، مگر نہ کسی چھوٹے کو نہ بڑے کو کوئی اضطراب، کوئی قلق، کوئی بےچینی نہ تھی۔ رونا دھونا، جزع فزع کرنا جیسے کہ لوگوں کی عادت ہوتی ہے۔ یہ تو درکنار دلیں بھی ذرا سا گھبراہٹ نہ تھا نہ گھر کے اعزہ و اقارب کی یاد بےچین کرتی تھی۔ حالانکہ عام طور سے ہم سب کو یقین یا ظنِ غالب پھانسی کا تھا۔ مولوی عزیز گل صاحب تو اپنی کوٹھری میں رہ رہ کر اپنی گردن اور گلے کو پھانسی کے لئے ناپتے اور دباتے تھے تاکہ ذرا عادت ہو جائے اور پھانسی کے وقت یکبارگی تکلیف سخت نہ پیش آئے اور تجربہ کرتے تھے کہ دیکھوں کس قسم کی تکلیف ہوتی ہے۔ مگر سب کے دل نہایت مطمئن تھے گویا کہ نانی کے گھر میں آرام کر رہے ہیں۔ کبھی واہمہ بھی نہیں گذرتا تھا کہ کاش ہم مولانا کے ساتھ نہ ہوتے یا کاش ہم اس کام اور خیال میں شریک ہوتے۔ ولِلّٰہ الحمد و المنۃ۔ ہمکو بہت ہی تھوڑے دنوں میں اُن کوٹھریوں سے خاص اُلفت ہو گئی تھی جن سے جُدائی پر ایک درجہ کا قلق ہوا تھا حضرات! یہ مولانا کی کرامت اور اُن کا خاص تصرفِ روحانی تھا۔ ورنہ کہاں ہم سب اور کہاں یہ استقلال۔

غرضکہ پنجشنبہ ۱۴ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۰ جنوری ۱۹۱۷ء کو مولانا کے اظہار لئے گئے اور اسی دن وہ قیدِ تنہائی یعنی کال کوٹھری میں جسکو اہل مصر (زنزنہ) کہتے ہیں بند کر دیئے گئے اور بروز جمعہ مجکو (کاتب الحروف) کو کچہری میں بلایا اور مجسے اظہارات لئے گئے ہیں چونکہ ہمیشہ سے فضول گو اور کثیر الکلام ہوں میں نے زمین آسمان کے قلابے بہت کچھ ملائے میرا بیان دو دن تک وہ لکھتا رہا اور بار بار کہتا تھا کہ تم لوگوں کی نسبت ہمارے کاغذات میں باتیں تو پھانسی کی ہیں مگر تم اقرار نہیں کرتے۔

شریف کی بغاوت، مسئلہ خلافت کے متعلق، ٹرکی حکومت سے اسلامی علائق، وغیرہ کی نسبت سب کے بیان بحمد اللہ ایک ہی رہے کوئی بھی حق کہنے سے نہیں ٹلا۔ البتہ جو دوسرے اتہامات یا افواہیں تھیں اُن کا مناسب جواب سب نے دیا۔ سب سے اخیر میں یہ بھی پوچھا گیا کہ گورنمنٹ کیلئے تم کوئی مشورہ خیر دیتے ہو تو غالباً سبھوں نے کہا

کہ ہاں شریف کی مدد نکیجائے اور سلطان سے لڑائی نکیجائے اُس میں گورنمنٹ کا بڑا نقصان ہوگا - آخر کار مجھکو بھی ایک دوسری کوٹھڑی میں جو مولانا کی کوٹھڑی کے بعد تھی رکھا گیا - پھر وحید سے اظہار لئے گئے اور پھر مولوی عزیز گل صاحب سے - اخیر میں حکیم نصرت حسین صاحب کو بلایا اور اُن سے کہا کہ میں تمھاری نسبت کچھ ڈائری میں نہیں پاتا اُنھوں نے کہا کہ جناب میں تو حقیقت میں ان جملہ اشخاص خصوصًا مولانا کی طرح بالکل بے قصور ہوں مگر بات یہ ہی کہ مولانا بڑے آدمی ہیں اسوجہ سے اصحاب اغراض کو اُن سے اور اُن کے خدام سے مقاصد اور اغراض ہیں اسلئے مولانا کی نسبت افواہیں مشہور کیگئی ہیں - اور میں تو ایک سرکاری میندار آدمی ہوں ہمیشہ مقدمہ بازی وغیرہ میں مبتلا رہا ہوں مجھپر گورنمنٹ کے بڑے بڑے احسانات ہیں جنکو اُنھوں نے ذکر کیا اور کہا کہ مجھکو تو بلا وجہ پکڑ لیا گیا - میں مولانا کا شاگرد ہوں اور مجھکو مولانا کے احوال اور اُن کے بدخواہوں کے احوال سے واقفیت ہے میں بغرض حج وزیارت آیا تھا - بعد از حج بہ نیت زیارت مدینہ منورہ مولانا کے پاس ٹھیر گیا شریف نے مجھکو پکڑ کر بھیجدیا - شریف کی نسبت اور اُسکی حکومت کے متعلق اور گورنمنٹ سے اُسکے ناجائز تعلقات کی بُرائی میں اُنھوں نے خوب تفصیلی بیان دیا مگر بالکل خیر خواہانہ طریقہ پر - وہ مقدمہ بازی اور قانون وغیرہ سے واقف تھے اور انگریزی بھی جانتے تھے - آخر کار اُن کو بھی کوٹھڑی میں سب سے آخر میں بھیجا گیا - مگر چونکہ کوٹھڑیاں فقط چار خالی تھیں اور ہم پانچ آدمی تھے اسلئے اُنکی چارپائی مولانا مرحوم کی کوٹھڑی میں رکھی گئی - جسروز وہ وہاں لائے گئے تو اُنھوں نے ہم سبھوں پر جو واقعات ہوئے تھے مولانا کو اجمالاً سنائے اور کہا کہ اور باقی رفقا بھی انہیں کوٹھڑیوں میں ہیں - وضو وغیرہ میں اعانت بھی کی اُسوقت مولانا مرحوم کے افکار میں کسی قدر کمی ہوئی - اُسروز اُن کے اصرار پر مولانا نے کچھ کھایا بھی اور چارپائی پر راحت فرمائی - کیونکہ اِن چھ سات دنوں تک مولانا نے چارپائی پر کمر بھی نہیں لگائی تھی بلکہ چارپائی کے پائنتیں زمین پر کمبل بچھا کر بیٹھ گئے تھے اور قرآن اور دلائل الخیرات، تسبیح، مراقبہ، نماز وہیں کمبل پر سب مشاغل ادا کرتے تھے - مراقبہ میں بیٹھے بیٹھے کچھ نیند آگئی آگئی ورنہ استراحت بالکل نہیں فرمایا - ہم میں سے کوئی نہ اُن کو دیکھ سکتا تھا نہ وہ ہمکو دیکھ سکتے تھے اور نہ آپس میں باتیں کرسکتے تھے - حقیقت یہ ہی کہ تمام مدت اسارت میں یہ سات آٹھ دن نہایت سخت ہم سبھوں پر گذری مگر سب سے زیادہ سختی مولانا مرحوم پر ہوئی اُسکے بعد معاملہ روزانہ آسان ہی ہوتا رہا اس سختی میں سوائے مذکورہ امور کے اور کوئی نئی بات نہیں پیش آئی مگر ناتجربہ کاری، خیالات، ہجوم افکار، تفرد، پائخانہ پیشاب کا حبس، وغیرہ وغیرہ باعث تکالیف ہوا - کوئی ولی کتنا ہی بڑا

کیوں نہو جاتے امور طبعیہ بشریہ سے منزہ نہیں ہوسکتا۔ ہندوستان کی آزادی، اسلام کی قوت اور ترقی کی دھن میں مولانا نے اپنی جسمی اولاد اور نسبی رشتہ داروں سے قطع نظر ایک بڑے درجہ تک کر رکھا تھا۔ مگر جو روحی اولاد اس دھن اور اس خیال میں شریک اور نہایت اخلاص کے ساتھ ادر فاقت دیرہی تھی (اگرچہ وہ نالایق تھی) اُن سے قطع نظر کرنا نہایت شاق تھا۔ اُن سے علیحدگی اُن کے نفس پر بہت ہی دشوار گذرتی تھی۔ بعینہ ایسا حال ہوگیا تھا جیسا کہ ایک شفیق ماں جبتک اُسکے بچے اُسکے سامنے رہیں خواہ وہ کسی حال اور کسی فعل میں ہوں اُسکو اطمینان رہتا ہی۔ حالانکہ وہ اپنے کاروبار اور گھرستی کے افکار میں مشغول رہتی ہے مگر جہاں اُن سے جدائی ہوگئی اور وہ تنہا رہگئی تو دنیا اُسپر اندھیری ہوجاتی ہی۔ اس تفرد اور تنہائی نے مولانا کے قلب پر بڑا اثر کیا تھا۔ جب سبھوں کے بیانات ہوگئے تو ساتویں دن صبح کو ہم سبھونکو ہوا خوری کیلئے ایک ہی گھنٹہ میں کھولا گیا اور سب کو مجتمعاً اُس جگہ میں جہاں روزانہ ٹہلتے تھے بند کیا گیا۔ اُسوقت کی خوشی کو نہ پوچھئے

ہم لوگوں کے زیادہ فکر کی ایک خاص وجہ

چونکہ ہم سب ایک تو نو گرفتار دوسرے ایسے وقائع سے بالکل ناتجربہ کار تھے تیسرے یہ کہ ہمارے اذہان یہانتک پہونچے ہی نہ تھے کہ گورنمنٹ کو لوگوں نے اس درجہ ہم سے بدظن کیا ہی جو تھے اُسوقت تک بھی گمان تھا کہ ہماری گرفتاری محض شریف کی شکایت اور اُس فتوی (محضر) کی مخالفت کی وجہ سے ہوئی ہی کہ گورنمنٹ کو اگرچہ مولانا سے بدگمانی ہی مگر اُسکو یہانتک پرخاش اور بدظنی نہیں کہ ہمکو حجاز سے پکڑوا دے۔ اس لئے ہم سبھوں نے آپس میں جو کچھ سوچ لیا تھا اور اتفاقی رائے پاس کی تھی وہ یہی تھی کہ ہم سے شریف اور اُسکے افعال اور فتوے کے متعلق پوچھا جائیگا۔ اُسمیں بلاخوف اور بلاہراس وہ حق جسکو ہم کل کو خداوند اکرم کے سامنے کہیں گے اور کہہ سکیں گے ظاہر کردینگے۔ باقی وہ امور جنکی نسبت ہم سے یہاں (مصر) میں اظہار کیوقت پوچھا گیا اُن میں سے بہت سی باتوں کا تو علم ہی نہ تھا اور اگر کسی بات کا کسی درجہ تک علم تھا تو نہ اسقدر جسقدر کہ گورنمنٹ کو پہنچایا گیا اسلئے نہ تو ان امور کے متعلق آپسمیں کبھی گفت وشنید کی نوبت آئی اور نہ کوئی متحدہ رائے قرار پائی۔ اب اظہار جو اس خاص طریقہ سے لیا گیا تو کوئی بھی دوسرے کو کسی قسم کی خبر نہ دے سکتا تا کہ سوچا جاتا۔ اسلئے اُسوقت (اظہار کے وقت) جو جسکے سمجھ میں آیا یا جسقدر معلوم تھا کہدیا گیا۔ اب سب کو یہ فکر دامنگیر ہوئی کہ نہ معلوم ان امور کی نسبت حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے کیا فرمایا ہے اور دوسرے رفقاء نے کیا کہا ہے۔ مبادا بیان میں تخالف ہوا تو مشکل کا سامنا ہوگا خصوصًا

وحید بالکل نوعمر اور ناتجربہ کار تھا۔ اسلئے ہر ایک اپنی اپنی جگہ پر کثرتِ افکار کی وجہ سے بیچاین تھا جس روز ہم سبھونکو ایک ہی وقت میں ہواخوری کی جگہ میں داخل کیا گیا سب نے اس خاص بات کی طرف توجہ کی اور ایک دوسرے کے بیان کو پوچھا تو معلوم ہوا کہ خدا کے فضل وکرم سے اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی برکت سے سبھوں کے بیانات تقریباً متفق ہیں گویا کہ ایک مشورہ سے ہوئے ہیں۔ چھوٹوں میں بھی استقلال اور صداقت بڑوں جیسا پایا گیا۔ بلکہ کچھ زیادہ۔ مولوی عزیز گل صاحب سے حدود کے واقعات، قبائل کے احوال، سید احمد صاحب شہید مرحوم ومغفور کے قافلہ کی خبریں، حاجی صاحب (حاجی عبدالغفور صاحب حدود کے بڑے پیر ہیں، وہ اُس زمانہ میں انگریزی علاقہ سے اپنے اہل وعیال کو لیکر یاغستان میں چلے گئے تھے اور وہاں جاکر مشہور ہوا تھا کہ انہوں نے جہاد قائم کیا ہے) مولوی سیف الرحمن صاحب، مولوی عبیداللہ صاحب، مولوی محمد میاں صاحب وغیرہ وغیرہ حضرات کے متعلق زمین آسمان کی واہی تباہی باتیں پوچھیں جنکا نہ سر تھا نہ پیر۔ مگر مولوی صاحب نے نہایت استقلال سے اپنے ولایتی اکھڑپنے سے سب کا جواب دیا۔ اور بہت ہی متین جواب دیا۔

الغرض ہم سبھوں کو آپس کے بیانات معلوم کرکے اور یہ کہ کوئی تخالف نہیں ہوا بہت خوشی ہوئی جو کچھ افکار تھے وہ اُس روز عموماً دور ہوگئے۔ ہر ایک کو ایک درجہ اطمینان کا حاصل ہوگیا۔ ہم ہاں کے کماندار جیل سے اپنی ضروریات کے لئے نقد منگاتے تھے جسکو شمع وغیرہ میں بھی خرچ کرتے تھے۔ اور حسب قولِ اکابر "بلقمۂ نانِ سگ دوختن بہ" دل کھولکر مصارف کرتے تھے۔ اسلئے ہمارے ساتھ اُن دنوں اتنی رعایت ضرور ہونے لگی کہ ہمکو اُس ہواخوری کے پنجرہ میں صبح سے داخل کردیتے تھے اور شام کو چار بجے تک وہاں ہی چھوڑ دیتے تھے یا کبھی قضائے حاجت کے لئے پاس کے پائخانے میں جانے دیتے تھے چار وغیرہ اور کھانا صبح کا وہیں اُٹھا لاکر دیدیتے تھے جسکو ہم عموماً مجتمعاً کھاتے تھے جو لوگ جیل کے خواہ منتظمہ جماعت ہوں یا اسیر وغیرہ سب اِن معاملات کو دیکھکر یہ خیال کئے ہوئے تھے کہ یہ سب ایک گھرانے کے لوگ ہیں اور اتفاق سے سبھوں کی عمریں ایسی تناسب واقع ہوئی تھیں کہ بلاشبہ سب کو ایک گھرانے کا ہر آدمی خیال کرسکتا تھا۔ پھر معاملہ اور اتحاد ادا سے بھی ہویدا تھا کسی بات میں اجنبی شخص تغایر نہیں سمجھ سکتا تھا اگرچہ ہم سب آپس میں لڑتے بھڑتے ہی رہتے تھے مگر مولانا کی ذات ستودہ صفات نے ایسا اثر قائم کر رکھا تھا کہ وہ کسی پر نہ ظاہر ہوتا تھا اور نہ آئندہ کو باقی رہتا تھا۔ مدت اقامتِ جیزہ میں ہم نے تقریباً ڈھائی پونڈ صرف کئے۔ کچھ دنوں کے بعد ہم سبھونکو

شہر میں لیگئے۔ اور ایک جگہ ہم سبھوں کا فوٹو لیا گیا۔ کیونکہ اب پاسپورٹ میں ہر ایک کا فوٹو بھی رہتا ہے۔ خصوصاً ایام جنگ میں اور پھر اسیروں کے لیئے خاص طور سے اسکا اہتمام تھا۔ دوسرے دن ہمکو دوسرے محکمہ میں لیگئے جہاں پر ہماری تشخیصات وغیرہ لکھی گئیں اور تمام اُنگلیوں اور انگوٹھوں کے نشان لگوائے گئے ہمکو ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے کچھ نہیں معلوم تھا کہ ہمارے ساتھہ استقبال میں کیا ہونے والا ہے۔ ہم یہ خواہش کرتے تھے کہ ہمکو اُنہیں حجروں میں وہاں ہی رکھیں مگر دیگر اسیروں کی طرح جیل میں آزاد ہوں +

مصر کیحالت

میں اسجگہ ضروری سمجھتا ہوں کہ قدرے مصر کیحالت پر بھی روشنی ڈالوں مگر نہایت افسوس کرتے ہوئے وہاں کی سیاسی گہری حالتوں سے ہاتھہ اُٹھانا پڑتا ہے۔ کیونکہ اس زمانہ میں حق گوئی اور صداقت پر نظریں سخت پڑرہی ہیں۔ مجھکو خوف ہے کہ یہ تاریخی رسالہ کہیں سیاسی شمار نہ کیا جائے اور پھر ضبطی میں آکر مقصدِ اصلی فوت کر دے۔ اسلیئے میں گہرے اور بڑے واقعات سے اس مقام پر بحث نہیں کرنا چاہتا جن صاحبوں کو ضرورت ہو مصطفیٰ کامل اور فرید بیگ کی کتابوں کو ملاحظہ کریں۔ مولوی عبدالرزّاق صاحب ندوی ملیح آبادی نے بھی اپنے رسالہ ترکی اور یورپ میں کچھہ اس مسئلہ پر مختصر طور سے روشنی ڈالی ہے اور بحمداللہ اچھی روشنی ڈالی ہے۔ خداوند کریم اُنکو جزائے خیر دے۔ میں اس مقام پر فقط اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ جیسے کہ مشرق کی آبادیاں عموماً اور اسلام کی خصوصاً مغرب کے ناپاک ہاتھوں سے مدتوں سے ذبح ہو رہی ہیں اُسیطرح مصر بھی ہے۔ ان آبادیوں میں جو ملک زیادہ زرخیز ہوا، تجارتی یا صناعتی حیثیت سے اُسکی اہمیت زیادہ ہوئی، سیاسی وقعت اُس میں کچھہ زیادہ پائی گئی، وہ بہت ہی مظلوم اور نہایت ہی بے طرح اور بیدردی کے ساتھہ ہلاک کیا گیا۔ اُسکے ہاتھہ پیر ناک کان دل ودماغ سب ہی علیحدہ علیحدہ اور ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے یورپ کو مثل پادشاہانِ قدیم فقط ہوسِ مُلک گیری ہی نہیں ہے۔ اُسکی طمع پہلے پادشاہوں سے صدہا گونہ زیادہ ہے۔ وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ ملک لیوے، وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ ہر محکمہ کی باگ اور ہر دائرہ کا حل وعقد اُسکے ہاتھہ میں ہو، وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ جملہ تجارتیں بھی ہضم کرے، وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ جملہ صناعتیں بھی غٹ کر جائے وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ جملہ ذرائع دولت خواہ معادن ہوں یا عملی کمپنیاں سب اُسی کے پاس ہوں، وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ تعلیم اور تہذیبِ اخلاق ہر ملک کا اُسکے زیرِ نظر اور اُسکی رائے اور اُسکے مفید طریقہ پر ہو، خواہ مُلک کے مفید ہو یا نہ ہو۔ وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ مذہب بھی ہر ملک کا اُسی کے قبضہ میں ہو، وہ یہ بھی

چاہتا ہے کہ دولت اور زراعت بھی اُسی کے زیر تحویل ہو۔ اُسکا مقصد یہ ہی کہ جملہ طرقِ خوشحالی اور جملہ شعبہائے ترقی اُسی کے ہاتھ میں ہوں۔ دوسری اقوام فقط غلامی کے اُس درجہ میں رہیں جس سے وہ زندہ رہکر چوپاؤں کی طرح اُسکی خدمت کرسکیں۔ بلکہ بعض جگہوں کے معاملات تو یہ کہہ رہی ہیں کہ وہ دوسری اقوام کی زندگی بھی نہیں چاہتا۔

گذشتہ زمانہ کی پادشاہتیں جنکی بھیانک تصویر ہمکو یوروپین تاریخیں دکھارہی ہیں اُن میں اسقدر اور یہ کمالات کہاں تھے، یہ تہذیب اور تمدّن تو فطرت نے انصاف اور عدل کی دیویوں، گوری گوری یوروپین موتوں کے لئے ازل سے رکھدئے تھے۔ جنکے تقدّس کا راگ تاریخ کے ملائکہ ترقی اور انسانیت کے آسمانوں پر قیامت تک گایا کرینگے۔ یہ آتشین آلات، یہ زہریلے ہتھیار، یہ ہلاک کن کشتیاں، یہ طرح طرح کی برباد کرنے والی مشینیں، یہ قسم قسم کے جور و جفا کی کلیں، یہ دُم دُم کی گولیاں، فقط انسانی خدمتوں اور نوعِ بنی آدم کے راحت و آرام کیلئے کیا نہیں بنائی گئی ہیں۔ کیا انہیں سے تمام عالم کی اصلاح نہیں ہورہی ہی۔ پہلی لڑائیوں میں ہزار دو ہزار لاکھہ دو لاکھہ مدتوں میں کہیں مقتول ہوتے تھے مگر فیصلہ ہوجاتا تھا۔ اب ہفتوں نہیں بلکہ دنوں میں ملایین اور کروڑوں تک کی نوبتیں آجاتی ہیں اور فیصلہ نہیں ہوتا۔ پہلے زمانہ میں خرچۂ جنگ سیکڑوں اور ہزاروں کی حدود میں محدود رہتا تھا۔ اب ترقی خواہ اور انسانی خادم قوموں میں روزانہ لاکھوں اور کروڑوں کا خرچ دکھلایا جاتا ہی۔ کہانتک اس عجیب ترقی اور تمدن کے حال اور اِن انسانی صورتوں شیطانی سیرتوں کے اوصاف کو ذکر کرکے آپکے دماغ اور دل کو پریشان کروں۔ اسکے لئے دفاتر کی ضرورت ہے مقصد سے میں بہت دور جا پڑونگا اسلئے معافی کا خواستگار ہوں۔

جنابعالی مصر ایک زرخیز ملک ہی۔ دریائے نیل، وسطِ افریقہ اور سوڈان کے چشموں اور خوشنما ژالہ جھیلوں، اور فلک نما پہاڑوں کی بارشوں کا پانی بہاتا ہوا اس سرسبز زمین کو سیراب کرتا ہے اگرچہ رقبہ اس ملک کا بہت بڑا نہیں ہی مگر اپنی قابلیت اور جغرافی اہمیت کیوجہ سے حقیقت میں بہت ہی زیادہ پایۂ اعتبار رکھتا ہے۔ اُسکے شمالی کنارہ کو بحر ابیض (بحر متوسط یا بحیرۂ روم) اپنی لہروں سے ٹکراتا ہے اور مشرقی کنارہ کو بحر احمر (بحر قلزم)۔ اسوجہ سے یوروپ کے تمام جنوبی ملکوں اور ایشیا کے مغربی حصوں سے

اُسکا خاص تعلق ہو گیا ہے جسکی بنا پر بحری آلاتِ سفر کے ذریعہ سے ہر ملک سے اسکا اتصال ہی۔ ادہر افریقہ کے مغربی اور شمالی اور اسیطرح جنوبی حصّہ سے اُسکا تعلق خشکی سے ہے۔ سوریا اور عرب سے بھی بذریعۂ خاکنائے سویز اُسکا اتصال ہی۔ اِن وجوہ سے اُسکے جغرافی اور طبیعی اہمیت نہایت ہی بالا واقع ہوئی ہے۔ پھر جب سے آبنائے سویز (قنال) نکل آئی ہے جسکے ذریعہ سے یوروپ کو ہندوستان، فارس، جزائر جاوا، چین، جاپان، اسٹریلیا، مشرقی افریقہ وغیرہ، سے ہر قسم کے دریائی مختصر اور مفید راستے ہاتھ آگئے ہیں اُسکی اہمیت یوروپین نظروں میں بہ نسبت پہلے کے صد ہا گونہ زیادہ ہو گئی اگرچہ یہ قنال مصر نے اپنے مفاد کے لئے نکالی تھی مگر حقیقت میں یہ ہی بڑا سبب اُسکی ہلاکی اور بربادی کا ہوا حقیقت یہ ہے کہ بڑوں کی نصیحت نہ ماننے میں ہمیشہ تکالیف اور مصائب ہی کا سامنا ہوتا ہی۔ گورنر مصر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے خلیفۂ ثانی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے اس قنال کی اجازت مانگی تھی تو آپ نے اسکے بُرے عواقب بیان فرماکر اس سے روکدیا تھا۔ آخر کار وہی دیکھنا پڑا انکے الفاظِ صریح کا ترجمہ یہ ہی کہ خبردار ایسا نہ کرنا۔ ورنہ تمھاری عورتوں کو افرنج خانۂ کعبہ کے سامنے سے پکڑ لیجائینگے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس جنگ میں مسلمان عورتیں لڑکیاں بچّے خاص مکۂ معظمہ اور بیت الحرام کے ارد گرد سے پکڑی گئیں۔ اور کفار اسیر کرکے اُن کو لیگئے۔ اگرچہ انھوں نے شریف اور اُسکے لوگوں کے واسطے سے پکڑا اور پھر جدّہ میں خود اپنے ہاتھوں میں لیا۔ مگر ہمیشہ کاتب قلم کے ذریعہ سے لکھتا اور بادشاہ فوج کے ذریعہ سے جنگ کرتا ہے جو کہ واقع میں فعل کاتب اور بادشاہ کا شمار کیا جاتا ہے۔

دریائے نیل سے بادشاہان مصر "محمد علی پاشا" "ابراہیم پاشا" "اسمٰعیل پاشا" وغیرہ نے بہت سی نہریں نکالکر اطراف و جوانب کے اُن زمینوں کو سیراب کیا ہی جہاں پانی نہیں پہنچتا تھا۔ پھر اوپر کی طرف بڑے بڑے پختہ تالاب بنوائے ہیں جو کہ بارش کے سَیل کے زمانہ میں دریائے نیل سے بھر جاتے ہیں اور جس زمانہ میں دریا اُترا ہوا ہوتا ہے اُن تالابوں کے ذریعہ سے نہروں کے واسطے سے آبپاشی کیجاتی ہی۔ ہر قسم کے غلّہ جات، ترکاریاں، میوہ جات، وغیرہ وہاں پیدا ہوتے ہیں مگر غلّہ اور ترکاریوں کی کاشت بہت زیادہ ہی۔ آدمی بھی جفاکش اور قوی ہوتے ہیں

محمد علی پاشا اور اُسکی اولاد نے مصر کی ترقی کی نسبت بہت زیادہ ہمّت اور کوشش سے

کام لیا مگر یوروپین فلک کو اسلامی اور مشرقی حکومت کا عروج کب گوارا تھا اُس نے ہمیشہ ایسے چکر دئے کہ انسانیت اور تمدن کے نام پر مثل ایشیا وغیرہ مصر کو بھی بھینٹ چڑھنا پڑا۔ اُسکا بھاری اور قیمتی بیڑہ بندرگاہ نادرین پر نہایت عدالت اور غایت انصاف مع کمال انسانیت کی وجہ سے تمامہ برطانی امیر البحر نے ڈبویا اُسکی فوجی قوت کو برٹش گورنمنٹ نے سلطان عبد المجید سے صلح کرا انکی پالیسی میں نہایت کم اور کمزور کر دیا اُسکا بڑا ملکی حصہ سوڈان کا جسکو مصری اور غیر مصری یعنی ہندوستانی فوجوں کے ذریعہ سے سوڈانی مسلمانوں کا خون بہا کر جبکہ وہ آزادی کے لئے کوشش کر رہے تھے فتح کیا گیا تھا۔ اُس سے جدا کر کے خالص برطانی قرار دیدیا گیا۔ اراب<u>ی پاشا ا</u>ور رعایا کو ایک طرف اور خدیوی کو دوسری طرف بھڑکا یا گیا اور اسمیں مصالحت دنیز محافظت تخت خدیوی کی غرض سے مصر کی حمایت اور مداخلت کی نوبت آئی۔ اب ہم ان باتوں کو دوہرانا نہیں چاہتے۔ مصر کے نظام کو بہت ہی غیر منتظم دکھلایا گیا۔ ہر ہر شعبہ میں ایک مستشار برطانی رکھنا ضروری قرار دیا گیا۔ ہر وزیر اور ہر بڑے افسر کے ساتھ ایک بہت بڑی تنخواہ والا مستشار برطانی رکھا گیا۔ جس نے تمام امور کی باگ اپنے ہاتھ میں لیلی۔ مصری مسلمان افسر فقط صورت کا بت اور کاٹ کا الّو رہگیا۔

حقیقت یہ ہے کہ مصر کی اصلی آبادی ۱۵/۱۶ مسلمان اور ۱/۱۶ قبطی عیسائی ہیں اسلئے یہاں پر مختلف پالیسیاں کی ضرورت خیال کیگئی۔ عموماً محکموں میں عیسائی داخل کئے گئے۔ قبطی، یا یونانی، اٹالین، فرنچ وغیرہ وغیرہ زور دیکر ٹھونسے گئے۔ چنانچہ تھوڑے ہی دنوں میں بہت سے محکمے ایسے ہوگئے جنمیں مسلمان نام تک کو باقی نہ رہ گیا۔ پھر عیسائیوں کو اشتعال دیدیگئی کہ وہ مسلمان ملازموں پر اس قسم کے تشددات کریں جنکی وجہ سے وہ خود خارج ہو جائیں اور اگر رہ ہوں تو اُنپر جھوٹے سچے الزامات ایسے قایم کئے جائیں جنکی بنا پر اُن کو معطل کر دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ہو رہا ہے۔ جیلخانہ کے محافظ سپاہیوں پر بھی ہیڈ کانسٹبل تک عیسائی اٹالوی تھے جنکی تنخواہیں بھی بڑی بڑی تھیں ہتھیار تمام سکان مصر سے چھین لئے گئے اور اُن کا رکھنا جرم قرار دیدیا گیا لیسنس کے بغیر کوئی ادنیٰ درجہ کا ہتھیار نہیں رکھ سکتا۔ اسلئے تمام سکان مصر بے دست و پا اور چوڑی پہننے والی عورتوں جیسے ہوگئے جیسا کہ اہل ہند ہیں۔

امور تجارت میں بھی یہی معاملہ ہوا یونانی یا دیگر عیسائی اقوام کو ہر قسم کے ٹھیکے وغیرہ دلوا کر اور دوسرے طریقوں سے اعانتیں کر کے اُن کی تجارتوں کو فروغ دیا گیا جسکی بنا پر تمام مصر میں بڑا حصہ تجارت اور

نیز کارخانوں وغیرہ کا یوروپین اور مسیحی قوموں کے ہاتھ میں ہی۔

مصریوں کے مذہبی جذبات کے کمزور کرنیکی بھی پوری کوشش عمل میں لائی گئی۔ اُن میں بددینی مختلف طریقوں اور ہر پہلو سے پھیلائی گئی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ شہری اور متموّل لوگ بہت جلد آزاد خیال ہوگئے مگر ساتھ ہی اُسکے اس طبقہ میں قومیّت کا خیال یوروپ کی بدقسمتی سے بہت زور کا پیدا ہو گیا۔ اصحاب ثروت لوگوں پر حکومت کی جانب سے دباؤ ڈالکر اُن کو قومی افکار اور ملکی ترقی سے فقط روکا ہی نہیں گیا بلکہ اُن کو عزیزِ وطنی کی مخالفت پر آمادہ کیا گیا اور ہر پہلو سے اُن کے ذریعہ سے مخالف کوشش عمل میں لائی گئی۔ اہل وطن میں اختلاف پھیلانے کی اسپریٹ نہایت زور سے بکھیری گئی۔ عام کاشتکاروں سے ایسی پالیسی اختیار کیگئی جسکی وجہ سے اُن کو خاندان خدیوی اور مصری حکّام سے سخت نفرت ہوگئی اور اسی کی ابتک کوشش کیجا رہی ہے۔ عام اہل شہر پر مصری چھوٹے حکّام کے ذریعہ سے تشدّدات بیجا ہر معاملہ میں کرائے گئے۔ پھر اگر شکایت برٹش افسر تک پہونچ گئی تو اُن پر مراحم خسروانہ برسا گئے مصری حکّام کو تنبیہ کیگئی جسکی وجہ سے عوام کو یقین ہو گیا کہ برطانی حکّام نہایت رحیم و عادل ہیں۔ جو کچھ مظالم ہم پر آئے دن ہوتے اور شدائد عمل میں آ رہی ہیں وہ سب مصری حکّام کی جانب سے ہیں۔ اسی کے قریب ہندوستان میں بھی عمل میں آ رہا ہے۔ پنجاب وغیرہ کے مظالم جدید اور قدیمہ اسکے شاہد ہیں۔ چنانچہ مجھسے بھی اظہار کیوقت ایک مقام پر مسٹر تلک وغیرہ کے مذاکرہ میں جیزہ میں مستنفق نے کہا کہ ہندوستانی ہمکو پلیگ کے معاملہ میں بدنام کرتے ہیں "ہم لوگوں نے تشدّدات اور مظالم کئے تھے یا کہ ہندوستانی حکّام کرتے تھے"، تعجب ہے، ہندوستانیوں کا نام بدنام کیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ حکّام جو کہ انگریزوں کی غلامی کو خدا کی غلامی اور بندگی سے بھی بہت زیادہ قوی جانتے ہیں۔ بلا اشارہ انگریز حاکم کے چوں بھی نہیں کر سکتے۔ اِنکا تو دین، ایمان، دنیا اور آخرت، انگریزوں کی اطاعت نہیں نہیں بلکہ اُن کی خوشنودی حاصل کرنا ہی۔ اِن کا مذہب یہ نہیں ہی کہ خلاف حکم نہ کیا جائے اِن کا مذہب تو یہ ہی کہ انگریز کے خلاف منشا کرنا سخت حرام اور کبیرہ گناہ بلکہ کفر ہے۔ خواہ دین جاتا رہے یا رہے خواہ خدا راضی ہو یا ناراض، خواہ قوم و وطن برباد ہو یا آباد، مگر چونکہ انگریزی پالیسی ہمیشہ اور ہر ملک میں یہی رہی ہی کہ اہل ملک و وطن سے ہمیشہ مظالم کرائے جاویں تاکہ قوم میں نفاق و شقاق ہو۔ رعایا پر رعب جمے۔ قتل و قتال میں وہی آپس میں برباد ہوں۔ اُنہیں پر سدا الزام رہے۔ ہم پاکدامن ستھرے بنے ہوئے سبکے خون چوستے رہیں۔ اگر ہم تک

شکایت پہنچے تو ہم اس سے بَری ظاہر کردیں۔ اسلئے یہی پالیسی مصر میں بھی اختیار کیگئی۔
علاوہ اسکے اگر بڑے حکام ستم اور جبر کے طلبکار اور عادی نہ ہوں تو ممکن نہیں کہ چھوٹے حکام بڑے بڑے مظالم کریں ؎

بہ پنج بیضہ چو سلطاں ستم روا دارد　　زنند لشکریانش کباب مرغ بسیخ

الغرض طرح طرح کے جال سے وہاں مسلمانوں اور اہلِ وطن کی قوتوں کے ملیا میٹ کرنے کی کوششیں کیجارہی ہیں۔ مصارلیف اسقدر بڑھا دئے گئے ہیں کہ آمدنی سے قرضۂ ملکی کا ادا ہونا تو درکنار اُسکا سُود ہی سالانہ ادا ہونا مشکل اور دُشوار ہوگیا ہے۔ پھر اگر کبھی کچھ جمع ہوگیا تو دور دراز ملکوں کی جائدادیں خرید دا دیگئیں جنکی حفاظت ہی کرنا مصر کو دُشوار ہے اُن سے نفع اُٹھانا تو درکنار۔
اسکے علاوہ سیکڑوں پیچیدگیاں ڈالی گئی ہیں اور ڈالی جارہی ہیں۔ جن سے ہم اپنے رسالہ کو ناپاک کرنا نہیں چاہتے ؎

من حالِ دلِ زاہد با خلق نخواہم گفت　　کہ ایں قصّہ اگر گویم با چنگ و رباب اولیٰ

مصر کے مدتِ قیام میں صوفی مولوی شاہ محمد صاحب الہ آبادی نے ہمکو بعض کتابیں بھی لادی تھیں۔ جنکی وجہ سے اکثر دل لگی رہتی تھی۔ ہمارا اسباب ہاں کھولا گیا۔ جو صاف کپڑے تھے وہ چھوڑ دئے گئے باقی سب بھپارے میں (ڈیسن فیکٹ) کیلئے بھیجے گئے۔ دوائیں سُرمہ وغیرہ ضائع کردی گئیں۔ ایام قیام زنزنہ (کال کوٹھڑی) میں وہ سب مخازن میں محفوظ رکھے گئے۔ کتابوں کی کوئی پڑتال نہیں کی گئی فقط سرسری طور سے دیکھا گیا اور چھوڑ دیا گیا۔ اپنے میلے کپڑوں کو ہم نے وہاں ہی کے بعض محتاج اسیروں سے دُھلوا لیا

روانگی مالٹہ

۱۵ رفروری ۱۹۱۷ء مطابق ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ کو مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو ایکماہ گذر جانیکے بعد معتقل (جیل) کے کمانڈار بزنس حاکم نے بلاکر یہ کہا کہ کل تم مالٹہ بھیجے جاؤ گے۔ ضروری سامان کرلو اور تیار ہو جاؤ۔ ہم نے دو اشرفیاں طلب کیں اور اُن کو بھنوا کر جو کچھ چاء وغیرہ کے اخراجات کا ہمپر قرضہ تھا وہ ادا کیا اور باقی تقریباً ڈیڑھ گنی کی تفاریق ساتھ رکھی۔ صبح کیوقت ۱۶ رفروری مطابق ۲۴ ربیع الثانی کو ہمکو گوروں کی گارد کی حفاظت میں موٹر پر بٹھا کر مع سامان ریلوے اسٹیشن قاہرہ پر پہنچا دیا گیا اور اُسی وقت تھرڈ کلاس میں گارد کی سنگینی حفاظت میں ہمکو اسکندریہ پہنچا دیا گیا۔ تقریباً ایک بجے اُسی دن

اسکندریہ پہنچے اُسی وقت بند موٹر لایا گیا اور اُس میں بٹھا کر ہمکو اسٹیشن سے اُس نے پہنچا دیا گیا۔ جہاز پر سوار ہونے کا حکم ہوا۔ جہاز کے بالائی طبقہ پر ایک بڑا کمرہ تھا جسکے دونوں طرف چار پائیاں لگی ہوئی تھیں اور اُنپر گدے اور کمبل پڑے ہوئے تھے اور بیچ میں لانبی میز بچھی ہوئی تھی اُسمیں داخل کر دیا گیا۔ اُس کمرہ کی باہر کی کھڑکیاں بند تھیں ہوا اور روشنی آسکتی تھی بند ہی نہیں بلکہ کیلوں سے مضبوط تختوں سے جڑی ہوئی تھیں اور دروازے پر دو تین گورے سپاہیوں کا پہرہ قایم کر دیا گیا ہم نے جا کر پانچ چار پائیوں پر ایک طرف قبضہ کر لیا۔ اُسکے آخر میں ایک کمرہ ایسا بھی تھا جسمیں پاخانہ اور غسلخانہ بھی تھا جسمیں میٹھا پانی موجود تھا

ترکی افسروں اور سپاہیوں کی آمد

تھوڑا ہی عرصہ ہمکو گذرا تھا کہ بہت سے ترکی فوجی افسر اور سپاہی لائے گئے! افسروں کو نیچے کے خاص کمروں میں جو کہ سکنڈ یا فسٹ کے تھے رکھا گیا۔ اور سپاہیوں کو جنکی تعداد تقریباً پندرہ سولہ تھی ہمارے کمرہ میں داخل کر دیا گیا۔ چونکہ قواعد اسارت میں یہ ہے کہ جب کوئی فوجی افسر اسیر ہو تو اُسکو اُسکی حسب منشا ایک خادم فوجی دیا جاتا ہے اسلئے یہ سپاہی اُن افسروں کے خدام تھے جو کہ سب مسلمان اور نیک مزاج تھے اور عموماً ترکی سپاہی نیک مزاج ہی ہوتے ہیں۔ یہ جب داخل ہوئے اور حضرت مولانا مرحوم کو دیکھا تو نہایت احترام سے پیش آئے۔ اُنہوں نے ہماری چار پائیوں سے تعرض نہیں کیا بلکہ خود باقی ماندہ چار پائیوں پر قابض ہو گئے چونکہ وہ عدد میں کم تھیں اسلئے ایک ایک پر دو دو قابض ہوئے۔ یہ آپسمیں کھیلتے اور گاتے اور کشتی کرتے تالیاں وغیرہ بجاتے تھے۔ جنکو دیکھنے کے لئے انگریزی گورے سپاہی جمع ہو جاتے تھے۔ اُن کو دیکھکر یہ سب اور زیادہ گاتے اور کودتے تھے۔ پھر بعد کو دو تین شخص حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے اور کہا کہ حقیقت میں ہم آپکی بیحرمتی کرتے ہیں کہ آپکے سامنے گاتے اور کودتے اور ناچتے ہیں۔ مگر کیا کریں دشمن دین کافر کے ہاتھ میں ہم اسیر ہو گئے ہیں اگر ہم باادب بیٹھیں تو یہ کافر خوش ہوں گے اور ہمکو رنجیدہ اور غمگین خیال کرینگے اسلئے ہم اپنی قوت اور اپنی عدم رنجیدگی جتلانیکے لئے ناچتے گاتے ہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ تم خوب کودو اور گاؤ۔ ہماری طرف سے اجازت ہے ✤

جہاز میں کھانے کا انتظام

جب شام کا وقت قریب آیا چونکہ ہم نے صبح سے کچھ کھایا نہیں تھا تو ایک افسر سے پانی اور کھانے کا تذکرہ حکیم نصرت حسین صاحب نے فرمایا کیونکہ وہی انگریزی بول سکتے تھے اُسنے کہا کہ اگر تم ہمارا کھانا کھاتے ہو تو کھاؤ تو حاضر ہے اُنہوں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھکر جواب

کرتے تھے۔ اگر گوشت اور بگھار کا پکا ہوا سالن ہم نہیں کھا سکتے تو اُسنے کہا کہ اسی خیال سے ہمکو تمہارے لئے یہاں سے مالٹہ تک کیلئے یہ جنس دیدی گئی ہے اسکو لیجاؤ اور جس طرح چاہو خرچ کرو۔ مالٹہ تک تمکو اور کوئی چیز نہیں ملیگی جہاز کا باورچیخانہ بتادیا کہ یہاں پکالیا کرو اور باورچی سے کہدیا کہ جس چیز کو جس طرح یہ پکائیں ان کو مت روکو چونکہ آٹے کے پکانے میں دقت بھی تھی اور روٹی کے لینے میں شرعی کوئی قباحت نہ تھی اسلئے اُس سے کہا گیا کہ ہم تمہاری پکی ہوئی روٹی لے لیں گے فقط سالن اور چاء وغیرہ ہم خود پکائیں گے وہ اسپر راضی ہو گیا اور فی کس ایک ایک پاؤ روٹی صبح و شام دینے کا حکم کردیا۔ باقی جنس اُٹھالائے جسمیں چنے کی دال، آلو، اُرد کی دال، گھی، مرچ، دھنیا، ہلدی، چاء، گڑ، چاول، وغیرہ تھی۔ چونکہ ہمارے پاس تمام سامان پکانے کا موجود تھا اور قدرے جنس بھی اپنی موجود تھی اسلئے اپنی دیگچیوں میں حکیم صاحب مرحوم اور وحید جاکر کھانا پکالاتے تھے اور ایک جگہ جمع ہوکر کھالیتے تھے۔ وہ تمام جنس مالٹہ تک ہم ختم نہ کرسکے باقیماندہ جہاز ہی پر چھوڑکر اُتر گئے :-

جہاز کی روانگی

اُسی روز شام کو یعنی ۱۶ فروری ۱۹۱۷ء مطابق ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ کو جہاز اسکندریہ سے روانہ ہوا اُسکے آگے آگے ایک جنگی جہاز کروزر اُسکی حفاظت کو چلتا تھا اور کبھی کبھی دائیں اور بائیں بھی چکر لگاتا تھا۔ اُسپر بہت بڑا سائن بورڈ لگا ہوا تھا جسمیں جلی قلم سے لکھا ہوا تھا کہ اُس جہاز میں زخمی اور مریض سپاہی ہیں۔ سامان جنگ نہیں ہے۔" کیونکہ جرمنی سبمیرین اُس زمانہ میں بحر سفید میں بھی آگبوٹوں کو غرق کررہی تھیں۔ خود اسکندریہ کے بندر پر چند دن پہلے ایک آگبوٹ غرق کرچکی تھیں مگر زخمی اور مریض سپاہیوں کو ایذا پہونچانا انسانیت اور معاہدات دول کے خلاف تھا اسلئے اُن سے تعرض نہیں کرتی تھیں۔ بلکہ پہلے تو تجارتی جہازوں اور غیر جانبدار حکومتوں کے جہازوں سے بھی تعرض نہیں کرتی تھیں فقط دول متحاربہ کے جنگی اور اُن جہازوں سے تعرض کرتی تھیں جنپر فوج یا سامان جنگ ہو مگر جب برٹش نے اپنے جنگی جہازوں اور فوجی سامانوں کو تجارتی آگبوٹوں میں لیجانا اور غیر جانبدار بادشاہوں کے آڑ میں شکار کھیلنا شروع کردیا تو اُسنے اعلان کرکے سبھوں کو ڈبونا شروع کردیا تھا جسکی بنا پر اُسکو وحشی غیر متمدن بنایا جارہا تھا۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ کوئی جہاز سمندر میں باامن و بلا خوف سفر نہیں کرسکتا تھا۔

جہاز میں ڈوبنے کی ہر وقت تیاری

جب ہمارا جہاز شب کو اسکندریہ کے پورٹ سے روانہ ہو گیا تو تھوڑے ہی عرصہ

کے بعد ہر ایک شخص کو کاگ (جسکی ڈاٹ بوتلوں میں ہوتی ہے) کی پیٹیاں دیگئیں۔ پیٹیاں کاگ کی لکڑیوں کے ٹکڑے سے جو کہ کپڑوں میں سلی اور جڑی ہوتی ہیں بنائی جاتی ہیں جہاز کے ڈوبنے کے وقت گلے یا کمر میں پڑے رہنے کی وجہ سے آدمی ۴۸ گھنٹہ یا اس سے زیادہ تک نہیں ڈوبتا۔ اور پھر جتنے آدمی اس اگبوٹ میں تھے خواہ جہاز راں یا فوجی یا امیر وغیرہ وغیرہ سب کے سب مختلف کشتیوں پر تقسیم کر دیئے گئے اور سب کو کشتیوں کے نمبر اور جگہ بتادی گئی۔ (ہر جہاز پر دونوں طرف یعنی دائیں اور بائیں مختلف چھوٹی چھوٹی کشتیاں بندھی رہتی ہیں کہ اگر کہیں ضرورت پڑے یا جہاز کے ڈوبنے کا خطرہ ہو تو لوگوں کے لئے وہ کشتیاں کھولدیجائیں تاکہ اسمیں بیٹھکر وہ کنارے اور خشکی تک جاسکیں) اور کہدیا گیا کہ جب سیٹی ہو ہر شخص ان پیٹیوں کو گلے میں فوراً ڈالکر اپنی اپنی کشتی پر بلا تاخیر پہنچ جائے خواہ دن ہو خواہ رات۔ کسی وقت ان پیٹیوں کو اپنے سے دور نکرو۔ چنانچہ انگریزی افسر وغیرہ ان کو ہر وقت گلے میں ڈالے رکھتے تھے حتیٰ کہ کھانے اور چلنے کے وقت بھی ان کی یہی حالت تھی۔ کثرتِ خوف کی وجہ سے بعض لوگ سخت پریشان تھے۔ اسکے لئے امتحان بار بار کیا گیا اور سیٹیاں دی گئیں ہر ایک اپنی اپنی کشتی پر پہنچگیا۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے خدام کو جو خاص تبرکات اپنے اکابر کے تھے بانٹ دیئے بایں وجہ کہ خدا جانے کیا واقعہ پیش آئے اور پھر کون ہے اور کون بچے اسلئے ہر ایک ایک ایک تبرک اپنے پاس رکھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حضرت قطب العالم حاجی امداد اللہ صاحب اور حضرت شمس الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب اور حضرت شمس العلماء والفضلاء مولانا رشید احمد صاحب قدس اللہ اسرارہم کے خاص خاص تبرکات اور ناخن اور بال تھے سب کو ایک ایک لباس اور ناخن اور بال دیئے اور خود بھی اپنے پاس رکھا۔ کاتب الحروف کو حضرت مولانا گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز کی رومی وہ ٹوپی عنایت فرمائی جو کہ بوقتِ وصال آپ کے جسم مبارک پر تھی، مالٹا پہونچنے کے بعد جب سب تبرکات واپس ہوئے اسکو میں نے واپس نہیں کیا بلکہ ابتک میرے پاس محفوظ ہے مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے کہدیا کہ اسکو میں واپس نکرونگا۔ آپ نے بھی کچھ اصرار نہ فرمایا۔ اور بعضے ادنیٰ قیمتی لباس بھی دیدیئے کہ سردی کا زمانہ ہے کشتی میں اس سے قدرے تحفظ بھی ہوگا۔

الحاصل تمام جہاز کے لوگ عموماً اور ہم سب خصوصاً ہر وقت موت کے لئے تیار رہے۔ لوگوں کو رات دن ہر وقت یہی خیال رہتا تھا کہ خدا جانے کب سمرین جہاز پر گولہ پھینکدے بعضے مقامات تو بہت زیادہ

خطرہ کے گذرے مگر بایں ہمہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ پر کسی قسم کا گھبراہٹ اور اضطراب کا نام و نشان نہ تھا۔ ہم سبھوں کے قلوب پر بھی اُن کی برکت سے اطمینان تھا۔ اسی طرح سے چار دن برابر گذر گئے۔

ترکی افسر

ترکی افسر جو کہ فورٹ او سیکانڈ میں تھے اور جن کو ہوا خوری کو آتے جاتے وقت ہمارا بھی کمرہ کھول دیا جاتا تھا ہم بھی ہوا خوری کو نکالے جاتے تھے۔ اُن لوگوں نے ہندوستانی اشخاص اسیر دیکھکر تعجب کیا چونکہ پہلے سے ان لوگوں کی اور ہماری کوئی جان پہچان نہ تھی اسلئے انہوں نے ہمکو اور ہم نے اُن کو تفصیلی پتہ اور وجوہ کے ذکر کرنے کی تکلیف دی۔ معلوم یہ ہوا کہ یہ افسر عموماً فوجی تھے بعض کرنیل بعض میجر بعض کپتان اور بعض لفٹنٹ کپتان وغیرہ۔ جو کہ عراق یمن حجاز وغیرہ سے پکڑے گئے تھے اور اسکندریہ میں کیمپ سیدی بشر میں اسیر کئے گئے تھے۔ چونکہ برٹش گورنمنٹ نے حجاز کے فتنہ کے بعد یہ وتیرہ اختیار کیا تھا کہ ترکی جتنے اسیر تھے اُن کو ورغلاتی تھی اور سلطان کے خلاف جنگ کرنے پر آمادہ کرتی تھی اور اسکے لئے دو طریقے خاص طور سے نکالے گئے تھے اوّل تو عربوں کو توڑا گیا اور عرب افسروں کو کہا گیا کہ ہم تمہارے استقلال کے لئے کوشش کر رہے ہیں۔ شریف کو ہر قسم کی مدد پہنچا رہے ہیں تم بھی شریف کے پاس چلے جاؤ۔ وہاں تمکو تنخواہ ملیگی اسارت سے آزادی ہوگی۔ اُسکے ساتھ ملکر لڑو اور ترکوں کو پسپا کرکے اپنے ملک کو آزاد کرا دو۔ چنانچہ اس طریقہ سے ہزاروں سپاہیوں اور افسروں کو مختلف مقامات یعنی ہندوستان، [illegible]پور وغیرہ برما، سیدی بشر، راس التین وغیرہ وغیرہ سے بہلا اور پھسلا کر کے لایا گیا اور شریف کی فوج میں داخل کر کے ترکوں کے مقابلہ میں جنگ کرائی گئی۔ عربی جاہل سپاہ کچھ تو اپنی آزادی کی طمع، کچھ اسارت سے خلاصی کے لالچ، کچھ ترکوں سے جھلائی ہوئی عداوت ان وجوہ سے نکل پڑتی تھی اور خلیفۂ اسلام کے مقابلہ کیلئے تیار ہو جاتی تھی مگر اسکے لئے صورت یہ اختیار کیگئی تھی کہ شریف کے ہم خیال لوگ شامی اور عراقی وغیرہ جو مصر میں تھے اُن کی جماعت کو ان سپاہیوں کے پاس بھیجا جاتا تھا اور وہ برابر سمجھاتے اور توڑتے رہتے تھے۔ علیٰ ہذا القیاس افسروں کو بھی توڑا جاتا تھا اور دوسرا طریقہ یہ تھا کہ خود ترکوں کو بھی توڑا جاتا تھا کیونکہ مصر میں جنگ کے پہلے سے ایک جماعت ترکوں کی موجود تھی جو کہ حکومت ترکی سے خلاف تھی یا اسوجہ سے کہ وہ کسی جرم کی وجہ سے فراری تھی یا اسکو جلا وطن کر دیا گیا تھا یا وہ ائتلافی پارٹی کی تھی۔ اس جماعت کو برٹش افسروں نے اپنے مقاصد کیلئے آلہ بنایا کہ ترکی افسروں کو توڑے اور بمقابلہ ترکی افواج ان لوگوں کو

بھیجتے تھے۔ حقیقت میں اس ناپاک فعل نے بہت زیادہ نقصان ترکوں کو پہونچایا۔ چونکہ یہ معاملہ مسلمانوں کے بہکانے کا امیروں کے کیمپوں میں داخل ہو کر ہوا کرتا تھا۔ اور انگریزی افسر ایسے لوگوں کو برابر داخل کرتے رہتے تھے تو ترکی اور بہت سے عرب افسر جنہیں عزت، حمیت، دیانت، اسلام، تھا اسکی سخت مخالفت کرتے تھے اور جس شخص کو ادنی درجہ کا بھی اس قسم کا خیال رکھنے والوں میں پاتے تھے اسکو سمجھاتے بوجھاتے اور اگر اسپر بھی نہ باز آتا تو سختی کرتے تھے جسکی وجہ سے برٹش کوششیں ناکام ہوتی تھیں اسلئے ایسے لوگوں کو چن چن کر یکبارگی مالٹہ بھیجدیا گیا تاکہ پھر اپنے جال پھیلانے کی پوری قوت ہاتھ آجاوے۔ مالٹہ میں ہر سپاہی بھیجا جاتا تھا نہ ہر امیر فوجی بلکہ جنکو گورنمنٹ زیادہ خطرناک خیال کرتی تھی اُن کو وہاں بھیجتی تھی ان ترکی افسروں نے حضرت مولانا سے خصوصاً اور ہم سبھوں سے عموماً نہایت محبت کا برتاؤ کیا اور جب تک مالٹہ میں رہے بہت زیادہ اُلفت اور مودت سے ملتے رہے۔

وصول مالٹہ

جہاز جمعرات کی شام کو روانہ ہو کر دوشنبہ کی صبح کو تقریباً دس بجے ۲۱ فروری سنہ ۱۷ء مطابق ۲۹ ربیع الثانی سنہ ۱۳۳۵ھ کو مالٹا میں لنگر انداز ہوا۔ مگر تقریباً چار بجے تک کوئی ہمارے اُترنے کی خبر نہیں ہوئی۔ چار بجے کے بعد ہم اُتارے گئے اول ترکی افسر اور سپاہی اوترے پھر ہمکو اُترنے کا حکم ہوا۔ ترکی افسروں نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ ان کے سامان اُترواؤ انہوں نے ہاتھوں ہاتھ ہمارا سامان اُتار دیا اور پھر کنارے پر پہنچکر افسروں کو دوسرے راستہ سے موٹر پر اُن کے جائے قیام یعنی ورڈالا فرٹ پر بھیج دیا گیا اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو وہ انگریز افسر جو اُتارنے کے لئے آیا تھا اپنے ساتھ بگی پر بٹھا کر لیگیا۔ باقی ہم چاروں آدمی اور جملہ سپاہی پیدل کیمپ تک گئے۔ ہمارا اسباب موٹر پر گیا۔ مولانا چونکہ ہم سے پہلے پہنچ گئے تھے اسلئے اُن کو ہم سے پہلے روگیٹ کیمپ میں جہاں پر ہمارے قیام کے لئے خیمے نصب کئے گئے تھے داخل کر دیا گیا۔ راستہ میں اہل شہر اور ان کے لڑکے عورتیں ہماری حالت پر خوشیاں مناتے تھے۔ مذاق اُڑاتے تھے اور جھنڈ کے جھنڈ پرے باندھے ہوئے تماشا دیکھتے تھے۔ کیونکہ یہ سب کے سب عیسائی تھے، اُن کو مسلمانوں کے اسیر ہونیکی بہت زیادہ خوشی ہوتی تھی اور غالباً اسی وجہ سے ہمارے آگبوٹ کو روکا گیا اور شام کے وقت ہم سب اُتارے گئے تاکہ اہل شہر کو خبر ہو جائے اور وہ تماشا دیکھنے کے لئے راستہ میں آجائیں۔ بہرحال اُن کے نزدیک انگریزی حکومت کا دبدبہ اور مسلمانوں اور اُن کے متعلق ملکوں کا ضعف ظاہر ہو

مسلمانوں کی پوری طرح تذلیل ہو۔ مصر میں بھی اس قسم کا معاملہ ہوتا تھا مگر کم جب ایسی صورت ہوتی تھی تو مجھکو حضرت جامی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا شعر یاد آجاتا تھا ؎

مرا ایک کھیل خلقت نے بنایا ۔ تماشے کو بھی تو لیکن نہ آیا

مالٹا کی اسارتگاہ اور اسکی تفصیل

ایک بڑا قلعہ جو قدیم زمانہ میں پہاڑ کھود کر بنایا گیا ہے اور نہایت مستحکم اُسکی دیواریں اور خندقیں وغیرہ ہیں اُس میں علاوہ وسیع میدان کے مختلف عمارتیں بھی پُر تکلف اور آرام دہ بنی ہوئی ہیں۔ یہ قلعہ حقیقت میں فوج اور افسروں کے رہنے کے لئے بنایا گیا تھا اور جنگی ضرورتیں بھی اُسمیں ملحوظ تھیں۔ ہر وقت ایک بڑی مقدار سپاہیوں اور افسروں کی یہاں رہتی تھی ایامِ جنگ میں جبکہ خوفناک اسیروں کیلئے نہایت محفوظ مقام کی ضرورت ہوئی اُسوقت اس قلعہ کو خالی کرالیا گیا۔ اُسمیں کانٹے دار تاروں کے ذریعہ سے چند حصّے کر لئے گئے اور ہر ایک حصّے کیلئے ضروریات مہیا کر دی گئیں۔ نام اور مکان بھی تجویز کر دیئے گئے۔ روگیٹ کمپ سینٹ کلیمت یا جرمن کمپ۔ بلغار کمپ رُوم کمپ سینٹ کلیمت براکس یا عرب کمپ۔ وردالہ براکس۔ وال ڈرسٹہ نیو وردالہ۔ روگیٹ کمپ قلعہ کی خندق میں دروازہ قلعہ پر واقع تھا۔ اسمیں اور عرب کمپ میں مسلمان سولین اور فوجی سپاہی رکھے جاتے تھے۔ مگر سول (ملکی) اور ملٹیری (فوجی) افسروں کے لئے یہ دونوں کمپ نہیں تھے۔ روگیٹ کمپ میں رہنے کیلئے فقط خیمے تھے۔ البتہ مطبخ (باورچیخانہ) غسلخانہ پانی کا نل، وغیرہ ایک پختہ عمارت میں تھا جسپر سیڑھیوں کے ذریعہ سے جانا ہوتا تھا۔ پائخانے ٹین کے اخیر میں بنے ہوئے تھے۔ سینٹ کلیمت یا جرمن کمپ یہ بھی کھلا ہوا میدان تھا اسمیں عموماً خیمے نصب تھے اسمیں جرمنی اسٹرین سول اور فوجی معمولی آدمی رکھے جاتے تھے اگر کوئی افسر خود رغبت سے یہاں آنا چاہتا تھا تو اُسکو بھی جگہ دی جاتی تھی۔ علاوہ جرمن اور اسٹرین کے دوسری قومیں بھی اسمیں تھیں لیکن غالب عنصر انہیں دونوں کا تھا جنمیں جرمنی زیادہ تھے۔ افسر اور بڑے درجہ کے سولین کم تھے۔ بلغار کمپ اور روم کمپ اور جرمن کمپ میں فقط خیموں ہی میں رہنا ہوتا تھا البتہ باورچیخانے پختہ بنے ہوئے تھے۔ پائخانوں پر ٹین پڑا ہوا تھا۔ پانی کا نل لگا ہوا تھا۔ کھانا کھانے کی جگہ بھی پختہ بنی ہوئی تھی۔ سینٹ کلیمت براکس یا عرب کمپ یہ مسلمان سولین اور فوجی معمولی لوگوں کے لئے مخصوص تھا۔ یہ نچائی میں واقع تھا۔ بہت سی سیڑھیاں اُتر کر آنا ہوتا تھا۔ اسمیں سب عمارتیں تھیں

دو چار خیموں کی بھی جگہ تھی - اسکے متعلق سیر کیلئے ایک پہاڑ تھا - جو کہ فضا کی جگہ تھی اسکی عمارتیں اچھی تھیں مگر بلندی میں ہونے کی وجہ سے و نیز دوسرے بڑے درجہ کے کمروں کی طرح آرام کے اسباب مہیا نہ ہونے کی وجہ سے یہاں بڑے افسروں کو نہیں رکھا جاتا تھا - وَرداله براکس یہ دو منزلہ کمپ تھا اسکی عمارت نہایت عمدہ اور پُر تکلف تھی راحت کے سامان مہیا تھے - اسکا بڑا حصّہ جو وسعت میں واقع تھا وہ افسروں اور بڑے بڑے سویلین لوگوں کے واسطے مخصوص تھا - ہر کمرہ میں تین تین چار چار چارپائیاں تھیں اور اُسکا اخیر کا حصّہ معمولی فوجیوں اور سویلین لوگوں کے لئے تھا - اِس کمپ میں کسی خاص قوم اور مذہب کی خصوصیت نہ تھی - وَال فرشٹہ - حدود قلعہ سے باہر مگر متصل تھا - تین طبقہ دار عمارت تھی - اسکے کمرے وَردالہ کے کمروں سے بہت زیادہ آرام کے تھے - ہر کمرہ کے ساتھ باورچیخانہ، غسلخانہ، پانی کا نل، کمرہ کے گرم کرنے کا حمام اور بیرونِ کمرہ مکلّف پائخانہ تھا - یہ بھی افسروں کیلئے مخصوص تھا - نیو وردالہ بھی مکلّف اسی کے مثل تھا مگر اُس میں فقط دو طبقے تھے ؞

کمپوں میں دوکانیں

وَال فرشٹہ - وَردالہ براکس سینٹ کلیمنٹ میں ایک ایک بڑی دوکان تھی جسکو حکم تھا کہ جملہ ضروریات شہر سے لاکر مہیا کیا کرے اور ایک سبزی فروش کی دوکان تھی جو کہ موسمی ترکاریاں اور میوے لانیکا ذمہ دار تھا - یہ دوکانیں اوّل تو جرمن لوگوں نے شراکت سے کھولی تھیں اور شہر کے بعض تاجر اسکے ایجنٹ تھے وہ روزانہ حسب الطلب چیزیں بھیجتے تھے - اِن دوکانوں کے لئے گورنمنٹ نے جو مکان اِن اسیروں کو اندرونِ کمپ دئے تھے اُن کا کرایہ لیتی تھی اور علاوہ نفع کے بھی فیصدی کچھ لیا جاتا تھا - اور اسی طرح سبزی فروش سے بھی کچھ لیا جاتا تھا جو کہ ٹھیکہ لینے والوں پر گورنمنٹ کا قاعدہ ہے اسی وجہ سے چیزیں بہت گراں پڑتی تھیں کیونکہ شہر میں ایجنٹ کو بھی اپنی اپنی محنت اور کرایہ گاڑی وغیرہ وصول کرنا ہوتا تھا - پھر گورنمنٹ کو کرایہ مکان علاوہ اُسکا حق دینا پڑتا تھا - پھر جو دوکان میں کام کرنیوالے تھے اُن کی تنخواہیں دینی پڑتی تھیں پھر جو اہلِ شراکت تھے اُن کو نفع حاصل کرنا ہوتا تھا - پھر اُسمیں یہ بھی تھا کہ یہ ہوا نفع میں سے فیصدی ایک مقدار نکال کر سب اسیروں پر تقسیم کی جاتی تھی کیونکہ بہت سے ایسے اسیر تھے جنکے پاس کوئی آمدنی اُن کے وطن سے نہ تھی اور نہ اُن کے پاس نقد تھا - اُن کو سگریٹ چاء قہوہ وغیرہ کے لئے سخت ضرورت ہوتی تھی اسلئے اُن کی اعانت کرنی ضروری ہوتی تھی - اسلئے بلا تمیز قومیت اور مذہب سب پر برابر وہ حصّہ نفع میں سے تقسیم

کیا جاتا تھا جو کہ فی کس ماہوار وظیفہ پاس سے کچھ اُدھر پڑتا تھا مگر نقد کسی کو نہیں دیا جاتا تھا بلکہ لوگوں کو نقد تبلا دیا جاتا تھا۔ اُس مقدار میں جو چیز چاہیں خرید لیں۔ ایک مدت تک یہی حالت رہی پھر گورنمنٹ کو اسقدر نفع بھی اسیران کا گوارا نہیں ہوا اسنے اُس جرمنی کمپنی کو اعلان دیدیا کہ قنطلین یعنی دکان کو ہم فلاں تاریخ سے اپنے زیر تحویل کر لیں گے چنانچہ اوسر وز سے پھر گورنمنٹ صیغہ تجربہ کی عمارت سے مامور کئے اور جملہ اشیاء موجودہ قنطلین سابق کو خرید کر کے اپنے قبضہ میں کر لیا اور پھر دکانیں گورنمنٹی ہو گئیں۔ البتہ سبزی کی دوکان پر گورنمنٹی قبضہ نہیں ہوا +

آفس — ان کیمپوں کے درمیان میں آفس تھا جسمیں کمانڈر اسیران ایک افسر فوجی جو کہ اکثر اوقات میں کرنیل تھا رہتا تھا اُسکے زیر اثر ایک میجر اور کپتان وغیرہ رہتے تھے جو کہ اسیران کے معاملات کی نگرانی اور خبر گیری کرتے تھے۔ چونکہ یہ سب اسیرانِ جنگ تھے اسلئے ان کی جملہ ضروریات فوجی محکمہ کے متعلق تھیں اس آفس میں مختلف صیغے کاتبوں منشی وغیرہ کے بھی تھے۔ روزانہ ایک افسر سینٹ کلیمت میں دورانیہ والہ میں چند گھنٹہ کے لئے جا کر بیٹھتا اور اسیران کی ضروریات اور شکایتوں پر نظر کرتا تھا۔ اور پھر اُسکے متعلق کیمپوں میں گشت بھی لگاتا تھا۔ اگر کسی کو اس سے یا بڑے افسر سے کچھ کہنا ہو تو پہلے ایک درخواست پیش کرنا ہوتا تھا کہ مجھکو آپ سے کچھ کہنا ہے۔ اگلے دن وہ بلایا جاتا تھا اور اُسکی ضروریات کے متعلق مناسب انتظام کیا جاتا تھا +

شفاخانہ — اس جملہ اسارت گاہ کے متعلق دو شفاخانے بھی تھے ایک معمولی شفاخانہ جو بڑے کیمپ یعنے سینٹ کلیمت میں واقع تھا جسمیں روزانہ صبح کو ڈاکٹر آکر بیٹھتا تھا اور بیماروں کو آکر دیکھتا تھا۔ معمولی بیماروں کو دوا دیدیتا تھا اور اگر مرض شدید ہوا یا بیمار کیلئے زیادہ احتیاط وغیرہ کی ضرورت سمجھی گئی تو جنرل ملٹری شفاخانہ میں بھیجدیتا تھا جو کہ وہاں سے قریب ہی تھا۔ معمولی چال میں دس منٹ میں آدمی وہاں پہنچ جاتا تھا۔ اس میں مختلف بڑی اور چھوٹی عمارتیں بنی ہوئی تھیں۔ فوجی افسروں کے لئے تو دو منزلہ بڑا مکان تھا۔ جسکے اوپر کے کمرے ان کے لئے مخصوص تھے۔ اُن میں تمام ضروریات اور راحت کے سامان حسب قاعدہ طبی یورپین طریقہ پر موجود رہتی تھیں اور معمولی لوگوں کے لئے نیچے بہت بڑی بارکیں بنی ہوئی تھیں اسمیں معمولی اور فوجی سپاہی برابر رکھے جاتے تھے تقریباً چالیس آدمیوں کی چارپائیاں

اسمیں بیچھ سکتی تھیں کمپوڈری اور دیگر خدمات اِن دونوں جگہوں میں اور دیں میں نوبت بہ نوبت انجام دیتی تھیں۔ بالائی اور زائد کاروبار اور صفائی کیلئے دوسرے مرد اور عورتیں نوکر تھیں۔ مریضوں کی خبر گیری اور اُن کی خدمت میں انسانیت اور ہمدردی سے کام لیا جاتا تھا۔

مریضوں سے ملنے کا قاعدہ

مریض کے ہسپتال میں جانیکے پندرہ دن بعد مریض کی خواہش پر جن جن صاحب سے وہ ملنا چاہے وہ جمعہ یا بار کو اُن کا نام لکھوادے اُن لوگوں کو بذریعہ آفس اطلاع دیجاتی تھی اور دوشنبہ کے دن ۲ بجے اُن لوگوں کو جنرل ہسپتال میں لیجاتے تھے محافظ فوجی ساتھ ساتھ ہوتے تھے آدھا گھنٹہ مریضوں کے پاس بیٹھکر رخصت ہوجاتے تھے بس اسی طرح ہر آٹھ دن میں ایک دفعہ دوشنبہ کے دن ملاقات ہوسکتی تھی۔ یہ عام قانون تھا البتہ اگر کوئی خاص ضرورت ہو یا کسی کی کوئی رعایت ہو تو وہ علیحدہ بات تھی۔ مریضوں کو خطوط بھیجنے یا ضروری اشیاء کے کمپ سے منگانے کا بھی طریقہ بذریعہ افسران ہسپتال و آفس تھا۔ ہسپتال میں بھی ایک ٹھیکہ دار کی دوکان تھی جہاں پر عموماً ضروریات کی چیزیں جنکی ڈاکٹر کی طرف سے ممانعت نہو مریض خرید سکتا تھا۔ ہسپتال کے دروازہ اور اطراف پر پہرہ فوجی رہتا تھا۔ مگر بہت سے لوگ مصنوعی صورت مریضانہ بناکر وہاں رہنا پسند کرتے تھے کیونکہ خوراک کا انتظام وہاں اچھا تھا۔ اس ہسپتال میں ایک قطعہ پاگل خانہ کا بھی تھا چونکہ اسیروں کے تخیلات اور اوہام اُن کے دماغ پر بہت زیادہ اثر ڈالتے ہیں (اس جنگِ عمومی کے زمانہ میں یہ حالت زیادہ پیدا ہوگئی تھی) اسلئے عموماً دماغی حالت ہر ایک شخص کی جادۂ استقامت پر نہیں رہ سکتی۔ پھر فوجیوں کو اپنے افکار نیز اپنی سلطنت اپنی قوم اور مُلک کے مستقبل کی بیچینی بحالت مغلوبیت بہت ستاتی ہے تاجروں کو اُن کے تمام تجارتی مال کا مصادرہ ہوجانا جسقدر اُن کے دل و دماغ کو ناکارہ کردے کم نہیں ادھر ہر امیر کو اپنی مدت اسارت معلوم نہیں۔ اسرائے جنگ قانوناً خواہ وہ ملیٹری ہوں یا سویلین فقط مبادلہ پر نجات پاسکتے ہیں یا صلح پر اور یہ دونوں حالتیں غیر معین وقت کی خواہاں ہیں۔

الحاصل مذکورہ بالا وجوہ اور دیگر وجوہ شخصیت وغیرہ سے دماغ پر بہت بڑا اثر پڑتا ہے۔ اس لئے ضعیف دماغ والا آدمی بسا اوقات مجنون ہوجاتا ہے بمتعدد آدمیوں نے اس مدت اسارت میں اپنے آپکو پھانسی دیدی بعض نے اپنے آپ کو زخمی کرلیا اور پاگل تو بہت سے ہوگئے تھے۔ اسلئے پاگل خانہ کا بھی اسارتگاہ کیلئے

دروازے کا محافظ بغیر اسکے دروازہ نہیں کھول سکتا تھا افسر اور نہایت معزز سویلین آدمیوں کی گنتی اُن کے جائے قیام پر ہوتی تھی اُن کو ضروری ہوتا تھا کہ وہ اپنے اپنے مقام پر گنتی کی سیٹی کے بعد موجود ہو جائیں اور جب تک اس سے فراغت نہ ہو اپنی جگہ سے نہ ہلیں۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی بھی گنتی اُن کے قیامگاہ میں ہوتی تھی۔ بڑے کیمپوں میں چونکہ تمام افراد کو دوسرے کیمپ کے لئے اجازت نہ ہوتی تھی بلکہ ایک خاص عدد مقرر تھا اسلئے ان ہی اُن کو ضروری ہوتا تھا کہ اپنے ناموں کو اُس کاغذ پر جو کہ کیمپ کے صدر کمیٹی کے پاس ہوتا تھا یا اُسکے انتظام سے روزانہ کہیں چسپاں کر دیا جاتا تھا لکھدیں۔ وہ بوقت اجازت روانگی سب کے نام پکار پکار کر دروازہ پر پڑھتا تھا اور اُن کو کیمپ مقصود میں پہنچواتا تھا۔

ڈاک کا انتظام ہفتہ میں دو دن یعنی دوشنبہ اور جمعرات کو ہر ایک شخص کو ایک ایک کھلا لفافہ دیا جاتا تھا جو کہ طول میں تقریباً تین پوسٹ کارڈوں کے عرض کے مجموعہ کے برابر ہوتا تھا۔ اس طویل ورق پر ایک خاص قسم کا سپید مصالحہ چڑھا ہوا ہوتا تھا جسکی وجہ سے کوئی خفیہ کتابت اسپر نہیں ہو سکتی تھی اس میں سطریں سیاہ پڑی ہوتی تھیں اُسپر لکھنا ہوتا تھا دوشنبہ اور جمعرات کو گننے والے سپاہیوں کو یا صدر کمیٹی کو لکھے ہوئے لفافے دیدئے جاتے تھے اور سادے لفافے ملجاتے تھے اگر کوئی پوسٹ کارڈ بھیجنا چاہتا تھا تو اُسکو خود خریدنے ہوتے تھے جو کہ عموماً بکتے تھے تین کارڈ ایک ڈاک میں ایک شخص بھیج سکتا تھا۔ ڈاکخانہ کی اُجرت اِن لفافوں اور کارڈوں پر نہ تھی بلکہ بلا ٹکٹ جاتے تھے۔ اوّلاً یہ جملہ لفافے اور کارڈ سنسر کے آفس میں جاتے تھے جسمیں مختلف زبانوں کے جاننے والے لوگ موجود رہتے تھے۔ وہ اِن خطوط کو پڑھا کرتے تھے۔ اگر کوئی بات خلافِ سیاست پاتے تھے تو یا تو اُسکو کاٹ ڈالتے تھے یا خط ہی کو پھاڑ ڈالتے تھے مگر چونکہ وہاں اُردو کا واقف کوئی سنسر نہ تھا اسلئے ہمارے خطوط مصر یا بمبی میں سنسر ہوتے تھے۔ جو دول متحاربہ تھیں اُن کے خطوط کیلئے مشترک مرکز سویزرلینڈ میں تھا جہاں خطوط دوسری مرتبہ سنسر ہوتے تھے اور پھر آپسمیں مبادلہ ہوتا تھا۔ وہاں پر ہر محارب حکومت کے نمایندے اور افسر موجود رہتے تھے۔ اسراء کے جو خطوط آتے تھے اُن کے لئے کوئی مقدار معین نہ تھی وہ بھی کھلے ہوئے آتے تھے اُن کا بھی سنسر وہاں ہوتا تھا اگرچہ وہ پہلے بھی دو تین دفعہ مختلف مقامات پر سنسر ہو چکے ہوتے تھے اسکے بعد اُس ڈاکخانہ میں یہ خطوط بھیجدئے جاتے تھے جسکو خود اہل کیمپ نے قائم کر رکھا تھا۔ ہر بڑے کیمپ میں جیسا کہ انتظام صدر کمیٹی کا

(مطبوعہ ستارہ برقی پریس امرتسر)

تھا ایسے ہی اہل کمپ کی طرف سے ڈاکخانہ کا انتظام تھا اہل کمپ اپنے میں سے ایک یا زیادہ آدمیوں کو ماہوار انتخاب کرتے تھے جو کہ نوبت بنوبت اِس کام کو انجام دیتا تھا - جتنے خطوط اُنکے پاس آفس سے آتے تھے اُن کو وہ تقسیم کرتا تھا اسطرح پر کہ اصحاب خطوط کے نام لکھکر ایک پرچہ پر اشتہار کی اُس جگہ پر جہاں خاص ڈاکخانہ کے اشتہار لگائے جاتے تھے - مخصوص تختی پر چسپاں کر دیا کرتا تھا - وقت معین پر جن صاحبوں کے نام ہوتے تھے اپنے اپنے خطوط لے آتے تھے - چھوٹے کمپوں کے خطوط کو گنتی کرنے والے سپاہی کے ذریعہ سے وہاں بھجوادیتے تھے - یا آفس والے مستقل طور پر وہاں بھیجدیتے تھے - ہر خط پر ہر اسیر کو اپنے نمبر لکھنے ضروری ہوتے تھے اُس نمبر اور کمپ کے نام کے ذریعہ سے وہ پہچانا جا سکتا تھا - چونکہ ہندوستان سے ہمارے ہی خطوط آتے تھے لہذا اہل آفس اُن سبھونکو ہمارے پاس بھیجدیا کرتے تھے ؛

اسرا کی تعداد اور نمبر

مجموعہ اسرا کا تقریباً تین ہزار تھا جنمیں اکثر جرمنی تھے یعنی تقریباً نصف حصہ جرمن تھے جو کہ عموماً سویلین تھے اور مصر سوڈان وغیرہ سے پکڑے گئے تھے اور باقی فوجی تھے جو مختلف افریقہ کے میدانوں وغیرہ سے ہاتھ آئے تھے انہیں میں ایڈن جہاز کے لوگ بھی تھے اور باقی ماندہ آسٹرین بلغاری ترکی مصری شامی وغیرہ تھے - عموماً جو لوگ مشرقی محاذ سے پکڑے جاتے تھے وہ قبرس اسکندریہ مصر وغیرہ اور جو لوگ عراق (ماسوپوٹامیا) سے پکڑے جاتے تھے وہ برہما ہندوستان کے مختلف مقامات میں بھیجے جاتے تھے - مگر اِن لوگوں میں جنکو زیادہ خطرناک شمار کیا جاتا تھا اُن کو مالٹا میں بھیجا گیا تھا - چناق قلعہ (درہ دانیال) سے بھی لوگ یہاں پر لائے گئے تھے - اِن کو جب داخل کیا جاتا تھا تو اُن کو نمبر بتلادیا جاتا تھا اور ایک کاغذ اُن کے نمبر کا دیدیا جاتا تھا تاکہ بوقت ضرورت تمیز ہو سکے چنانچہ ہمارے ساتھ بھی یہی کیا گیا - اور ہمارے نمبر حسب ذیل تھے - مولوی عزیر گل صاحب ۲۲۱۵ حکیم نصرت حسین صاحب ۲۲۱۶ حسین احمد ۲۲۱۷ وحید احمد ۲۲۱۸ - حضرت مولانا مرحوم ۲۲۱۹ ؛

اسرا کی تفریح

اِن جملہ اسرا کو خواہ وہ سویلین ہوں یا فوجی افسر ہوں یا سپاہی اسارتگاہ سے باہر جانیکی کسی وقت میں اجازت نہ تھی البتہ جیسا کہ میں پہلے ذکر کر چکا ہوں آپس میں دو گھنٹہ کی مقدار دس بجے سے بارہ بجے تک مل سکتے تھے - ہاں بعض لوگوں کو خاص طور سے دوسرے وقت بھی اجازت دو بجے سے چار بجے تک دیجاتی تھی جسکو کوئی تحریر آفس سے دیدیجاتی تھی - یا اُس کمپ کے سارجنٹ سے کہدیا جاتا تھا

کہ ہفتہ میں دو دن یا چار دن یا پورے ہفتہ بھر اسکو دو بجے سے چار بجے تک فلاں کیمپ میں لیجایا کرو چنانچہ ہم لوگوں کو بھی اخیر میں ہفتہ میں تین دن کی اجازت اس طرح پر مل گئی تھی۔ علاوہ اسکے تفریح کیلئے بھی روز ایک مقدار اسیروں کی جایا کرتی تھی جسکی حیثیت سے ہفتہ میں ایک مرتبہ نوبت آتی تھی۔ جوانین اور سپاہیوں کو سنگینوں کی قطار کے بیچ میں چلنے کا حکم تھا یعنی دونوں طرف حفاظت کے لئے سپاہی کھلی ہوئی سنگین و بندوق لئے ہوئے چلتے تھے اور بیچ میں نہتے اسیر لوگ اسی طرح ان کو تین چار میل کی مسافت تک لیجاتے اور پھر واپس لاتے تھے کہیں کہیں دس پندرہ منٹ راحت کیلئے دیتے تھے مگر عموماً شہر میں نہیں لیجاتے تھے بلکہ بیرون شہر جنگل کی طرف۔ جاڑوں کے دنوں میں دو بجے دن سے چار ساڑھے چار بجے دن تک اور گرمیوں میں پانچ ساڑھے پانچ بجے صبح سے آٹھ بجے تک یہ تفریح ہوتی تھی۔ مگر گرمیوں میں سمندر پر لیجاتے تھے اور وہاں پر دریا میں جن لوگوں کو شوق ہوتا تھا نہاتے تھے تقریباً پندرہ منٹ یا بیس منٹ وہاں ٹھہرتے تھے اور پھر واپس ہو جاتے تھے۔ جن لوگوں کو دریا میں تیرنے یا نہانے کا شوق نہیں ہوتا تھا وہ کنارے پر بیٹھے رہتے تھے۔ سپاہی چاروں طرف حفاظت کیلئے کھڑے رہتے تھے۔ دریا میں بھی حد مقرر ہوتی تھی جسپر چھوٹی چھوٹی کشتیاں تھوڑی تھوڑی دور میں کھڑی رہتی تھیں اور ان میں سپاہی مع آلاتِ جنگ موجود رہتے تھے۔ افسروں کے ساتھ عام سپاہی نہیں جاتے تھے اور نہ اس طرح قطار کے اندر وہ جاتے تھے۔ بلکہ ان کے ساتھ سارجنٹ یا کپتان وغیرہ ریوالور لئے ہوئے ساتھ رہتا تھا۔ ان کیلئے گھوڑے گاڑیاں لائی جاتی تھیں جنکا کرایہ خود اسیر افسروں کو اپنی تنخواہ میں سے دینا ہوتا تھا اور اگر کوئی افسر اپنے پیروں چلنا چاہتا تھا تو اسکو کوئی روک ٹوک نہ ہوتی تھی اسکے ساتھ وہی سارجنٹ یا کپتان ریوالور لئے ہوئے جاتا تھا۔ عام اسرا اگر ضعیف العمر یا کمزور ہوں تو ان کیلئے بھی سواری منگادی جاتی تھی بشرطیکہ کرایہ وہ اپنے پاس سے ادا کریں۔ اسلئے چند ضعیف العمر ایک گاڑی منگا لیتے تھے وہ گاڑی اسی قطار فوج میں ساتھ ساتھ چلتی تھی۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ بہت زیادہ اسرار پر فقط ایک مرتبہ اس تفریح میں تشریف لیگئے تھے۔ عموماً مولوی عزیز گل صاحب اور وحید جایا کرتے تھے اور کبھی کبھی مولوی حکیم نصرت حسین صاحب بھی ؛

اسرا کیلئے اخبار اور تار اسرار کیلئے اخباروں میں سے فقط ٹائمز (لندن) اور ماتان (پیرس) اور اٹالیہ کے ایک

اخبار کی اجازت تھی اور مصر کے اخباروں میں سے الاہرام اور المقطم کی اجازت تھی دوسرے اخبار نہیں آسکتے تھے رایٹر کا تار بھی روزانہ آتا تھا۔ جن لوگوں کو اس تار کی یا کسی خبار کی ان میں سے ضرورت ہوتی تھی وہ آفس میں عرضی دیتے تھے۔ آفسر اُن کی انجمنیوں سے گفتگو کرکے مقرر کرا دیتا تھا اور قیمت ماہوار وصول کر لیتا تھا۔ اِن اخباروں اور تاروں میں جو جو خبریں ہوتی تھیں وہ اُسیوقت مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو جاتی تھیں۔ ہر ہر قوم نے اسکا ایک خاص آسمیں انتظام کر رکھا تھا چند آدمی منتخب تھے جو کہ ترجمہ کرکے ایک خاص تختہ پر سینٹ کلیمنٹ کمپ اور دروازہ بر اکس میں چسپاں کر دیتے تھے اہل مصر نے بھی اسکا انتظام کر رکھا تھا۔ وہ عربی میں اور ترک ترکی میں ترجمہ کرتے تھے۔ بسا اوقات ترکی افسر دونو کے منتظم ہوتے تھے۔ جرمن اور آسٹرین لوگ اپنی اپنی زبانوں میں ترجمہ کرکے لگاتے تھے ؛

ہلال احمر اور صلیب احمر کی ہمدردی

جو اسرا عیسائی مذہب کے تھے اُن کی ضروریات کیلئے صلیب احمر سے خاص خبر گیری ہوتی تھی اُن کیلئے کتابیں پارسل کپڑے ماہوار نقد وغیرہ اُن کے مُلکوں سے برابر آتے تھے جو کہ اُن میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ استنبول سے بھی مسلمان اسرا کیلئے ہلال احمر نے بارہا اشرفیاں اور کتابیں وغیرہ بھیجیں جسکے ذریعہ سے عام طور پر مسلمانوں کی خوراک، تعلیم اور دیگر ضروریات وغیرہ کی خبرگیری کیگئی اور اخیر تک جاری رہی اور بوقت واپسی اوطان اُنکو تھوڑی تھوڑی مقدار نقد کی بھی دی گئی۔ اس تقسیم میں ترکی افسر کسی ملک کی خصوصیت نکرتے تھے بلکہ مسلمان خواہ کہیں کا ہو اور عثمانی رعیت خواہ کسی مذہب کی ہو سب کو علیٰ حسب المرتبہ والحاجت دیتے تھے ہمکو بھی دینا چاہا مگر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ اور ہم سبھوں نے کہا کہ ہم اگر اتنی طاقت نہیں رکھتے کہ ایسے وقت میں دولت علیہ اور خلافت سنیہ کی کو مدد دے سکیں تو کیا ہمکو کسی طرح مناسب ہے، کہ ہم اس نقد کو لیں اور پھر بفضلہ تعالیٰ ہمارے پاس ضرورت کے موافق گورنمنٹ سے نقد بھی ملتا ہے اور کچھ ہمارے پاس بھی ہے بلکہ جب تک یہ مقدار ہلال احمر سے استنبول سے نہ آئی تھی اور کرنیل اشرف بیگ نے چندہ سے اسکا انتظام کیا تھا تو حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نصف پونڈ ماہوار اُس چندہ میں برابر دیتے رہے مگر جب وہ مقدار نقد کی ہلال احمر سے آگئی تو کرنیل موصوف نے مولانا مرحوم سے درخواست کی کہ اب ہم چندہ سے مستغنی ہو گئے اب آپ بند کر دیں۔ استنبول میں خطوط کا بھی انتظام ہلال احمر کا آفس اچھا رکھتا تھا اور اپنی تمام انجمنوں کے ذریعہ سے جو تمام

عثمانی ممالک میں موجود تھیں اسکا پورا انتظام قائم کراتا تھا۔

کیمپوں پر اپنے اپنے لکڑی کے مکانات

کیمپوں میں خیمے تو سرکاری تھے مگر ہر خیمہ میں تین آدمی یا کم از کم دو آدمی ضرور رہتے تھے اور گورنمنٹ کو اختیار رہتا تھا کہ اگر اسکو ضرورت ہو تو تیسرا آدمی اسمیں رکھے اسلئے ایسے مستقل طور سے رہنے کی غرض سے اُفتادہ جگہ میں کیمپ ہی کے اندر بعضے بعض اسرا لکڑی کے گھر بنا لیتے تھے۔ چیڑ کی لکڑی کے صندوق یا تختے شہر سے منگا کر اُن کو بطور ستونوں کے بنا کر اُسپر ٹاٹ جڑتے تھے اور ٹاٹ پر چونا پھیر کر ایک خوبصورت کمرہ ہو جاتا تھا جرمنی اور آسٹرین ترکی وغیرہ سفرمینا کے سپاہی یا سویلین کاریگر ایسے موجود تھے جو عمدہ سے عمدہ کام لکڑی اور لوہے اور تعمیر وغیرہ کا جانتے تھے وہ لوگ نہایت پاکیزہ اور صاف عمارت کھڑی کر دیتے تھے جسمیں آدمی نہایت آرام سے بسر کر سکتا تھا اور گورنمنٹ کی طرف سے اُسپر کوئی زور دوسرے شخص کے داخل کرنے کا بھی نہ ہو سکتا تھا جن کیمپوں میں پتھر مٹی میسر ہو سکتی تھی وہاں پر لوگوں نے ایسی عمارت مٹی یا پتھر سے بنالی تھی۔ بعض لوگوں نے یہی پیشہ کر لیا تھا۔ اپنے ہاتھوں ایسی مختصر سی عمارت بنائی اور اُسکو بیچدیا۔ وَرد الہ کے بیرونی حصہ میں جسمیں دن بھر پھرنے اور بیٹھنے کی اجازت اور رات کو دروازہ بند ہو جانے کی وجہ سے وہاں کوئی نہیں رہ سکتا تھا بہت سے لوگوں نے دن کو تفریح اور بیٹھنے کی غرض سے ایسے ایسے مختصر کمرے بنا لئے تھے اور مختلف قسم کے پھول اور بیلیں اور درخت لگا کر ایک عمدہ چمنستان تیار کر لیا تھا جو کہ حقیقۃً ایک سیر کی جگہ ہو گئی تھی +

اسرا کے علمی اشغال

چونکہ اس عظیم مجمع میں ہر قسم اور ہر لیاقت اور مختلف زبانوں کے لوگ جمع تھے اور کوئی کام اور خدمت کسی کے ذمہ نہ تھی اسلئے ترقی پسند لوگوں کو اسکی فکر لازم تھی کہ وہ اپنی عمر کا یہ حصہ ضائع نہ کریں اسلئے عموماً لوگوں نے اپنے اوقات کو علوم کی تحصیل اور زبانوں کے سیکھنے میں صرف کیا۔ اس مجمع میں بڑے بڑے پروفیسر مختلف زبانوں اور فنون کے موجود تھے۔ کتابیں ہر زبان کی یا تو وہیں ملجاتی تھیں یا طلب پر مصر یا انگلینڈ جرمن اٹالیا فرانس وغیرہ سے آسکتی تھیں۔ اسلئے یہ اسارتگاہ ایک حیثیت سے ایک اچھا خاصا دار العلوم (یونیورسٹی) بنگیا تھا۔ خصوصاً زبانوں کے لئے۔ ہم نے بہت کم ایسے آدمی دیکھے جنہوں نے علمی مذاق رکھتے ہوئے کم از کم ایک دو زبان نہ سیکھ لی ہو۔ سیاسی مواد اور اقوام کے تاریخی حالات اور خصوصاً ازمنہ حاضرہ کی سیاست کیلئے تو گویا یہ مقام ایک

خالص کالج تھا۔ پھر جسقدر یہاں آزادی تھی دوسری جگہ کہاں۔ نہ سی آئی ڈی کا خوف ہے نہ کسی گورنمنٹ کی ناراضی کا خیال ہے۔ نہ کوئی مخالف طبع شخص وقت ملدر کرنیوالا ہے بلکہ سب کے سب ایک خیال اور ایک درد اور ایک ہی دُکھ والے تھے *

اسارکی باہم همدردی

سب کے سب اتحادیوں اور خصوصاً برٹش گورنمنٹ اور انگلش قوم کے دشمن تھے علانیہ انگریزوں کو برا کہتے تھے۔ اگر انگریزوں کی شکست اور ان پر یا ان کے حلفاء پر کسی مصیبت کی خبر آتی تھی تو خوشیاں مناتے تھے جھنڈے اڑاتے تھے شور و شغب مچاتے تھے۔ اور اگر خدانخواستہ جرمن، ٹرکی، اسٹریا، بلغار کسی کی کوئی بری خبر آجاتی تھی تو سب کے سب غمگین نظر آتے تھے اگرچہ اس تین ہزار کی جماعت میں کوئی مسلمان تھا کوئی عیسائی کوئی یہودی تھا کوئی کیتھولک کوئی کالا تھا کوئی گورا کوئی مشرقی تھا کوئی مغربی، کوئی سویلین تھا کوئی فوجی، کوئی ایشیائی تھا کوئی افریقی کوئی یوروپین تھا کوئی ٹرکی، مگر مصیبت نے سب میں ایسا رشتہ اتحاد جوڑ دیا تھا کہ ہر ایک دوسرے پر جان نثار اور فدا نظر آتا تھا اور حقیقت میں دل سے عموماً ایک دوسرے کی خیر خواہی کا دم بھرتا تھا۔ وہاں پر ایک عجیب منظر دکھائی دیتا تھا، گویا کہ تفرق مذاہب و اقوام و اوطان عالم انسانیت سے بالکل اُٹھ گیا ہے انسانیت کے رشتہ اتحاد نے ایک کو دوسرے سے ایسا جکڑ بند کر دیا ہے کہ گویا ہر ایک دوسرے کا حقیقی بھائی اور رشتہ دار ہے۔ اگر ایک شخص کو تکلیف پہنچتی تھی تو سب اُسکے ازالہ کی فکر میں متوجہ ہوتے تھے۔ عموماً ہر ایک کو دوسرے کا خیال رہتا تھا۔ سب کے سب انگریزی افسروں اور فوجیوں کو نہایت غصہ اور غضب کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ہر اسیر کو نہایت عظمت اور وقعت کی آنکھ سے دیکھتے ہوئے حسب مراتب معاملہ کرتے تھے۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ سے عموماً ہر قوم کے ذی علم اور مقتدر لوگوں کو بہت زیادہ ہمدردی تھی اور بہت زیادہ تعظیم سے پیش آتے تھے۔ عید کے ایام میں مسلمانوں کے علاوہ جرمنی اسٹرین وغیرہ کے مقتدر اور ذی وجاہت لوگ ملنے اور مبارکبادی دینے کے لئے آتے اور گلدستہ وغیرہ پیش کرتے تھے۔ پرنس جرمنی جو کہ غالباً قیصر جرمن کا بھتیجا تھا اور آمڈن جہاز میں بحری فوجی کپتان کے عہدہ پر تھا اور جملہ جرمنی اسرا میں باعتبار مرتبہ کے یعنی شاہی خاندان ہونے کے بہت بڑی عظمت رکھتا تھا۔ وہ ہمیشہ عید کو مولانا مرحوم کے پاس آتا تھا۔ چند منٹ بیٹھتا اور چائے نوش کر کے چلا جاتا تھا۔ مولانا بھی دو چار دفعہ

اُسکے بعد اُسکے یہاں نہایت مختصر طور پر تشریف لیگئے۔ جب کبھی راستہ میں مولانا اُسکو نظر پڑجاتے تھے تو دور سے ٹوپی اُتارتا اور سر جھکا کر سلام کرتا تھا۔ مولانا مرحوم کی صداقت اُن کی حقانیت اُنکی للّٰہیت تقدس و طہارت نے فقط احباب ہی کے دل پر سکہ نہ جمایا تھا بلکہ مخالف بھی اُن کی وقعت دل میں بہت زیادہ رکھتا تھا اور معاملہ عظمت ہی کا برتتا تھا۔ بڑے بڑے فوجی افسروں، جرنیل اور کرنیل میجر باوجود انگریز ہونے اور یہ بات کے سمجھنے کے کہ مولانا ہمارے سیاسی امور میں مخالف ہیں، ہماری موجودہ حکومت کو ہند میں نہیں چاہتے وہ ہندوستان کی آزادی کے خواہاں اور اسلام اور مسلمانوں کی خلافت کے دوست ہیں۔ جب مولانا کو دیکھ لیتے تھے تو نہایت تعظیم سے پیش آتے تھے ٹوپی اُتار لیتے تھے اور بعض بعض تو بہت زیادہ جھک جاتے تھے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ سچائی اور للّٰہیت ایک ایسی چیز ہے کہ ضرور بالضرور اپنا اثر پیدا کر دیتی ہے۔ موافق اور مخالف دونوں وقعت کی نظر سے دیکھتے اور دل میں مانتے ہیں۔ اور خودغرضی نفس پرستی، خیانت مذہبی قومی، ایسی قبیح چیز ہے کہ مخالف تو درکنار موافق بلکہ عزیز قریب بھی نہایت تحقیر کی نظر سے دیکھتے ہیں مَن کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ۔

عام اسرا کی تجارت

عام اسرا میں سے بعض لوگ تجارت کرتے تھے جنمیں سے بہت سے لوگوں نے قہوہ خانے کھول رکھے تھے اور اسکے ذریعہ سے انہوں نے اچھی مقدار جمع کر لی تھی۔ بعض لوگ مختلف چیزیں اسرا کی خرید کر دوسرے اغنیاء کے ہاتھ فروخت کرتے تھے اور اس طریقہ سے بعض چیزیں مالٹہ سے منگا کر خرید و فروخت کا سلسلہ جاری رکھتے تھے۔ بعض اہل صناعت منگا کر بنا بنا کر فروخت کرتے غرضکہ طرح طرح کے مشاغل لوگوں نے جاری کر رکھے تھے جسکی بنا پر بہت سے لوگ مالدار ہو کر نکلے۔

اسرا کی صنعت

عموماً بہت سے لوگ کپڑے دھو دھو کر ایک اچھی خاص مقدار جمع کر لیتے تھے کیونکہ کپڑوں کے باہر جانیکا کوئی انتظام نہ تھا گورنمنٹ سے صابون ملتا تھا۔ اس لئے بہت سے لوگ اسی پیشہ کو کرتے تھے۔ بہت سے جنکو کھانا پکانا آتا تھا اچھی اچھی تنخواہ و نیز باورچیخانوں میں نوکری کرتے تھے۔ بہت سے لوگ افسروں کی خدمت کی نوکری کرتے تھے بہت سے لوگ مختلف مصنوعات بنا کر روپیہ کماتے تھے۔

چھوٹے کمپ مختلف وجوہ سے بڑے کمپوں کے تابع شمار کئے جاتے تھے روگیٹ کمپ وردالہ کے تابع تھا

عرب کمپ، روم کمپ، بلغار کمپ، سینٹ کلیمنٹ کے تابع تھا۔ ڈال فرسٹہ مستقل تھا۔ تابع کی نگرداشت اُسکے مرکز سے پوری کیجاتی تھیں۔ وہیں کا حاکم اُن کے امور کا متکفّل ہوتا تھا۔ اور دورہ کرنیکو بھی وہی جاتا تھا ؛

اسرا کے مقدمات

عموماً اسرا میں باوجود قید اور کثرت افکار و مصائب آپسمیں لڑائی جھگڑے بہت کم ہوتے تھے کیونکہ حسب غرض سابق آپسمیں بہت زیادہ ہمدردی تھی اور اگر کبھی کچھ ہوتا تھا تو عموماً اُس قوم کے ذی رائے اور مقتدر لوگ انگریزوں اور حکّام تک جانے نہیں دیتے تھے اور اپنی بڑی ہتک سمجھتے تھے کہ دشمن کے سامنے اپنے جھگڑوں کو لیجائیں مگر اسیر جنگ بھی کبھی کبھی ایسے وقائع ضرور پیش آئے ہیں کہ جنہیں انگریزی حکّام تک آپس کے جھگڑے پہنچے ہیں۔ بسا اوقات اسیروں کے جھگڑے انگریزی محافظ فوجیوں کیلیروں اور سارجنٹوں سے پیش آئے ہیں۔ غرضکہ ہر دو قسم کے جھگڑے آفس میں پیش ہوتے تھے۔ اگر کوئی چھوٹا معاملہ ہوتا تھا تو خود کمانڈر یا اُسکا نائب فیصل کر دیتا تھا اور مجرم کو سزائے قید محض یا قید با مشقت دیتا تھا ؛

قیدخانہ اسارت گاہ

وردالہ میں چند کوٹھڑیاں بنی ہوئی تھیں جنمیں تقریباً دو چار پائیاں پڑ سکتی تھیں۔ اُن میں قید کر دیا کرتے تھے اور دروازہ بند کر دیتے تھے چارپائی سونے کے لئے نہیں ملتی تھی فقط کمبل ملتا تھا اور رات کو قضائے حاجت بھی وہاں ہی بالٹی میں کرنا ہوتا تھا دن کو البتہ بوقت ضرورت وردالہ کے پاخانہ میں لیجاتے تھے سپاہی ساتھ جاتا تھا دن کو علی الصباح دروازہ کھول کر قیدی سے وردالہ کی صفائی اور جھاڑو وغیرہ دینے کی یا دوسری خدمت لیجاتی تھی کھانا اُسکے کمپ سے معہ چاء وغیرہ کے دونوں وقت کیلیر لیجاتا تھا۔ جسکو اُسکے احباب بھیجتے تھے یا جس باورچیخانہ میں اُسکا کھانا پکتا تھا وہاں لیجاتا تھا۔ یہ حالت اُن مجرموں کی ہوتی تھی جنکی قید چودہ پندرہ دن کی ہوتی تھی اور جنپر حکم زیادہ کا ہوتا تھا اُن کو شہر کے فوجی جیلخانہ میں لیجاتے تھے اور فوجی معاملات اُن سے کرتے تھے فقط سول آدمیوں سے مشقت نہیں کراتے تھے۔

اور اگر مقدمہ کوئی بڑا ہوا تو اُسکے لئے کورٹ مارشل ہوتا تھا جسمیں وکلا اور فوجی حکّام کا مجمع ہوتا تھا اور پھر مقدمہ فیصل کیا جاتا تھا ؛

مولانا کا کمپ اسپارٹ مین داخلہ

مولانا مرحوم بندرگاہ سے سالٹر کے ساتھ ایکے پر سوار ہو کر آگے آگے چلے آئے تھے اور ہم لوگ پیدل سپاہیوں کے ساتھ آئے۔ روگیٹ کمپ میں پہلے سے ہماری آنے کی اُسیدن سے خبر ہوگئی تھی جسدن ہمارا آگبوٹ اسکندریہ سے روانہ ہوا تھا وہاں پر بذریعہ تار آفس مالٹا کو اطلاع دیگئی تھی آفس نے روگیٹ کمپ میں انتظام کیا اور خبر بھی دیدی کہ پانچ ہندوستانی آرہے ہیں۔ الغرض دو خیمے وہاں ہمارے لئے نصب کئے گئے تھے اور لکڑی کے تختہ کی پانچ چارپائیاں اُن کے گدّے کمبل وغیرہ جملہ ضروریات مہیا تھیں۔ چونکہ اُس کمپ میں پہلے سے دو ہندوستانی ایک ڈاکٹر غلام محمد پنجابی دم پوری اور دوسرے مسٹر سید ار بنگالی ساکن چندر نگر وہاں موجود تھے مسٹر سید ار برہمن تھا فرنسیسی زبان عمدہ جانتا تھا انگریزی اور جرمنی بھی جانتا تھا مگر اُردو بالکل نہیں جانتا تھا سنسکرت سے بھی خوب واقف تھا وہ بم بازی کی تہمت میں گرفتار کیا گیا مگر باوجود یکہ اُسپر کوئی ثبوت واقعی نہیں پہونچ سکا تھا۔ گورنمنٹ بنگال نے اُسکو مصر بھجوا دیا اور پھر وہاں سے مالٹہ روانہ کر دیا گیا تھا اُسپر مصائب سارے نے اتنا ضرور اثر کیا تھا کہ اُس کی عقل میں فتور ہو گیا تھا۔

ڈاکٹر غلام محمد مصر میں ایک مدت سے مقیم تھے وہاں اُن کے والد اور بھائی بھی آگئے تھے یہاں اُنھوں نے اپنی شادی بھی کر لی تھی۔ ابتدائے جنگ میں انیز بھی اِن کے دشمنوں نے کچھ خبریں اُڑا کر گورنمنٹ کو بدظن کر دیا اُن کو سخت تکلیفیں پہنچائی گئیں اور بالآخر جیزہ کی سیاسی قیدگاہ جسمیں ہم بھی ایکماہ رکھے گئے تھے اُسیتے بھی گئے۔ وہاں پر مختلف وقائع ایک جماعت سے ایسے ہوئے کہ گورنمنٹ کو یقین ہو گیا کہ یہ لوگ بہت زیادہ خطرناک ہیں اسلئے اُن سبھوں کو مالٹہ بھیجدیا گیا۔ اُس میں سے ڈاکٹر موصوف بھی تھے۔

الحاصل ڈاکٹر صاحب موصوف نے پہلے تو یہ خیال کیا کہ غالباً جیزہ میں جو اور چند ہندوستانی قید تھے جن سے یہ واقف تھے وہ لوگ ہیں اسلئے یہ خوش تھے مگر جب مولانا کو دیکھا تو اُن کو معلوم ہو گیا کہ وہ خیال غلط تھا مگر اُنھوں نے وطنی تعلق کی وجہ سے نہایت تپاک سے مولانا کا استقبال کیا اور اپنے خیمہ میں لیگئے مولانا تقریباً مغرب کے قریب روگیٹ کمپ کے دروازہ پر پہنچے تھے اُسیوقت اُن کو وہاں داخل کر دیا گیا۔ مولانا نے جا کر وضو کر کے نماز ادا کی اتنے میں ہم سب بھی پہنچ گئے ہم نے بھی جا کر نماز

پڑھی۔ کچھ مختصر سا سامان چائے وغیرہ کا اُسوقت موجود تھا اُسکو تناول کر کے سامان درست کیا چارپائیوں وغیرہ کو لگایا اور پھر عشا کے بعد سونے کی تیاری کر دی اُس روز تھوڑی تھوڑی بارش ہو رہی تھی اور نہایت سرد ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں جسنے اور بھی ہمکو مجبور کیا کہ نہایت جلد آمد و رفت بند کر دیں مگر اتفاق سے اُس کیمپ میں عموماً وہ لوگ تھے جو کہ مکہ معظمہ سے پکڑے گئے تھے اور اکثر لوگ مکہ کے رہنے والے یا عرصہ سے رہے ہوئے ترکی حکام تھے اور حج سے بہت پہلے پکڑے جا چکے تھے۔ اُنہوں نے جمع ہو کر مکہ معظمہ کے احوال وغیرہ کے پوچھنے میں بہت بڑا حصہ رات کا لیلیا ایک خیمہ میں حضرت مولانا مرحوم اور مولوی عزیز گل صاحب اور کاتب الحروف کی چارپائی رکھی گئی اور دوسرے میں حکیم صاحب اور وحید کی تھی۔

صبح کے وقت ہم سبھونکو آفس میں بلایا گیا ہمکو خیال ہوا کہ غالباً ہم سے کوئی اظہار مثل مصر لیا جاویگا مگر وہاں معمولی طور سے پتہ وغیرہ پوچھا گیا اور رجسٹروں میں درج کر لیا گیا۔ ہر ایک کو تولا بھی گیا اور وزن بھی درج کر لیا گیا۔ بعد ازاں ہمکو کیمپ میں واپس کر دیا گیا۔ حسب قاعدہ رسد کی چیزیں جاری کر دی گئیں چونکہ گوشت قابل اعتبار نہ تھا اسلئے ہمکو اُسکے کھانے سے انکار ہوا۔ مگر چونکہ گورنمنٹ نہ اُس کو واپس لیتی تھی اور نہ اُسکے بدلے میں دوسری کوئی چیز دیتی تھی ادھر پہلے سے آئے ہوئے مسلمان اپنی کمزوری کیوجہ سے اُسکو برابر کھا رہے تھے اسلئے گورنمنٹ کو اور بھی حیلہ مل گیا تھا۔

اُس گوشت کے حلال نہونے کی وجہ

چونکہ قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے:۔ ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ وانہ لفسق وان الشیاطین لیوحون الی اولیاءھم لیجادلوکم وان اطعتموھم انکم لمشرکون ۔ (جس حیوان پر ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہیں لیا گیا اُسکو مت کھاؤ، وہ حقیقت میں فسق ہو گیا۔ شیاطین اپنے دوستوں کو سُجھاتے اور تلقین کرتے ہیں کہ تم سے ایسے حیوانوں کے بارہ میں جھگڑے اور بحث کریں، اگر تم اُنکی تابعداری کرو گے تو تم مشرک ہو) اسلئے ہر حیوان حلال کے کھانے کے بارے میں دو شرطیں ضروری ہیں اول تو شرعی ذبح، دوسرے ذبح کرتے وقت اسم الٰہی کا ذکر ہونا اگر دونوں یا ایک فوت ہو گئی تو حیوان کسی طرح حلال نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر مسلمان ذبح کرنے والا ہو اور وہ بھول کر تکبیر ذبح کرتے وقت ذکر نہ کرے تو وہ حسب ارشاد حضور سرور کائنات علیہ السلام حلال ہے۔ جو حیوانات عیسائی ملکوں میں ذبح ہوتے ہیں اور اُن کے کارکن عیسائی ہوتے ہیں وہاں

نہ ذبح پایا جاتا ہے نہ تکبیر بلکہ بڑے بڑے شہروں اور کارخانوں میں تو حیوانات کو مشینوں کے ذریعہ سے ذبح کیا جاتا ہے ایک طرف سے حیوان کو داخل کیا اور تھوڑی ہی دیر میں دوسری طرف کھال علیحدہ گوشت کے ٹکڑے علیحدہ اور جملہ دیگر اشیاء علیحدہ نکلتی ہیں۔ ہاں جہاں یہودی ذبح کرتے ہیں وہ البتہ شروطِ ذبح کی رعایت کرتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جیسے کہ کسی چیز کی طہارت اور نجاست وغیرہ میں یا کھانیکی چیزوں میں جبتک نجاست اور حرمت کا یقین یا غلبۂ ظن نہ ہوجائے جبتک اُسکی حرمت یا کراہت کا فتویٰ نہیں ہوسکتا اسی طرح سے حکم ذبیحہ کا ہوگا۔ مگر یہ سخت غلطی ہے۔ ذبیحہ کا حکم اِن دونوں کے خلاف ہی خود صحیح حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی شخص نے ایک شکار پر اپنا شکاری کُتّا جسکو اُس نے تکبیر کہہ کے چھوڑا تھا پایا اور ایک دوسرا کُتّا پایا اور نہیں جانتا کہ کس نے اُسکو قتل کیا ہے اور نہ یہ جانتا ہے کہ دوسرے کُتّے کو تکبیر کہکر چھوڑا گیا ہی یا نہیں تو حضرت سرورِ کائنات علیہ السّلام اُسکو حرام فرماتے ہیں اُسکے علاوہ اور بھی بہت سی ایسی نظیریں موجود ہیں جن سے صاف طور سے ظاہر ہوتا ہے کہ ذبیحہ میں شروطِ ذبح کا جبتک علم نہ ہوجائے حلال نہیں اور یہی مسلمہ فقہاء کا ہے۔ یورپ کے سفر کرنیوالے عموماً ہر جگہ کے مسلمان ایسے محرمات میں مبتلا ہوتے ہیں اور واہی تباہی حیلے کرکے خود بھی گمراہ ہوتے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآن میں فرمادیا گیا ہے وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم۔ (اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ) کا کھانا تمکو حلال ہے) اسلئے ہمکو اُنکے ذبح کئے ہوئے حیوان میں حرام ہونے کا کوئی شبہ بھی نہیں۔ مگر یہ بہت بڑی غلطی ہے جو چیز مسلمان سے حلال نہیں ہوسکتی وہ اہل کتاب سے کیونکر حلال ہوسکتی ہے۔ اگر مسلمان ذبح کرتے وقت قصداً تکبیر چھوڑدے تو وہ کسی طرح حلال نہیں۔ پھر کتابی جب ایسا کرے تو کیونکر حلال ہوسکتا ہے بہرحال وہ مسلمان سے تو کم ہی ہے۔ اور اگر ظاہر الفاظِ آیت پر جائیں تو چاہیئے کہ سور بھی حلال ہوجائے کیونکہ وہ بھی نصاریٰ کا طعام اور اُن کا ذبیحہ ہے۔ یا شراب میں پکا ہوا کوئی دوسرا کھانا اُن کا حلال ہو (والعیاذ باللہ) اور اگر اِن چیزوں کے حرام ہونے کا یقین دوسری آیتوں کی وجہ سے کیا جاتا ہے تو متروک التسمیہ مذبوح نصاریٰ کی حرمت کا بھی قائل ہونا ضروری ہے۔ اِس قسم کے مباحث کا وہاں اُنہی لوگوں سے تذکرہ آیا جن لوگوں کے دلوں میں اسلام کا پاس، خدا کا خوف اور آخرت کا خیال تھا، اُنہوں نے چھوڑ دیا تھا اور جن کے دلوں پر سیاہی جمی ہوئی تھی یا کمزوری تھی وہ نمانے۔ حالانکہ یورپ کے موجودہ نصاریٰ پر کتابی کا اطلاق اسوقت میں علی العموم آتا ہے یا نہیں یہ بھی

ایک مسئلہ قابلِ غور ہے جسمیں اکثر اہلِ تحقیق و تجربہ اسی طرف ہیں کہ عموماً نصاریٰ یورپ ہر ے غیر کتابی ہیں ہاں اُن کے پادری وغیرہ جنمیں اعتقادات مثل سماویہ اور انبیا و رسل کی حقانیت کا یقین صفاتِ الٰہی اور معاد و قیامت کا اعتقاد واثق موجود ہے اُن کی نسبت یہ خیال درست ہوسکتا ہے۔

بہت سے لوگوں کا یہ بھی حیلہ تھا کہ ہم مضطر ہیں اور مضطر کیلئے قرآن میتہ (مُردار) اور خنزیر وغیرہ سکو حلال بتلا رہا ہے مگر یہ بھی اُنکی سخت غلطی تھی اور ایسے ہی خیالات بعض یورپ کے سفر کرنے والے پکایا کرتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ مضطر اُسکو شرعی زبان اور قرآن کی اصطلاح اور عربی لُغت میں کہا جاتا ہے کہ جسکو بھوک کا وہ درجہ پہونچ گیا ہو کہ مرنے کا اندیشہ غالب ہوگیا ہو اور بھوک کی تکلیف دفع کرنے کیلئے کوئی حلال چیز نہ ملتی ہو اُسوقت میں مُردار حلال ہے اور وہ بھی اُسی قدر جتنی سے زندگانی محفوظ ہوجائے۔ پیٹ بھر کر نہیں۔ پھر یہاں تو علاوہ گوشت کے سیکڑوں چیزیں حلال ملتی ہیں اور کم از کم روٹی اور نمک تو سب جگہ موجود ہے۔ اسلیئے یہ سب حجتیں شیطانی ہیں۔ بارگاہِ خداوندی میں کسی کا اعتبار نہیں۔

چونکہ یہ گوشت حسب قاعدۂ شریعت میتہ (مردار) تھا اسلیئے نہ ہم اسکو کھا سکتے تھے اور نہ کسی مسلمان کو کھلا سکتے تھے اب اسمیں فکر کرنا پڑا کہ آیا اسکی بیع دشرا بھی جائز ہے یا نہیں۔ چونکہ قاعدہ ہے کہ جو چیز حرام ہے اُسکی خرید و فروخت بھی حرام ہے وہ بیع باطل ہوگی اُسکی قیمت بھی حرام ہوگی اسلیئے مولانا سے جب پوچھا گیا تو فرمایا کہ ہاں اسکی خرید و فروخت ناجائز ہے۔ مگر تم فقہ کی کتابوں کو دیکھو اسیر کیلئے دار الحرب میں بیع باطل اور قمار وغیرہ کی سب کی اجازت دیگئی ہے اسیر کو کافروں سے جس طرح ہوسکے مال لینا جائز ہے اور وہ مال حلال ہے۔ چنانچہ اُسوقت شروح کنز موجود تھیں اُن کیطرف رجوع کیا۔ یہ مسئلہ صاف اور واضح طور سے ملگیا۔ اُسوقت سے ہم نے گوشت کو ہمیشہ کافروں کے ہاتھ جس قیمت سے وہ لیتے تھے بیچدینا شروع کردیا اور اخیر تک یہی کرتے رہے اُسکے پیسوں میں اپنے پاس سے کچھ نقد ملا کر اور دوسری چیزیں خریدتے تھے اور پکا کر کھاتے تھے +

کیمپ میں حلال گوشت کے طریقے

تمام اسرا کے قیام گاہ میں جملہ حیوانات کا سوائے چڑیوں کے پالنا ممنوع تھا۔ ہاں مرغے مرغیاں تو البتہ (چونکہ یوروپین لوگوں کی جان اُن سے متعلق ہے) ماذون بہ تھے اور علیٰ ہذا القیاس بڑے جانوروں کا باہر سے لانا اور وہاں ذبح کرنا بھی ممنوع تھا جو لوگ تازہ گوشت کسی

حیوان کا چاہتے تھے وہ شہری کا ذبح کیا ہوا آسکتا تھا۔ جو لوگ مرغی یا کبوتر یا خرگوش منگاتے تھے وہ وہاں سے ذبح کردہ شدہ پیٹ کی آلائش صاف کی ہوئی حالت میں آتا تھا اسلئے ہمکو کوئی طریقہ اسکے استعمال کا بھی نہیں ہوسکتا تھا۔ ہم نے آفس سے مراجعت کی اور اپنے مذہبی عذار کو بیان کیا تو ہمکو بعد دشواریوں کے اسقدر اجازت ہوگئی کہ ہم زندہ مرغ یا کبوتر یا خرگوش منگائیں اور اسکو سرکاری سپاہی کے سامنے ہی ذبح کریں اور پھر صفائی کے قوانین کا پورا لحاظ رکھیں چنانچہ ہم نے اسکی ذمہ داری کی اور اسکے بعد سے ان زندہ حیوانات کے آنیکی ابتدا ہوئی۔ کچھ دنوں تو یہ ہماری ہی ساتھ مخصوص تھا پھر اسکے بعد اور لوگوں کو بھی اجازت مل گئی۔ مگر یہ چیزیں اسقدر گراں تھیں کہ الاماں۔ کبوتر فی عدد پھر یا سکے میں پڑتا تھا۔ مرغی فی عدد پھر یا نے یا پیسے میں پڑتی تھی۔ البتہ خرگوش بیسے یا للہ یا للہ میں پڑتا تھا۔ گوشت بھی اسکا زیادہ ہوتا تھا اسلئے اسی پر اعتماد کیا گیا۔

ہفتہ میں اول اول ایک یا دو مرتبہ اسکو کھاتے تھے اور باقی ایام میں دال اور ترکاری وغیرہ سے گذران کرتے تھے۔ ایک خرگوش کو دو وقت کرتے تھے اسمیں آلو یا دوسری ترکاری ڈالتے تھے کبھی کبھی مچھلی منگاتے تھے مگر وہ بھی نہایت گراں آتی تھی۔ تقریبًا تین روپیہ سیر یا چار روپیہ سیر معمولی مچھلیاں آتی تھیں اسلئے ہمیشہ اسکا بھی منگانا دشوار ہوتا تھا۔

دال کے اقسام

دال وہاں پر مسور کی ملتی تھی مگر کچھ دنوں کے بعد وہ بھی ایک عرصہ تک بند ہوگئی۔ گول مٹر سفید دلی ہوئی اور بے دلی ہمیشہ ملتی رہی۔ کبھی کبھی بے دلی مسور بھی ملجاتی تھی۔ مصری فول بھی ملتے تھے۔ دوسری دالیں وہاں نہیں ملتی تھیں۔ البتہ ہندوستان اور مکہ معظمہ سے پارسلوں میں ماش کی دال دھلی ہوئی اور بے دھلی اور بڑیاں وغیرہ آجاتی تھیں۔ جنکو ہم سب نہایت عظیم الشان نعمت سمجھکر بہت چاؤ سے استعمال کرتے تھے۔

ترکاریاں

ترکاریاں حسب موسم اکثر ملتی تھیں البتہ گوبھی کی تینوں قسمیں اور آلو اکثر اوقات میں بکثرت پائے جاتے تھے۔ بھنڈی جب بہت سستی ہوتی تھی تو سو درجن بغیر چھپائے ہوئے ملتی تھی اسی طرح کدو طویل اور کدو سرخ چقندر پالک۔ فول کی پھلیاں۔ مٹر کی پھلیاں وغیرہ آتی تھیں مگر نہایت گراں۔ روزانہ ہم کھانوں کے اقسام بدلتے رہتے تھے۔ تاکہ کھانے والوں کو ایک ہی کھانے کی

دیہ سے گھبراہٹ اور بدمزگی نہ پیدا ہو۔ سالن عموماً ہم ایک ہی پکاتے تھے +

اسارت میں کھانے کا ہمارا طریقہ

روزانہ دو وقت کھانا تیار کیا جاتا تھا صبح کو تقریباً نو بجے اور شام کو تقریباً پانچ بجے۔ چونکہ دیگر رفقا رکھانے کے پکانے سے ناواقف تھے۔ علاوہ ازیں اُن کو دیگر مشغولیتیں فرصت بھی نہ دیتی تھیں۔ پھر وہ مداومت بھی نہ کر سکتے تھے اور میرا ہمراہ ہونا فقط ادائی خدمت کی غرض سے تھا اسلئے تمام ضروری خدمتوں کے انجام دینے کی کوشش کرنا میرا فرض منصبی تھا جسکے لئے میں نے مالٹہ پہنچتے ہی اپنے آپکو تیار کیا اور ہر کام کی باگ اپنی ہاتھ میں لی۔ جدّہ میں یا مصر میں یہ بات کسی طرح ممکن ہی نہ تھی۔ البتہ حجاز میں حتی الوسع میں بھی کوشش کرتا تھا اور دوسرے احباب بھی اعانت کرتے تھے۔ مالٹہ میں دوسرے رفقاء نے بسا اوقات معارضہ کیا اور کاروبار کے بعض یا اکثر حصّہ کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہا۔ بعضوں نے نوبت مقرر کرنیکی خواستگاری کی مگر میں نے مخالفت کی اور یہی کہا کہ میرے فرض منصبی میں آپ لوگونکو دخل نہ دینا چاہیئے ہاں جب کبھی اعانت ہوگی میں آپ لوگونکو تکلیف دونگا۔ روٹی عموماً دوپہر کے وقت آتی تھی اُسکا آدھا حصّہ شام کیوقت صرف ہوتا تھا اور آدھا صبح کے وقت۔ چونکہ بہت بڑی اور موٹی ہوتی تھی اسلئے اُسکو چھری سے کاٹنا پڑتا تھا۔ سالن جو کہ حسب عرض سابق عموماً ایک ہی قسم کا ہوتا تھا۔ ایک بڑے برتن طباق یا لگن میں نکال لیا جاتا تھا اور دسترخوان کے بیچ میں وہ طشت یا طباق رکھدیا جاتا تھا اور اُسکے اِردگرد روٹیوں کے ٹکڑے کٹے ہوئے رکھے ہوتے تھے اور پھر ہم سب جمع ہو کر کھاتے تھے۔ عموماً دسترخوان پر فقط ہم ہی پانچ آدمی نہیں ہوتے تھے بلکہ دو چار آدمی اور بھی زائد ہوتے تھے۔ کیونکہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت سخاوت اور مہمانداری پر مجبول اور مفطور ہوئی تھی اُن کو جسقدر مہمانداری اور سخاوت میں لُطف آتا تھا کسی حال میں نہ آتا تھا۔ اکیلے کھانا اُن کو سخت ناگوار ہوتا تھا۔ یہی حال اُن کا ہمیشہ ہندوستان میں رہا کیا۔ اور اسی وجہ سے وہ ہمیشہ مقروض رہی اور عموماً جائداد اپنی بیچ کر قرضہ ادا کرتے رہی۔ مدرسہ کی تنخواہ اور بیرونی آمدنی اُن کو کبھی کافی نہ ہوئی۔ مہمانداری کی وسعت دیکھکر عموماً اہل دنیا اور اصحاب ثروت دنگ رہجاتے تھے۔ مگر ہمیشہ سے یہ خداوندی کارخانہ جاری رہا۔

علی الصباح اندرون خانہ جھاڑو دینا اور اپنے اپنے بستر دنکا درست کرنا ضروری تھا۔ کیونکہ کپلیر

یا سارجنٹ روزانہ بستروں وغیرہ کو دیکھتا تھا اگر درست نہیں ہوتا تھا تو تاکید کرتا تھا اسکے بعد ڈاکٹر آتا تھا اور کمروں کے باہر اور اندر مکان کا معاینہ کرتا تھا۔ اُسکے بعد چار بنانی ہوتی تھی مولانا مرحوم کیلئے دوانڈے نیمبرشت کرکے پیش کئے جاتے تھے۔ اگرچہ اسمیں اُنھوں نے بارہا سختی کی اور ناک بھوں چڑھایا کئے مگر خدام کسی طرح اسکے ترک کرنے پر راضی نہ ہوئے۔ مولانا کی خوراک بہت کم تھی اور ضعیف العمری کا زمانہ تھا غذا حسب عادت اور طبعیت میسر نہ ہوتی تھی اسلئے تقویت کے لئے اسکا انتظام ضروری خیال کیا گیا تھا۔ ہندوستان میں بھی اسکا انتظام تھا۔ اُسکے بعد سب ملکر کچھ روٹی کے ٹکڑے کے ساتھ چار پیتے تھے۔ اُسکے بعد کھانا پکایا جاتا تھا جو کہ تقریبًا دو گھنٹہ میں تیار ہوجاتا تھا۔ تقریبًا نو یا ساڑھے نو بجے صبح کو کھانا کھالیتے تھے۔ اُسکے بعد دوسرا کھانا ظہر کی نماز کے بعد تیار کیا جاتا تھا اور عمومًا عصر اور مغرب کے درمیان میں اُس سے بھی فارغ ہوجاتے تھے۔ ہمیشہ دونوں کھانوں کے بعد سادی چار پی جاتی تھی۔ اسلئے روزانہ تین دفعہ چار لازمی طور سے پکتی تھی اور اگر کوئی مہمان آجاتا تھا تو وہ دوسری بات تھی۔ شام کا کھانا ایک عرصہ تک اصرار کرکے ڈاکٹر غلام محمد صاحب اور حکیم نصرت حسین صاحب پکاتے رہے اور پھر میں نے اُسکا بھی انتظام اپنے ہاتھ میں لیلیا۔ کبھی کبھی مولوی عزیز گل صاحب یا وحید بھی انتظام کرلیتے تھے +

روگیٹ کیمپ کا قیام

روگیٹ کیمپ میں قیام تقریبًا ایکماہ کامل رہا وہاں کے لوگوں سے بخوبی واقفیت اور اُنس بھی ہوگیا مگر تکلیف بہت زیادہ ہوئی وجہ اُسکی یہ تھی کہ اگرچہ وہ ماہ فروری کے آخر کا تھا مگر مالٹہ نہایت سرد جزیرہ واقع ہوا ہے۔ اگرچہ شمالی یوروپ کے باشندے جو سخت برفستان کے رہنے والے ہیں اُسکو نہایت معتدل خیال کرتے ہیں مگر اہل ہند کیلئے تو وہ نہایت آزاردہ ہی ہے پھر چھوٹا جزیرہ ہونے کی وجہ سے اُس میں ہوا نہایت تیز چلتی ہے اور چھوٹے چھوٹے پہاڑ برف باری بھی نہیں ہونے دیتے جن ملکوں میں برف باری ہوتی ہے وہاں کی سردی زیادہ آزاردہ نہیں ہوتی جسقدر کہ اُن ملکوں کی ہوتی ہے جہاں پر سرد ہوائیں چلتی ہوں اور برف باری نہوتی ہو۔ پھر اسیطرح یہ کہ ماہ نومبر سے اور کبھی اواسط اکتوبر سے وہاں بارش شروع ہوتی ہے دریا میں بھی طغیانی اور ہوا میں طوفان انہیں دنوں میں ہوتا ہے دسمبر اور جنوری پورے زور

دشوار ہے سردی، ہوا، طوفان، بارش کے دکھانے والے مہینے ہیں۔ فروری میں ہوا کی تو کثرت رہتی ہے مگر بارش اور سردی میں خفت ضرور شروع ہو جاتی ہے۔ ادھر دھوپ میں ذرا قوت اور تیزی آجاتی ہے ؛

بروگیٹ کمپ اگرچہ خندق میں واقع تھا مگر چونکہ اُسمیں فقط خیمے تھے اسلئے وہ سردی سے پوری محافظت نکر سکتے تھے اور پھر کھلا ہوا میدان تھا۔ انکو باوجودیکہ ہم اپنے کپڑوں کو پہنے ہوئے دو کمبل اور ایک چادر اوڑھے ہوئے گدّوں پر ایک کمبل بچھائے ہوئے سوتے تھے مگر تقریباً دو ڈھائی بجے رات سے کثرتِ سردی کیوجہ سے نہ اُٹھنے کی ہمّت ہوتی تھی اور نہ نیند ہی آتی تھی۔ صبح کیوقت مجبور ہو کر نماز کیلئے اُٹھنا پڑتا تھا تو خیمہ سے سر نکالنا ایک عذابِ الیم کا سامنا ہوتا تھا۔ سرد ہوا کے اس زور کے تھپیڑے لگتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ جسم کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیگا۔ وضو کرنے کی کوئی ایسی جگہ نہتھی جہاں پر ہوا اور سردی سے محافظت ہو۔ پانی جو ہم بالٹیوں میں اور برتنوں میں بھر کر رات سے وضو کیلئے رکھ لیتے تھے وہ برف سے زیادہ سرد ہو جاتا تھا۔ پیشاب اور پاخانہ کی جگہ بھی ایسی نہ تھی جہاں پر ہوا اور سردی سے پوری محافظت ہو جو لوگ نماز کے پابند نہیں تھے وہ تو آفتاب نکلنے سے پہلے اپنے خیموں سے سر بھی نہ نکالتے تھے مگر جس طرح بھی ہو سکتا تھا ہم سب ایکدوسرے کو اُٹھاتے اور پانچوں آدمی جماعت سے نماز حضرت مولانا کے خیمہ میں پڑھتے تھے ؛

مولانا کی جفاکشی اور استقامت

مولانا مرحوم کو ہندوستان کی سردی بھی سخت اذیت دیتی تھی وہ سردی کے ایام میں دن کو ہمیشہ دھوپ میں ہوتے تھے بلکہ بسا اوقات گرمیوں کے زمانہ میں بھی سردیوں میں آگ اور کوئلہ سے تاپنے کی اکثر عادت تھی۔ روئی کے کپڑے بہت استعمال فرمایا کرتے تھے۔ گھٹنوں میں اکثر درد رہا کرتا تھا۔ سردی کے ایام میں ہاتھوں اور پیروں پر ورم ہو جاتا تھا جو سینکنے سے جاتا تھا۔ مگر مالٹا کی اس سخت سردی میں حسبِ عادت شب کو ایک یا دو بجے کا اُٹھنا کبھی اُنھوں نے نہ چھوڑا اُسیوقت پیشاب فرماتے وضو کرتے تہجد کی نمازیں ادا فرماتے اور اُسکے بعد صبح تک مراقبہ اور ذکرِ خفی میں وقت گذارتے۔ ہم جوانوں کو تو منہ کھولنا بھی قیامت معلوم ہوتا تھا اُٹھنا یا نماز پڑھنا یا وضو کرنا تو ہزار قیامت سے بھی زیادہ تھا۔ مگر اُنکی استقامت

اُن کو اپنے اوقات کی پابندی اور اپنے پروردگار کی عبادت پر مجبور کرتی تھی۔ یہی حالت ہمیشہ سفر اور حضر میں مولانا کی رہی۔ پھر اسپر طرہ یہ تھا کہ اسطرح اُٹھتے تھے اور اسطرح آہستہ آہستہ قدم رکھتے اور دروازہ وغیرہ کھولتے تھے کہ کسی کو خبر نہ ہوتی تھی نہ نیند میں اصلا فرق آتا تھا باوجودیکہ ہم سب خدام ہی تھے اور سفر و حضر میں ہمراہ اور رفیق تھے مگر ہم سبھوں سے بھی چھپانے کی آخر تک برابر کوشش فرماتے رہے۔ چونکہ پیشاب کا عارضہ تھا اسلئے عموماً شب میں چند مرتبہ وضو کرنے کی ضرورت پڑتی تھی پانی بھی نہایت سرد ملتا تھا مگر خدا کے فضل و کرم سے باوجود ان سب امور مخالف طبع کے کوئی تکلیف مولانا کو ردگیٹ کمپ کے ایکماہ قیام میں مرض وغیرہ کی نہیں ہوئی ✦

ردگیٹ کمپ سے عرب کمپ کو انتقال

ہم ردگیٹ کمپ سے بہت اچھی طرح مانوس اور وہاں کے لوگوں سے پوری طرح تعارف پیدا کر چکے تھے کہ یکایک کمانڈار کا بلا ہماری درخواست کے حکم آیا کہ تمکو کل کو عرب کمپ میں جانا ہوگا۔ ہمکو طبعی طور پر نہایت ناگوار معلوم ہوا ہم نے چارہ جوئی کی فکریں کیں سب بے سود ہوئیں اس مدت میں چونکہ ڈاکٹر غلام محمد صاحب اور مسٹر سیدار سے تعارف ہو گیا تھا اور ڈاکٹر صاحب وہاں کے احوال سے واقف تھے اسلئے اُن کے اشارہ پر ہمنے درخواست کی کہ اگر ہمکو بغیر ہماری مرضی کے وہاں منتقل کیا جاتا ہے تو کم از کم اتنا تو کیا جائے کہ ہمارے ساتھ یہ دو ہندوستانی کردئے جائیں تاکہ ہم سب اہل وطن ایک جگہ بسر کریں۔ یہ استدعا منظور کرلیگئی۔ ہمارا خیال تھا کہ ہمکو وہ راحت جو کہ ردگیٹ کمپ میں ہے عرب کمپ میں نہ ملیگی اسی وجہ سے ہمکو پس و پیش تھی۔ مگر حقیقت میں ہمکو وہاں پہنچکر بہت ہی زیادہ راحتیں ملیں۔ وہاں پر ہمکو ایک بہت بڑا کمرہ صاف کرکے دیدیا گیا اور کہا گیا کہ اسمیں تمہارے سوا اور کوئی نہیں رہیگا۔ یہ کمرہ نہایت وسیع تھا اسکے دو ٹکڑے تھے۔ درمیان میں ایک دیوار حائل تھی جسمیں دروازہ لگا ہوا تھا۔ قطعہ نمبر ا کے بھی دو حصے ہم نے کردئے تھے یعنی ایک پردہ ڈالکر جسکی صورت (⌒⌒⌒⌒) یہ دکھلائی گئی

مغرب

مشرق

ہے۔ اندرونی اور بیرونی حصہ کو جدا کردیا تھا۔ بیرونی حصہ (ک) کی جگہ میں ایک مستطیل ٹائبل (میز) رکھی رہتی تھی جسپر چادر بھی رہتی تھی اور چند کتابیں چُنی رہتی تھیں دیا سلائی اور سگرٹ بھی اکثر رکھے رہتے

تھے اُسکے طول میں دونوں جانب اور دروازہ کی طرف عرض میں کُرسیاں بچھی رہتی تھیں جنمیں سے اکثر افسے ملی تھیں اور بعض خود ہمنے بنوائی تھیں۔ دوسری طرف عرض کیجانب (ط) ایک چارپائی لکڑی کی جسپر گدے اور کمبل اور سفید چادر پڑی رہتی تھی۔ یہ سب باہر سے جو مہمان ملنے کے لئے آتے تھے اُن کے لئے انتظام تھا جب مہمان نہیں ہوتے تھے ہم سب کتابوں کے دیکھنے یا خطوط وغیرہ لکھنے کے لئے یہاں بیٹھتے تھے (ی) یہ ایک بڑی کھڑکی لگی ہوئی تھی جسمیں لوہے کی سلاخیں تھیں اور شیشہ کا دروازہ سردی کے روکنے کے لئے لگا ہوا تھا۔ دیوار کا وہ حصہ جو کہ کھڑکی میں سطح زمین سے بقدر ایک کرسی کے اونچا تھا اُسکے ساتھ ایک تختہ لگا کر اُسپر گدہ ڈال دیا گیا تھا۔ یہاں پر مولانا اکثر اوقات میں بیٹھتے اور تحریر وغیرہ کرتے تھے اپنے ورد و وظائف بھی سردی کے ایام اور اوقات میں یہاں ہی پڑھتے تھے۔ گرمی کے اوقات میں بیٹھتے تھے۔ اِسکا شیشے کا دروازہ کھولدیا جاتا تھا اور خوب ہوا دیتا تھا مولانا کو روشنی اور ہوا کی وجہ سے یہ جگہ زیادہ مرغوب تھی۔ یہاں ہی بیٹھکر ترجمہ قرآن شریف لکھتے اور تصحیح فرمایا کرتے تھے۔ اِس کھڑکی کے باہر صحن میں گرمیوں کے ایام میں ایک چارپائی دیوار سے متصل بچھادی جاتی تھی۔ عصر کے بعد سے مولانا وہاں بیٹھتے تھے اور شب کو بھی اُسپر ہی آرام فرماتے تھے۔

قطعہ ۲ کا اندرونی حصہ (ب) مولانا کی لکڑی کی چارپائی ہے اسی پر ہمیشہ آرام فرماتے تھے اور (ج) مولوی عزیر گل صاحب کی چارپائی ہے یہاں ہی اخیر تک آرام کرتے رہے اور (د) حضرت مولانا کی لوہے کی چارپائی ہے یہ چارپائی مکلّف تھی مگر اسپر مولانا فقط ایک دو شب ہی سوئے حالانکہ اسمیں راحت زیادہ تھی ہم سبھوں نے جب زیادہ اصرار کیا تو حضرت سرورِ کائنات علیہ السّلام کا وہ قصہ یاد دلایا جبکہ آپ کے لئے بستر کی کئی تہ بنادی گئی تھی اور اسوجہ سے آپ کے شب میں اُٹھنے کی ذراسی دیر ہوگئی تھی یہ چارپائی اخیر تک فقط بچھی رہا کی کسی نے اِسکو استعمال نہیں کیا (ہ) حسین احمد (کاتب الحروف) کی چارپائی ہے (ل) درمیان میں ایک جگہ بچھی رہتی تھی۔ اطراف میں گدّے پڑے رہتے تھے۔ یہاں ہی بیٹھکر کھانا دونوں وقت کھایا جاتا تھا۔ یہ تمام میدان پردہ تک بچھا رہتا تھا اور اگر کبھی مجمع زیادہ ہوتا تھا تو سب لوگ اسی پر بیٹھتے تھے (ح) یہ جگہ لوہے کے بڑے چولھے کی ہے جسمیں سردی کے زمانہ میں کوئلہ جلایا جاتا تھا اور دیوار میں اوپر تک دُھواں نکلنے کا راستہ بنا ہوا تھا اسمیں کھانا پکانے اور گرم کرنے کا بھی موقع بنا ہوا تھا

یورپ میں سردی کی وجہ سے مکانوں میں یہ ضرور لگایا جاتا ہے۔

قطعہ نمبر ۲ میں (ع) حکیم نصرت حسین صاحب مرحوم کی چارپائی کی جگہ ہے اور (س) وحید کی چارپائی ہے اور (ف اور ص) دو بہت چھوٹی چھوٹی کوٹھڑیاں ہیں جنہیں مختلف سامان صندوق وغیرہ رکھا کرتے تھے اسی قطعہ ۲ میں سب اسباب صندوق وغیرہ بھی رہتا تھا اور اسمیں کھانے اور پکانے کا سامان الماریوں وغیرہ میں رہتا تھا۔ اسمیں دو کھڑکیاں بھی جنوب جانب کو تھیں جن سے ہوا آتی تھی اور اُنمیں چونکہ شیشے کا مضبوط دروازہ لگا ہوا تھا اسلئے وہ سردی سے پوری حفاظت بھی کرتا تھا اس بڑے کمرہ کے مشرق جانب اسی طول و عرض کے دو اور بڑے بڑے کمرے تھے جو آپسمیں ملے ہوئے تھے اسمیں قصبہ صیدا ملک شام (سوریہ) کے مسلمان بحری سوداگر اور ملاح تھے اور مغربی جانب میں اس سے ملا ہوا ایک اسی طول کا کمرہ تھا جسمیں دو حصے تھے جو حصہ نمبر ۲ کے برابر تھا اُسکو ہمنے کمبلوں سے بچھا کر مسجد بنا لیا تھا۔ گورنمنٹ نے کچھ کمبل دیدیئے تھے۔ باقی ان صیدا والے عربوں نے اپنے پاس سے ڈال کر بچھا دیئے تھے۔ سب ملکر یہاں نماز پڑھتے تھے۔ یہ عرب تقریباً بیس یا پچیس آدمی تھے۔ اس بڑے کمرے کے بیرونی حصہ میں جو کہ ہمارے ع۱ کے مقابل تھا پانی کا نل لگا ہوا تھا۔ اُسی کے پاس ایک بڑا تخت لانبا بنا ہوا تھا تاکہ اُسپر کپڑے زمین پر نہ آدمی کھڑا ہو کر دھو سکے۔ اسی نل سے سب وضو کرتے تھے۔ ان کمروں کے سامنے ایک مختصر سا صحن تھا جسکا احاطہ کانٹے دار تاروں سے کیا گیا تھا جسکی صورت نقشہ میں یہ (ہہہہ) دی گئی ہے۔ تین قطار ایسے تاروں کی تھی تار کے باہر مختصر راستہ فوجیوں کے باہر سے آنے کا تھا۔ تار کے پاس ان شامی صیدا والے عربوں نے مٹی صاف اور جمع کرکے چھوٹے چھوٹے باغیچے لگائے تھے ان میں ایک یادو باغیچہ دو مولوی عزیر گل صاحب کا بھی تھا اسمیں مرچ پودینہ دھنیا مولی وغیرہ بوتے رہتے تھے۔ بعض بعض درخت پھولی یا ارنڈ کے بھی تھے۔ اسکے

صحن کے وسط میں ایک بڑا عمود ان لوگوں نے گاڑ رکھا تھا۔ جسپر ہر جمعہ اور عید کو یا جب کبھی کوئی خوشخبری ترکوں اور ان کے حلفار کی آتی تھی تو ترکی بیرا اور ہلال اڑایا جاتا تھا۔ گرمیوں میں اس صحن میں سب سوتے تھے۔ نمبر ۱ و ۲ و ۳ چھوٹی چھوٹی کوٹھریاں تھیں جنمیں مختلف سامان کریک کا رہتا تھا۔ یہ کوٹھریاں صحن کے کنارہ واقع تھیں جنکی چھت پر بالائی سیڑھیاں تھیں۔ انہیں میں سے بیچ کی کوٹھڑی کو مولانا مرحوم کیلئے گورنمنٹ نے خالی کرا کر ایک بالٹی اور چوکی رکھوادی تھی کیونکہ جب حکام نے مولانا سے دریافت کیا کہ کسی قسم کی تکلیف تو نہیں جسکا مفصل تذکرہ ہم آگے کرینگے تو اُن سے پاخانہ کی دوری کی شکایت کیگئی اور یہ کہ سردی اور بارش کے ایام میں رات کو اندھیرے میں وہاں جانا بہت اذیت دیتا ہے اور مولانا کو پیشاب کی ضرورت ہمیشہ رات کو کئی دفعہ ہوتی تھی تو انہوں نے چینی کا برتن دیا کہ انکو اسمیں پیشاب کرکے صبح کو پھینکدیا کرو۔ مولانا اسپر راضی نہ ہوئے تو انہوں نے اس کوٹھڑی میں بالٹی اور چوکی رکھوادی جس کی وجہ سے دوسرے لوگوں کو بھی بہت آرام ہو گیا +

انتظام پارچہ شوئی و دیگر خدمات خارجیہ

چونکہ ہر اسیر پر اپنے کیمپ کا صاف کرنا پاخانہ کا دھونا اور باہر سے رسد وغیرہ کا لانا ضروری تھا اسلئے ہم نے اس کام کے لئے نیز کپڑوں کے دھونے اور کمرے کے جھاڑ دینے کے لئے ہم پانچوں اشخاص بلکہ ابتدا میں تو ساتوں ہندوستانیوں کی طرف سے ایک شخص کو انہیں صیدادی عربوں میں سے نوکر رکھ لیا تھا اسکو نصف پونڈ ماہوار دیا کرتے تھے ہفتہ میں ایک دفعہ یہ سبھوں کے کپڑے دھوتا تھا۔ صابون وغیرہ ہم دیتے تھے۔ اور جب ہماری باری دوسری بیرونی خدمات کی آتی تو اُن کو بھی انجام دیتا تھا۔ اگرچہ اسمیں کھانا کھلانا شرط نہ تھا مگر چونکہ یہ شخص نہایت امانتدار اور دیانتدار شخص تھا اسلئے ہم نے اسکو کھانے میں بھی شریک کر دیا تھا اسنے بھی غیر مشروط امور میں ہماری بہت زیادہ مدد کرنی شروع کر دی تھی۔ اور آخر تک اسنے بہت سے کاروبار میں نہایت ہمدردی سے حصہ لیا۔ جسکے صلہ میں ہم نے بھی علاوہ مقررہ تنخواہ کے اپنی طاقت کے موافق خبرگیری میں کمی نہیں کی۔

ان صیدادی عربوں کے حالات

شہر صیدا اسوریہ (ملک شام) میں ایک پرانا شہر ہے جو کہ برلب سمندر بیروت اور حیفا کے درمیان واقع ہے۔ بیروت سے خشکی میں بھی سڑک جاتی ہے اور گھوڑے گاڑیاں وغیرہ آتی جاتی ہیں عکہ اور حیفا کو بھی یہاں سے رستہ جاتا ہے۔ یہ شہر قدیمی تاریخ میں بہت بڑا اور پرانا

دکھایا جاتا ہے۔ مگر زمانہ کے تقلبات نے اسکو اسقدر بڑے پیمانہ پر باقی نہیں رکھا۔ بلکہ بیروت جو قدیم زمانہ میں اسقدر بڑا شہر نہ تھا اب بڑا مرکز اور تمام سوریہ کا بندر ہو گیا ہے۔ شہر امیں مسلمانوں کی آبادی بہ نسبت عیسائیوں اور یہودیوں کے زیادہ ہی۔ اسمیں باغات نہایت کثرت سے ہیں سنگترے۔ لوکاٹ سیب انگور وغیرہ میوہ جات عمدہ اور بکثرت پیدا ہوتے ہیں۔ یہاں کے لوگ بعضے تو زراعت اور باغبانی کرتے ہیں اور بعضے تجارت پیشہ ہیں جو کہ میوہ جات یہاں سے خرید کر مصر لیجاتے ہیں اور وہاں سے غلہ وغیرہ لاتے ہیں۔ بہت سے لوگوں نے کشتی بانی اپنا پیشہ اختیار کر رکھا ہی۔ بادبانی بڑی بڑی کشتیاں چند شخصوں کی کمپنی بناکر حصوں پر تیار کرتے ہیں اور اُنپر تجارتی مال لادتے ہیں سوریہ اور افریقہ اور یورپ کے قریب کے بندروں سے اپنے تعلقات قایم رکھتے ہیں۔ اور سردی کے وہ زمانے جنمیں دریا میں طوفان ہوتا ہی اپنے گھروں میں بسر کرتے ہیں۔ کیونکہ ان آیام میں بادبانی جہاز کام نہیں دیتے۔ ان لوگوں کو دریائی سفر اور اُسکے احوال کی واقفیت موسموں اور پانی کے احوال کی اطلاع میں بہت زیادہ کمال ہی ان میں اکثر لوگ پانی میں اُسی طرح آنکھوں سے دیکھتے ہیں جیسے کہ باہر۔ غوطہ لگانا تیرنا کمال درجہ کا جانتے ہیں پھر صحت بھی ان کی اچھی ہی۔ جفاکش دیندار لوگ ہیں۔ جن آیام میں دریا قابل سفر نہیں رہتا مچھلی کا شکار کھیلتے ہیں اور بعضے لوگ ہمیشہ مچھلی ہی کے شکار پر بسر کرتے ہیں۔ مختلف طریقوں سے بڑی بڑی مقدار شکار کرکے اپنے مصارف نہایت وسعت سے چلاتے ہیں۔ جو لوگ مالٹہ میں ہمارے ساتھ اسیر تھے یہ سب وہی تجارت پیشہ اور جہازراں لوگ تھے جو کہ قبل از اعلان جنگ ہذا اپنے مال اور جہازوں کو مصر میں لائے ہوئے تھے اور قصد تھا کہ مال فروخت کرکے اُسکے بدلے یہاں سے مال خرید کرکے واپس ہوں گے کہ یکایک ٹرکی اور اتحادیوں کے درمیان اعلان جنگ ہو گیا۔ انگریزی حکومت نے ان لوگوں کو بغیر مہلت دینے اور خبر کرنے کے یکبارگی پکڑ لیا جہازوں اور جملہ مال اور نقد کا مصادرہ کر لیا۔ ان کو قید کرکے مالٹہ روانہ کر دیا۔ بیچارے ابتدائے جنگ سے اخیر تک تقریباً چھ برس تک اسیر رہے ان کے اہل وعیال اکثر ہلاک ہو گئے۔ طرح طرح کی مصیبتوں کے شکار ہوئے۔ التوائی جنگ کے بھی تقریباً ایک برس یا اس سے زیادہ کے بعد یہ لوگ چھوٹے۔ ان لوگوں کی جملہ مقدار تیس یا پینتیس آدمیوں کی تھی جنمیں سے بعض بلغار کیمپ اور ورڈگیٹ کیمپ میں بھی رہتے تھے۔ ہمارے کیمپ میں تقریباً پچیس آدمی تھے بیچارے

عموماً نہایت نرم اخلاق والے اور دیانت دار تھے۔ ہم لوگوں سے عموماً اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے خصوصاً ان کے معاملات نہایت ہی شریفانہ رہی ہر ایک ہماری ہمدردی اور غمگساری کے لئے تیار رہتا تھا ان لوگوں کے ساتھ ہمکو اور ہمارے ساتھ ان کو نہایت زیادہ تعلق ہو گیا تھا ان کو دینی باتیں جو کچھ بتائی جاتی تھیں نہایت بشاشت سے قبول کرتے تھے۔ انیں سے بہت سے لوگوں نے جب ان کو معلوم ہوا کہ یہ گوشت جائز نہیں بالکل چھوڑ دیا تھا۔ ڈاڑھی منڈانے کی عادت تھی حکم شرعی جانکر داڑھییں چھوڑ دی تھیں۔ جماعت سے ہمیشہ نمازوں کی پابندی کرتے تھے۔ اذان تکبیر وغیرہ سب کے یہی لوگ متکفل تھے انیں سے چند آدمی حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت بھی ہوئے تھے اور خط وکتابت وغیرہ بھی ہم لوگوں سے سیکھا علمی مجالس میں شریک ہوتے تھے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے اوقات

مولانا عشاء کی نماز کے بعد بہت تھوڑی دیر جاگتے تھے کچھ اپنے اوراد پڑھتے تھے اور پھر پیشاب وغیرہ سے فارغ ہو کر اکثر وضو فرماتے کبھی کبھی کچھ باتیں بھی کرتے اور پھر سو جاتے تھے۔ کیونکہ دس بجے کے بعد حکماً روشنیاں بجھا دی جاتی تھیں۔ جہاں دس بجے اُسی وقت سپاہی آواز دیتا تھا سب چراغ اور موم بتیاں بجھانی پڑتی تھیں اور پھر تمام شب جلانے کی اجازت نہ ہوتی تھی۔ جہاں جہاں کمروں میں برقی روشنیاں تھیں وہاں پر خود ہی بجھ جاتی تھیں۔ البتہ وہ برقی روشنیاں جو کیمپ اور رستوں کی روشنی کیلئے تھیں وہ تمام رات جلا کرتی تھیں۔ اُن کا تار برقی کمروں کی روشنی کے تار سے علیحدہ تھا۔ الغرض دس بجے سے سب لوگ سو جاتے تھے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ تقریباً ایک بجے یا ڈیڑھ بجے شب کو اُٹھتے اور نہایت دبے دبے پیروں نکلتے دروازہ سے باہر تشریف لیجاتے پیشاب سے فارغ ہو کر وضو فرماتے تھے۔ گرمیوں میں تو گرم پانی کی ضرورت ہوتی ہی نہ تھی نل کا پانی مناسب ہوتا تھا۔ سردی کے زمانہ میں ہم نے یہ خاص انتظام کیا تھا کہ چولھے پر کھانے کے بعد ایک بہت بڑے ٹین کے لوٹے میں جو کہ چائے کے لئے گورنمنٹ کمیٹی سے ملتا تھا اور اُس میں نیچے ٹونٹی بھی دار لگی ہوتی تھی اور انہیں ہمارے معمولی دس بارہ لوٹے پانی آجاتا تھا۔ پانی خوب گرم کر لیا جاتا تھا اور پھر اُسی پاس والے کمرہ میں جہاں پر نل لگا ہوا تھا اُسی لکڑی کے تخت پر جس پر سب کپڑے دھوتے تھے ایک کمبل میں لپیٹ کر عشاء کے بعد رکھ دیتے تھے۔ پانی صبح تک خوب گرم رہتا تھا۔ حالانکہ سردی بہت ہی زیادہ پڑتی تھی۔ الغرض مولانا کو شب میں جتنی دفعہ وضو کی

ضرورت ہوتی تھی اُسی سے پانی گرم کرلیتے تھے اور وضو فرماتے تھے اور مسجد کے کمرہ میں محراب کے دائیں جانب
مولانا کی سفید اونی جانماز کمبلوں پر ہمیشہ بچھی رہتی تھی اندھیرے ہی میں جاکر اُسپر نماز تہجد ادا فرماتے تھے
جب اُس سے فارغ ہو جاتے تو پھر آکر اپنی چارپائی پر بیٹھ جاتے تھے اور صبح تک مراقبہ اور ذکر خفی میں مشغول
رہتے تھے۔ ہزار دانوں کی تسبیح ہمیشہ سرہانے رکھی رہتی تھی اسم ذات کی کوئی مقدار معین فرما رکھی تھی
اُسکو ہمیشہ بالالتزام پورا فرماتے تھے۔ مراقبہ کا اسقدر انہماک ہو گیا تھا کہ اکثر حضرات کا اُسمیں گذرتا تھا
استغراق بعض اوقات میں غالب ہو جاتا تھا۔ ہم بعض اوقات میں دو دو تین تین دفعہ باتیں دوہراتے
تھے مگر سمجھتے نہ تھے۔ صبح کی نماز سے پہلے اکثر پیشاب کرتے اور وضو کی تجدید فرماکر نماز باجماعت ادا فرماکر
وہیں مصلے (سجادہ) پر آفتاب کے بلند ہونے تک مراقب رہتے تھے۔ اُسکے بعد اشراق کی نماز ادا فرماکر
اپنے کمرہ میں تشریف لاتے اُسوقت مولانا کے لئے اُبلے ہوئے انڈے اور چا تیار ہوتی تھی وہ پیش کردی
جاتی تھی۔ اُسکو نوش فرماکر دلائل الخیرات اور قرآن شریف کی تلاوت فرماتے تھے اُس سے فارغ ہو کر
کچھ ترجمہ قرآن شریف تحریر فرماتے یا اُسپر نظر ثانی کرتے یا اگر خط لکھنے کا دن ہوتا تو خط تحریر فرماتے۔ یا
وحید کو سبق پڑھاتے اتنے میں کھانے کا وقت آجاتا کھانا تناول فرماکر چا نوش فرماتے تھے اُسکے
بعد اگر کسی سے ملنے کے لئے وردالہ یا سبینٹ کلیمت کیمپ یا بلغار کیمپ میں جانا ہوتا تو وہاں کا قصد فرماتے
اور کپڑے پہنکر تیار ہو جاتے تھے اور اگر جانے کا قصد نہ ہوتا تو آرام فرماتے اور اگر کوئی ملنے کے لئے دوسرے
کیمپ میں سے آجاتا تو اُس سے باتیں کرتے۔ اگر تیز گرمی کا زمانہ ہوتا تھا تب تو وہیں اپنی چارپائی
پر اور اگر کچھ بھی سردی ہوتی تھی تو صحن میں دہوپ میں قیلولہ فرماتے تھے۔ وہاں پر ہم سب دو تین گدّے
ڈال دیتے تھے اور اُسپر کمبل اور تکیہ پہنچا دیا جاتا تھا اور اگر کسی نے غفلت کی تو خود تکیہ لیجاتے اور اُن
گدّوں اور کمبل کو بچھا کر آرام فرماتے تھے۔ دو تین گدّے ہم نے زائد اسی واسطے لے رکھے تھے جو کہ ہمیشہ
علیحدہ رکھے رہتے تھے اور جب تک وہ حاصل نہ ہوتے تھے تو بعض چارپائیوں کے گدّے اُٹھائے
جاتے تھے۔ گاڑھے کی ببول سے رنگی ہوئی چادر اوڑھکر دھوپ میں آرام فرمایا کرتے تھے۔ یہی عادت
مولانا کی وطن میں بھی تھی۔ تقریباً ڈیڑھ یا دو گھنٹہ اس طرح آرام فرمانے کے بعد قضاء حاجت کیلئے
تشریف لیجاتے اور پھر وضو فرمانے کے بعد تلاوت قرآن شریف اور دلائل الخیرات حزب الاعظم وغیرہ میں

مشغول ہوتے تھے۔ مگر قرآن شریف بہت زیادہ پڑھتے تھے غالباً روزانہ دس بارہ پارے پڑھا کرتے تھے ظہر کی
اذان تک اسی حالت میں مشغول رہتے تھے۔ پھر مسجد میں تشریف لاتے اور نماز سے فارغ ہوکر اگر وحید کا سبق ہوتا تو کبھی
اسوقت میں اور کبھی صبح کو اپنے اوراد سے فارغ ہوکر کھانے کے وقت تک پڑھاتے تھے۔ بلکہ اکثر صبح ہی کو پڑھاتے
تھے۔ چونکہ عربی کتابوں میں سے فقط مشکوۃ اور ترمذی پاس تھیں اسلئے انہیں دونوں کو پڑھاتے رہے یہانتک
کہ دونوں ختم ہوگئیں۔ جلالین شریف بھی ساتھ تھی وہ بھی غالباً ختم ہوگئی تھی اُسکے بعد کتابوں کے نہ ہونے،
وحید کی بے شوقی، مدت اقامت کی لاعلمی، کی وجہ سے اور کتابیں شروع نہ ہوئیں۔ اسکے بعد اکثر ترجمہ قرآن پر
نظر ثانی ڈالتے تھے اور کبھی کبھی مولوی نصرت حسین صاحب مرحوم اور مولوی عزیز گل صاحب کو ترجمہ سناتے تھے۔ میں
کچھ دنوں تک میں بھی اسمیں شریک ہوتا رہا مگر چونکہ مجھکو تمام دن میں قرآن کے دَور کرنے کیلئے یہی وقت فارغ
ملتا تھا اسلئے میں نے شرکت اُس میں چھوڑ دی تھی دونوں حضرات کی بحثیں بھی ترجمہ کے متعلق مولانا مرحوم سے
ہوتی رہتی تھیں۔ اگر کوئی تاریخ ایسی ہوئی جسمیں ظہر کے بعد دوسرے کیمپ میں جانا ہے جیسا کہ میں پہلے ذکر
کرچکا ہوں کہ ہمکو بھی ہفتہ میں تین دن دوسرے کیمپوں میں ظہر کے بعد جانے کی اجازت تھی تو وہاں تشریف
لیجاتے تھے اور ہم سب یا بعض ضرور ساتھ ہوتے تھے اسلئے یہ انتظام تھا کہ ہفتہ میں ظہر کے بعد ایکدن روگیٹ
کیمپ میں جاتے اور ایکدن سینٹ کلیمنٹ کیمپ میں اور ایکدن بلغار کیمپ میں۔ عصر کی نماز کے بعد اکثر مولانا رحمۃ اللہ
علیہ ذکر خفی لسانی میں مشغول ہوتے۔ وہ ایک ہزار دانہ والی تسبیح کو چادر یا رومال کے نیچے چھپا کر بیٹھ جاتے اور
ذکر کرتے رہتے۔ ہاں اگر ورد کسی وجہ سے رہ گیا ہوتا تھا تو اُسکو اُسوقت میں پورا فرما لیتے۔ اکثر جیسا کہ پہلے بیان
ہوچکا ہے اُسوقت کھانا تیار ہوجاتا تھا تو جب دسترخوان چن لیا جاتا تھا اُسوقت مولانا سے عرض کیا جاتا تھا
کہ تشریف لائیے۔ کھانا نوش فرماکر پھر اپنی جگہ پر جا بیٹھتے اور اپنے کام میں مشغول ہوجاتے تھے، وہیں پیش کردی
جایا کرتی تھی مغرب کے بعد بھی نوافل وغیرہ سے فارغ ہوکر ذکر اسم ذات میں خفیہ طور پر اسی بڑی تسبیح کو لیکر عشاء
تک مشغول رہتے اس درمیان میں اگر ہم میں سے کوئی کسی بات کیلئے پاس جا بیٹھتا تو کچھ بات بھی کر لیتے ورنہ
اپنے کام میں مشغول رہتے تھے کبھی کبھی صبح کو دس بجے سے ۱۲ بجے تک اور کبھی کبھی ظہر کے بعد ۲ بجے سے
۴ بجے تک بعض ترکی احباب وغیرہ تشریف لاتے تھے تو اُسوقت مولانا اپنے کام کو چھوڑ کر اُن کے پاس آ بیٹھتے تھے
خلاصہ یہ کہ حقیقت میں مولانا کو اپنے روحانی کاروبار اور باطنی ترقی اور اپنے محبوب حقیقی سے راز و نیاز

کرنے کا فارغ وقت تمام عمر میں کبھی ایسا نصیب نہیں ہوا تھا جیسا کہ مالٹا کی اقامت کے ایام میں ہوا دن رات اُن کو یہی دھن تھی اور یہی شغل تھا نہ کبھی ان کی طبیعت گھبراتی تھی اور نہ کسی دوسری طرف کو رغبت ہوتی تھی بسا اوقات تو اُن کو ہم لوگوں سے بات کرنا بھی ناگوار ہوتی تھی۔ یہ ایک واقعی اور حقیقی انعام خداوندی تھا جسمیں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو ترقی معنوی کے مدارج طے کرانے تھے۔ کاتب ازلی نے جو مقامات ازل سے مقرر فرمائے تھے اُن کے طے کرنیکا ذریعہ یہ سفر اور یہ اسارت قرار دی گئی۔ طے ہو جانے کے بعد اُن کو وطن بھیجوا کر بہت جلد بلا لیا گیا ؎

این سعادت بزور بازو نیست — گر نہ بخشد خدائے بخشندہ

دنیا اور آخرت کی سرخروئی، اہل زمین اور اہل آسمان میں نیکنامی اور رفعت ذکر، معنوی اور مادی ترقی، قبولیت حقیقی، اور بے نہایت اجر و ثواب، قیامت تک کے لئے صدقہ جاریہ اور ذکر محمود نشر علم حدیث اور تفقہ فی الدین، جہاد فی سبیل اللہ اور خدمت دین، اخلاص و للّٰہیت اور زہد فی الدنیا، خدمت قرآن اور ریاضات باطنیہ، استقلال و ثبات اور تحمل و تواضع خالص، عشق حقیقی اور معرفت کاملہ وغیرہ وغیرہ کمالات قسام ازل نے اس برگزیدہ مولانا کے نشتر سے دو بالا بلکہ اضعافاً مضاعفۃً کرکے اپنا خاص مقرب بندہ بنالیا اور آنے والوں کے لئے مثال اور نمونہ چھوڑ دیا یہ وہ فضائل ہیں کہ جنکا مجموعہ قرنوں میں بھی کسی ہی کسی فرد میں پایا جاتا ہے ازمنہ حاضرہ میں چراغ لیکر ڈھونڈھیئے اور مشرق سے مغرب تک کے گاؤں گاؤں اور شہر شہر کو چھان ڈالیے تو ایسے مجموعہ کا وجود یا تو نہ آئیگا بلکہ غالباً انفرادی حیثیت بھی کبریت احمر کا سمان دکھلائیگی ؎

فضائلہائے شتی میں سے کوئی ایک کہلاوے — کئے تھے حق تعالیٰ نے جو مولانا کو ارزانی
قبولیت اسے کہتے ہیں مقبول السیر ہوتے ہیں — عبید سود کا اُن کے لقب ہے یوسف ثانی

مالٹہ میں پہنچنے پر نقدی میں تنگی

ہمارے پاس جو کچھ نقد تھا یعنی (۸۱) پونڈ انگریزی اور وہ جیزہ میں ہم سے لیلیا گیا تھا اور اُس میں سے چار پونڈ ہمکو مصارف کیلئے وہاں دیا گیا تھا جسمیں سے تقریباً ڈیڑھ پونڈ ہمنے راستے کے خرچ سے بچا اپنے پاس رکھ لیا تھا باقی (۷۷) پونڈ کیلئے جیزہ کے انگریزی افسر نے بوقت روانگی یہ کہا کہ یہ نقدی وہیں مالٹا میں ملجائیگا ہم نے اُس سے کوئی رسید وغیرہ نہ مانگی اور اُس کے قول پر اطمینان کرکے یقین کر لیا کہ ابھی ہمارے ساتھ بذریعہ ڈاک خط یا یہ خبر بھیجدیجائیگی مگر مالٹہ پہونچنے پر جب ہمکو ضرورت ہوئی تو

ہمنے کماندار سے طلب کیا اُس نے جواب دیا کہ ہمارے پاس کوئی اطلاع نہیں آئی اسکی وجہ سے ہمکو سخت کلفت کا سامنا ہوا اُس نے ایک مرتبہ جبکہ ہماری خاطرداری کو کہا کہ اگر کوئی تکلیف ہو تو ہمکو اطلاع دو تو ہم نے ان نقود کی نسبت پھر تذکرہ کیا اُس نے کہا کہ مجھکو کوئی اطلاع نہیں ملی اور میں نہایت افسوس کرتا ہوں کہ میں اسکے متعلق کوئی انتظام نہیں کرسکتا - تب ہم نے درخواست کی کہ آپ مصر میں تحریر کریں اور استفسار کرکے منگائیں اُسنے اسکو قبول کیا - ہمارے آنے کے دوسرے دن میجر حسن عزت بیگ کا ورد الہ سے پیام پہنچا کہ میں مولانا سے ملنے کا شایق ہوں +

میجر حسن عزت بیگ

میجر حسن عزت بیگ ایک نہایت خلیق شریف وضع علمی خاندان کا دیانتدار شخص تھا - جسکے ہر ہر عمل اور حرکت سے مروّت اور انسانیت ٹپکتی تھی اصل میں اُسکا وطن دمشق شام تھا - اُسکا رتبہ فوجی بگباشی (میجر) تھا - وہ عرصہ دراز سے مختلف مرتبوں پر مؤظف ہوکر حکومت عثمانیہ کے مختلف ممالک میں نہایت ہمدردی اور اخلاص کے ساتھ خدمت کررہا تھا اور اسی وجہ سے اپنے افسروں اور حکومت کے ذمہ داروں میں نہایت وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا - جنگ کے زمانہ میں وہ یمن میں عہدہ دار تھا اُسکو گورنر یمن کا حکم ملا کہ وہ حجاز میں بحری رستہ سے جائے اور احکام فوجی کے پورے کرنے کی کوشش کرے چنانچہ وہ حسب ہدایت یمن کے بعض بندروں سے مع اپنے سامان وغیرہ کے بادبانی کشتی پر سوار ہوکر جدہ کو روانہ ہوا کیونکہ بحر احمر (قلزم) میں اُن دنوں دخانی آگبوٹ کا ملنا ممکن نہ تھا بادبانی کشتی سمندر میں سفر کررہی تھی کہ انگریزی جنگی جہاز نے اُسکو دور سے دیکھ لیا کشتی کو پکڑا - اگرچہ میجر موصوف اپنی نسبی اور ترکی لباس میں اُسوقت تھا مگر جہانتک معلوم ہوا کہ جس بندر سے وہ سوار ہوا تھا وہاں پر انگریزی سی آئی ڈی کے لوگ موجود تھے اُنہوں نے خبر پہنچادی تھی - خیال کیا جاتا ہے کہ یہ امور شریف حسین کے ذریعہ سے یمن کے قریب کے بندروں پر تکمیل دیے گئے تھے - غرضکہ انگریزی آگبوٹ نے جبراً میجر موصوف کو گرفتار کرلیا تمام اسباب لے لیا اور جاکر عدن کے قیدخانہ میں ڈالدیا اور پھر کچھ عرصہ کے بعد وہاں سے مصر کو منتقل کردیا گیا - وہاں بھی ایک عرصہ تک قید میں رہنا پڑا - پھر مالٹا بھیجدیا گیا - اور اخیر وقت تک ممدوح کو وہاں کے ایام کاٹنے پڑے +

مولانا مرحوم اگلے روز وہاں گئے اور ملاقات کی نہایت اخلاق سے پیش آیا اور درخواست کی کہ آپ ابھی آئے ہیں اسلئے غالباً مصاریف کی ضرورت ہوگی ہم سب آپکے ہمدرد اور خادم ہیں جسقدر کی ضرورت ہو

بلاتردد آپ ہم سے ظاہر فرمائیں۔ ہم نے کہا کہ ہم سب آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ ہمارے پاس ایک مقدار معتدبہ موجود ہے جسکو حکومت نے ہم سے لیلیا تھا اور یہاں بھیجنے کا وعدہ کیا تھا۔ غالباً دو چار دن میں یہاں آجائیگی۔ اُنسے ہمارے احوال وغیرہ پر نہایت ہمدردی کا اظہار کیا اور کمال توجہ سے ہمیشہ پیش آتا رہا۔ چلتے وقت ڈاکٹر غلام محمد سے کہا کہ ممکن ہے کہ یہ لوگ اپنی حاجت ظاہر کرتے ہوئے شرمائیں۔ اسلئے تم جو اِن کی ضرورت ہو مجھسے بیان کردینا۔ جب ہمکو کچھ عرصہ گذر گیا اور نقد کی کوئی خبر نہ ملی کمانڈر اسرا نے بھی باوجود تقاضوں کے صاف جواب دیدئے تو بہت دقت کا سامنا پیش آیا اسلئے رائے یہی ہوئی کہ میجر موصوف سے قرض لیلیا جاوے چنانچہ موصوف سے مختلف اوقات میں تقریباً ۵ پونڈ لینا پڑا۔ علاوہ ازیں اَور بھی بعض آدمیوں سے قرض لینا پڑا۔ کیونکہ ہمارے جانیکے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد یعنی تقریباً بیس یا پچیس دن کے بعد میجر موصوف کے افسر کرنیل غلی نظامی بیگ نے اُن کو اپنے پاس دال بغرسٹر میں منتقل ہونے کو فرمایا اسلئے وہ وہاں چلے گئے ؞

افسروں کی تنخواہ

حسب قواعد مقررہ دول متمدنہ فوجی افسروں کو ایام اسارت جنگ میں بہت زیادہ حقوق دئے جاتے ہیں اُن کے لئے تنخواہیں بقدر کفایت دیجاتی ہیں جنکا بوقت صلح حساب کیا جاتا ہے۔ ہر بادشاہت نے جسقدر خرچ کیا ہے اپنی مقابل بادشاہت سے وصول کرتی ہے۔ اگر دونوں برابر سرابر ہو جاتے ہیں جب تو خیر ورنہ زائد مصارف والی حکومت مقدار زائد کو وصول کرتی ہے چھوٹے افسروں کو چھ پونڈ اور بڑے افسروں کو یعنی کرنیل جرنیل وغیرہ کو سات پونڈ ماہوار دیا جاتا تھا جسمیں سے خوراک کی رسد میں تقریباً ڈیڑھ پونڈ ماہوار محسوب ہوکر باقی ماندہ دو تین ہفتوں میں پورا کردیا جاتا تھا۔ کیونکہ مقرر تھا کہ کسی اسیر کو خواہ اُسکی تنخواہ ہو یا اُسکی مقدار جمع ہو دو پونڈ فی ہفتہ سے زائد نہیں دیجاسکتی افسروں کیلئے علاوہ اسکے پلنگ نواڑ کے، گدّے عمدہ اور نستعلیق، چادریں اور کمبل بھی عمدہ قسم کے، الماریاں آئینے چینی کے استعمالی برتن، عمدہ کمرے، کرسی میز وغیرہ دئے جاتے تھے جو کہ ہوٹل بڑے بڑے عہدہ داروں کو نہیں ملتے تھے۔ ہاں اگر بڑی کمپنی سے جو کہ اسرا کے انتظام کی ذمہ دار تھی کسی ہولین افسر کے لئے علم ہوتا تھا کہ اسکے ساتھ ملٹری آفس کا معاملہ کیا جاوے تو اُسکے حقوق ویسے ہی ہوتے تھے۔ مذہبی لوگوں کے بھی حقوق زائد شمار ہوتے تھے۔

تقریباً دو مہینہ تک ہمکو یہ انتظار اور تکلیف اُٹھانی پڑی معلوم یہ ہوا کہ وہ روپیہ ہم سے لیکر فوراً

برٹش بنک میں جمع کر دیئے گئے تھے اور پھر چونکہ بنکوں کو اپنا نفع ضرور حاصل کرنا چاہیئے خصوصاً انگریزی بنکوں کو
اسلئے اُسکے حوالہ کرنے اور پہونچنے میں تاخیر کی گئی - اس مدت میں جب ہم نے تقاضا زیادہ کیا تو آفس کی
طرف سے قنطین (نوکان) والیکو کہا گیا کہ تم اِن کو جن چیزوں کی ضرورت ہو دیدیا کرو اِنکے روپیئے ملجائینگے
چنانچہ وہاں سے بھی ہم نے تقریباً ساڑھے چھ پونڈ کا سودا خریدا تھا اور بعض اور دوسرے لوگوں سے بھی قرض لینے
کی نوبت آئی تھی - خلاصہ یہ کہ ۲۵ اپریل ۱۹۱۷ء مطابق ۴ رجب ۱۳۳۵ھ کو ہمکو فی کس دو دو پونڈ کے حساب
سے دس پونڈ وصول ہوئے جس سے اکثر قرضہ ادا کر دیا گیا - فقط سیحر حسین عزت بیگ کا قرضہ اس ہفتہ میں نہیں ادا
کیا گیا - چونکہ ملٹا میں قیمتیں چیزوں کی اسقدر گراں تھیں کہ ذرا ذرا سی چیزوں میں دس بارہ شلنگ خرچ ہو جانا
معمولی بات ہوتی تھی (ایک پونڈ ۲۰ شلنگ کا ہوتا ہے) اسلئے بہت زیادہ مصارف واقع ہوئے خصوصاً
ابتدا میں - اسلئے کہ آئندہ کے انتظامات کیلئے بہت ضروریات کا انتظام کرنا پڑا - جیسے کہ کسی کو نیا گھر بنانا پڑتا
ہے اور کچھ بدانتظامیاں بھی ناواقفیت اور نالائق واسطوں کی وجہ سے پیش آئیں - ۴ شعبان تک تمام مقدار
(۷۷) پونڈ کی آفس سے وصول ہو گئی جو کہ مولوی عزیر گل صاحب کی تحویل میں رہتی تھی ہفتہ وار خرچ کے لئے
اُنسے حسب حساب لیا جاتا تھا - یہ مقدار نقود کی برابر خرچ میں آتی رہی - اگرچہ ہم نے بہت زیادہ کفایت شعاری سے
انتظام کیا مگر گرانی اشیاء اور گوشت کے نہونے اور دیگر ضروریات کی وجہ سے ہر مہینہ پانچ چھ گنی کا خرچ پڑتا ہی رہا
چونکہ ہندوستان بہت دور تھا چھوٹنے کی کوئی خبر نہ تھی مقدار موجودہ تھوڑی تھی اسلئے پھونک پھونک کر
قدم رکھنا پڑتا تھا - غرضکہ ابتدائے ماہ جمادی الاولی ۱۳۳۵ھ سے (جو کہ اگلا دن دخول مالٹا کا ہی) اواسط
ربیع الاول ۱۳۳۶ھ تک ہمنے اس (۷۷) پونڈ کی مقدار کو خرچ کر ڈالا - اس مدت میں ہم نے جب خرچ کی حالت
یہ دیکھی اور اسارت کی نہایت کی کوئی اطلاع نہ پائی تو مکہ معظمہ کو لکھا کہ ہمارے نقود جو کہ تقریباً (۴۰) پونڈ
یا کچھ اس سے کم ہوتے ہیں ہمارے پاس بذریعہ حوالہ بھجوا دو چنانچہ منشی محمد حسین صاحب نے (۳۵) پونڈ نقد اور دیگر
ضروری اشیاء پان چھالیاں وغیرہ بذریعہ معتمد برطانی مقیم جدہ بھجوایا جسکی صورت یہ واقعہ ہوئی کہ اگرچہ اداء جدہ
کی حکومت قبول نہیں کرتی تھی مگر جب ہم نے بذریعہ آفس گورنر مالٹہ سے خواستگاری کی کہ ہماری ضروری پارسلیں
اور نقود مکہ معظمہ سے بذریعہ معتمد برطانی مقیم جدہ منگا دی جائیں اُسوقت وہاں سے حسب قانون حکم کیا گیا اور ہمارے
نقود وغیرہ آگئے - چنانچہ ۲۴ اکتوبر ۱۹۱۷ء مطابق ۷ محرم الحرام ۱۳۳۶ھ سے یہ مقدار دو تین ہفتہ میں ہمکو

وصول ہوگئی جسکو بطور امانت علیحدہ مولوی عزیز گل صاحب کے پاس رکھا گیا - ۱۶ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ سے اس مقدار میں سے خرچ کرنا شروع کیا گیا اور ۱۹ جمادی الثانی ۱۳۳۶ھ مطابق ۲۸ مارچ ۱۹۱۸ء تک یعنی تقریباً تین ماہ تک اس مقدار میں سے صرف [illegible] پونڈ خرچ کیا گیا - اور نہایت کفایت شعاری کو کام میں لایا گیا اُسکے بعد اپریل ۱۹۱۸ء سے نقد گورنمنٹ کی طرف سے مقرر ہوگیا جسکی تفصیل آیندہ ذکر کیجاویگی +

مسٹر سیدار اور ڈاکٹر کی علیحدگی

مسٹر سیدار اور ڈاکٹر غلام محمد جیساکہ میں پہلے ذکر کرچکا ہوں ہمارے ساتھ ہی رودگیٹ کیمپ سے عرب کیمپ کے کمرہ میں آگئے تھے مگر چونکہ ہم سب تو حضرت مولانا کے زیر اثر تھے - اگر خلاف طبائع امور پیش آتے تھے تو ہمپر قوت عاملہ اور جامعہ موجود تھی مگر ان دونوں کی وہ حالت نہ تھی کچھ ہی دنوں کے بعد رفقاء میں خلاف طبع اُمور ظاہر ہونے سے کشیدگیاں پیدا ہوگئیں ہم نے ہر طرح اصلاح کی کوشش کی اِن دونوں حضرات کو مصاریف زائدہ کی گرانباری کا بھی متحمل نہ کیا خدمات وغیرہ میں بھی حتی الوسع ان کی خبر گیری اور ہمدردی پوری طرح کی گئی مگر آخر کار کوئی نتیجہ نہ ہوا - ماہ رمضان ۱۳۳۵ھ مطابق اوائل جولائی ۱۹۱۷ء میں مسٹر سیدار علیحدہ ہوکر رودگیٹ کیمپ کو چلا گیا اور پھر ڈاکٹر غلام محمد ماہ اکتوبر ۱۹۱۷ء مطابق اواخر ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ میں رودگیٹ کیمپ میں چلے گئے +

علی بیگ کا واقعہ

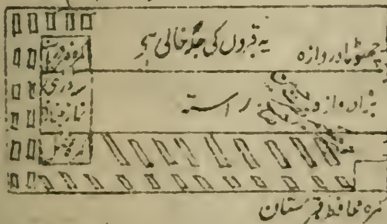
ہمارے مالٹہ پہونچنے سے پہلے ترکی دو افسروں میں کچھ اختلافات رودگیٹ کیمپ میں واقع ہوئے یہ دونوں ترکی گورنمنٹ کے مجرم تھے اور فرار ہوکر مصر میں موجود تھے کہ اعلان جنگ ہوا - حکومت انگریزی نے دونوں کو معہ دیگر اُمراء کے یہاں مالٹہ میں بھیجدیا تھا - علی بیگ ترکی حکومت میں یوزباشی (کپتان) فوجی تھا اور دوسرا ڈاکٹر تھا - ایک شب دونوں میں سخت ناچاقی ہوئی - شب میں سوتے ہوئے علی بیگ نے ڈاکٹر پر حملہ کیا اور چھری سے سخت زخمی کردیا - ڈاکٹر کو ہسپتال پہنچایا گیا اور علی بیگ کو قیدخانہ میں پہنچادیا گیا - ڈاکٹر کو ایسا زخم کاری لگا تھا کہ وہ جانبر نہوسکا - مقدمہ قایم کیا گیا حکام نے اُسکی نسبت پھانسی کا فیصلہ کیا - ترکی گورنمنٹ کو حسب قاعدہ خبر کیگئی وہاں سے بھی اجازت آگئی - آخرکار علی بیگ مرحوم کے لئے پھانسی کی تاریخ مقرر ہوگئی - جبکہ اُسکی تاریخ کو تقریباً ڈیڑھ ماہ باقی تھا ہم سب مالٹہ پہونچے - حضرت مولانا مرحوم کے تقدس کی خبر اُسکو پہونچی اُسنے وہیں جیلخانہ میں درخواست کی کہ میں مولانا سے ملنا چاہتا ہوں - غالباً یہ درخواست اُسکی پھانسی سے پانچ چھ دن پہلے ہوئی تھی چنانچہ افسر نے مولانا کو

موٹر پر وہاں پہنچایا - یہ شخص چونکہ اصلی باشندہ ٹونس یا الجیریا کا تھا اسلیئے عربی زبان خوب جانتا تھا
اُسنے مولانا مرحوم سے باتیں کیں اور بہت زیادہ گرویدہ ہوگیا - دوسرے دن پھر طلب کیا اور پھر مجھکو (کاتب
الحروف) کو بھی طلب کیا اور اپنی وصیتوں میں لکھا کہ مولانا میری پھانسی کے وقت میں بھی موجود ہیں
اور میرا دفن کفن نماز جنازہ وغیرہ سب مولانا فرمائیں - اگرچہ مولانا مرحوم کو ان امور سے کوئی سابقہ خاص
طور سے نہ پڑا تھا اور نہ ان کو ایسی باتوں سے دلچسپی تھی مگر اُسوقت میں اُسکے سامنے انکار کرنا بھی غیر مناسب
معلوم ہوا - اُس نے علاوہ کاتب الحروف اور مولانا مرحوم کے اَور بھی مصر اور ٹرکی کے بعض آدمیوں کو اپنی
تکفین وغیرہ کے لیئے طلب کیا تھا چنانچہ پھانسی کے دن صبح صادق کیوقت ہم سبھوں کو آفس میں پہنچے
وہیں ہم سبھوں نے نماز فجر ادا کی اور پھر موٹر میں قید خانہ میں پہونچے - تقریبًا سات یا آٹھ بجے پھانسی کا
وقت آگیا - وہاں ہی سبھوں کے لیئے چاء حاضر کی گئی تھی سبھوں نے اور خود علی بیگ نے بھی چاء پی اور پھر کچھہ
وصیتیں کیں اور جب وقت پھانسی کا آگیا اور اُسکو ہتکڑیاں پہنائی گئیں اُسوقت اُسنے مولانا سے درخواست
کی کہ آپ میرے ساتھ پھانسی کے چبوترہ اور تختہ تک رہیں چنانچہ اُس نے مولانا کے ہاتھ پکڑ لیئے اور
پھانسی کے تختہ تک برابر لیگیا - باقی لوگ سب کے سب چبوترہ کے نیچے کھڑے تھے جب اُسکو تختہ پر کھڑا کیا گیا
تب اُسنے ہاتھہ چھوڑا - مولانا مرحوم اُسکے قریب وہاں ہی رہے اُسی دم اُسکو حلقہ پھانسی کا پہنا دیا گیا
اُسنے کلمات شہادت ادا کیئے اور تختہ ہٹا دیا گیا - اُسکے بعد سب لوگ باہر کر دیئے گئے - تھوڑی دیر کے
بعد مرحوم کی نعش لکڑی کے صندوق میں لائی گئی اور ایک خاص گاڑی میں جو اسی نعش کے ڈھونیکے
لیئے گھوڑوں کی وہاں ہوتی ہی رکھدی گئی اور ہم سبھوں کو موٹر میں زیر حراست قبرستان اسلام میں پہنچا دیا گیا

اسلامی قبرستان

سلطان عبد العزیز خاں مرحوم نے مالٹا میں اسوجہ سے کہ اب اُسمیں کوئی اسلامی مقبرہ نہیں
رہا تھا اور لوگ اسلامی مذہب کے وہاں مرتے تھے کیونکہ وہ ایک جہازوں کا مرکز ہے
بعض مسلمان تاجر بھی وہاں رہتے ہیں - جہازوں میں بعض مسلمان مریض ہوتے اور وہاں برائے امداد
اُتار دیئے جاتے ہیں - پھر اُن میں سے بعض مر بھی جاتے ہیں - بعض جہازوں کے مُردے بھی وہاں اُتار دیئے
جاتے ہیں - ایک بڑا قطعہ زمین کا برٹش گورنمنٹ سے خرید کر یا بلا قیمت لیکر اُسکا بڑا احاطہ اور حسب
ضرورت اُسمیں تعمیر بنوائی ہے - تعمیر فقط احاطہ کے آخری حصہ میں ہے جسمیں ایک طرف کچھ حصہ

ہیں غسل دینے کا سفید پتھر کا چبوترہ بنا ہوا ہے اور دیگر ضروریات غسل بھی وہاں مہیا ہیں اور دوسرے سامنے کے کمرہ میں بعض ضروریات نماز جنازہ و فرش وغیرہ رکھے ہوئے ہیں بیچ کا دالان نماز جنازہ کے لئے ہے دروازہ کے پاس ایک کونہ میں اس قبرستان کا محافظ ایک عیسائی معہ اپنے اہل و عیال کے رہتا ہے جو کہ ٹرکی حکومت کی طرف سے تنخواہ پاتا ہے۔ قبروں کا کھودنا اور غسل کے لئے پانی وغیرہ حاضر کرنا اسکا منصبی فریضہ ہے۔ چونکہ مالٹا میں کوئی مسلمان نہیں دو ایک باہر کے تجارت کرنے والے اگر ہیں بھی تو وہ ایسے کاروبار نہیں کر سکتے اسلئے بمجبوری اس کام کے لئے عیسائی کو رکھنا پڑا۔ ٹرکی حکومت کی طرف سے ہمیشہ ایک عالم امام یہاں رہتا ہے جو کہ اپنے ہاتھ سے ہر مسلمان مردہ کی تجہیز و تکفین غسل اور جنازہ وغیرہ کے فرائض کو ادا کرتا ہے وہ ایک بڑی تنخواہ ٹرکی گورنمنٹ کی طرف سے پاتا ہے اُسکی جائے قیام ٹرکی سفیر کا بنگلہ ہے جب کوئی مسلمان مرتا ہے تو گورنمنٹ مالٹہ کی طرف سے اسکو اطلاع دیجاتی ہے وہ گورکن کو اطلاع دیتا ہے اور حسب قاعدہ شرعیہ عمل کرتا ہے۔ گورنمنٹ مالٹہ کی طرف سے بھی اسکو ایک پونڈ فی کس ملتا ہے اور غالباً گورکن کو بھی کچھ ملتا ہے۔ ایام جنگ میں وہاں کے امام جمال الدین آفندی دیاربکری تھے۔ سفیر تو حسب قاعدہ اعلان جنگ سے پہلے ہی چلا گیا تھا مگر امام موصوف کو انگریزوں نے پکڑ لیا اور اسیر کر دیا گیا۔ بدیں حیلہ کہ ترکوں نے ہماری ایک عورت کو اسیر کر لیا ہے اسلئے ہم اُسکے بدلہ میں تمکو بھی اسیر کرتے ہیں۔ سُنا گیا ہے کہ اسی قسم کا انتظام خلافت ٹرکی کی طرف سے یورپ کے جملہ اُن مقامات میں ہے جہاں مسلمانوں کی آمد و رفت ہو یا سفراء رہتے ہوں جیسے لندن۔ پیرس۔ مارسیلیا وغیرہ وغیرہ۔ ہمارے قبرستان میں پہونچنے کے بعد ہی تھوڑی



دیر میں جنازہ پہونچا اُسیوقت پانی وغیرہ منگایا گیا۔ موجودہ لوگوں میں ایسے لوگ نہ تھے جن کو قواعد شرعی کے موافق غسل دینے کی نوبت آئی ہو اسلئے کاتب الحروف نے اس طرف توجہ کرنی ضروری سمجھی اور شیخ عبد الحمید مصری اور علی آفندی فہمی وغیرہ کو معین لیکر مرحوم کو غسل دیکر کفنایا حضرت مولانا مرحوم نے نماز پڑھائی اور دفن کر کے واپس ہوئے۔ قبرستان کا نقشہ تقریباً بصورت مذکورہ ہے مگر چونکہ رُخ قبلہ کا ذرا ٹیڑھا ہے اسلئے قبریں

عمارت کے لحاظ سے ذرا ٹیڑھی بنائی جاتی ہیں حضرت مولانا کو علی بیگ مرحوم کا خیال رہتا تھا اسکے بعد جب کبھی قبرستان میں جانا ہوا ہے تو اُسکی قبر پر ضرور جاتے اور کچھ پڑھتے تھے +

مولانا کی مراعات کا حکم

غالبًا ستمبر یا اکتوبر ۱۸۵۷ء میں ایک روز مولانا کو آفس میں بلایا گیا اور کمانڈر نے کہا کہ ہمارے پاس آپکے لئے خاص طور سے حکم آیا ہے کہ آپکی خاطرداری غایت درجہ کریں اور جو مراعات اور حقوق نوجی کپتان کے کئے جاتے ہیں وہ آپ کے ساتھ ملحوظ ہوں اسلئے ہم آئندہ اُن کا اہتمام کرینگے مگر آپکو کوئی ضرورت یا شکایت ہو تو بیان فرمائیے۔ مولانا مرحوم نے فرمایا کہ میں کیمپ میں جاکر کل کو لکھکر بھیجدوں گا۔ اُس نے کہا کہ اپنے قیام کیلئے جس کیمپ اور جس کمرہ کو آپ چاہیں پسند فرمائیں ہم وہاں انتظام کردیں گے۔ مولانا مرحوم نے فرمایا کہ میں اس کیمپ ہی میں رہنا پسند کرتا ہوں میں یہاں سے دوسری جگہ جانا نہیں چاہتا اُس نے کہا کہ وردالہ اور روال فرسٹہ میں اچھے اور آرام کے مکانات ہیں مولانا نے فرمایا کہ میرے لئے پیشاب کی سخت تکلیف ہے اسکا کوئی انتظام کردیجئے باقی اُمور کو میں کل لکھوں گا +

غرباء کو پسند کرنے کی وجہ

مولانا مرحوم کا طبعی مذاق تھا کہ وہ غربا اور معمولی آدمیوں میں رہنا پسند فرماتے تھے اور اپنی عادت لباس، چال، معاملات وغیرہ اُسی قسم کا رکھنا چاہتے تھے اہل دنیا اور امراء اور تکلف والوں سے گھبراتے تھے۔ طالب علموں سے بیحد اُنس تھا۔ ریل میں بھی تیسرے درجہ میں سفر کرنا پسند فرماتے تھے۔ مگر باایں ہمہ طبیعت میں صفائی بھی بہت زیادہ تھی۔ سفر میں عمومًا کافور ساتھ رکھتے تھے کیونکہ بہت سے میلے کچیلے آدمیوں کی بدبو سے سخت تکلیف ہوتی تھی عطر اور وہ بھی گلاب کا نہایت ہی مرغوب تھا سادگی اور زُد لوگوں سے میل ملاپ اور اُن سے مجالست نہایت زیادہ محبوب تھی۔ اپنے آپ کو بنانا، وضعداری، تکلف سے طبعی نفرت تھی۔ بارہا حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ نقل فرمایا کرتے کہ "عوام الناس کی پائخانہ (قضائے حاجت کی جگہ) بھی برکت والا ہے"۔ یعنی وہ پائخانے جو خواص اور امراء کیلئے بنائے جاتے ہیں اگرچہ وہ صاف اور ستھرے اور بدبو سے منزہ بہت زیادہ ہوتے ہیں مگر اُن میں نحوست اور خرابی ہوتی ہے بخلاف عوام کے پائخانوں کے حقیقت یہ ہے کہ نفس کو اپنی تعلّی مرغوب ہے وہ اپنی رفعت اور بڑائی کا از حد خواہاں ہے اور یہی تمام بڑائیوں اور دنیا و آخرت کی سیاہ روئیوں کی جڑ ہے۔ اسلئے اہل اللہ اور روحانی کامل حضرات جن امور میں تھوڑی سی بھی نفس کی تعلّی اور اُس کا تمیز احساس کرتے ہیں اُسکو بُرائی کی نظر

سے دیکھتے ہیں اور جسمیں کسرِ نفسی اور ذلت ظاہری نظر آتی ہی اُسکو معیوب رکھتے ہیں - ظاہری بدبو اور کثافت مادی، معنوی بدبو اور کثافتِ روحانی کے مقابلہ میں کوئی چیز نہیں اور نہ کوئی ہستی رکھتی ہے امراء کا پاخانہ نفس میں عُجب اور رعونت پیدا کرتا ہی اور عوام الناس کا پاخانہ اسکو نہیں پیدا کرتا - بلکہ برخلاف اسکے تواضع اور نفس کی حقارت دکھلاتا ہے اور انسانوں کو قدرے اپنی حالت اور نجاست کو بھی یاد دلاتا ہی جبکہ پائخانہ کی یہ حالت ہی تو دوسرے اوضاع، اطوار، مکانات، البسہ، وغیرہ کو اسی پر قیاس فرمایئے فرماتے تھے کہ فقہاء نے حوض سے وضوء کرنے کو افضل لکھا ہی شراح فرماتے ہیں کہ اسکی وجہ یہ ہے کہ معتزلہ کا خلاف ہو اور اُن کی دلشکنی کیجائے مگر کہیں منقول نہیں کہ معتزلہ نے حوض سے وضو کرنے پر کسی قسم کا انکار کیا ہو - میری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ نفس کی اصلاح اسمیں بہت زیادہ ہوتی ہی اور اُسپر نہایت شاق بھی گذرتا ہے کیونکہ ایک ہی جگہ سے ایک شخص نے پاؤں دہویا ہے دوسرا آتا ہی اور اُسی پانی کو منہ میں اور ناک میں ڈالتا اور اُس سے چہرہ کو دہوتا ہے - اسلئے نفسِ امارہ والے اور بڑے بڑے دنیادار اس سے وضو کرنے میں اپنی ہتک اور بے عزتی سمجھیں گے غالباً حوض میں وضو کرنا اسی بناء پر نہایت افضل ہی - واقعیت تو یہ ہے کہ یہ دونوں اُستاد شاگرد (یعنی حضرت مولانا نانوتوی قدس اللہ سرہٗ العزیز اور حضرت مولانا شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ) اس بات کی تلاش میں رہتے تھے کہ کس بات میں فروتنی، نفس کشی، خمول، تواضع، انکساری ہوتی ہی اُسکے لیئے ازحد کوشاں ہوتے تھے - اور جس چیز میں رعونت، جاہ طلبی، نفس پرستی، شہرت تعلّی، خودداری، ہوتی تھی اُس سے کوسوں بھاگنے کی فکریں کرتے تھے - پھر یہ نہ تھا کہ عام قاعدہ کے موافق زبانی اور ظاہری تصنع پر ہی ہو لیوں تو ہم سبھوں کی حالت ہی کہ اپنے آپ کو زبان سے کمترین خلائق ننگِ دنیا، ذرہ بیمقدار، نابکار، ننگِ خلائق، وغیرہ کہتے رہتے ہیں اور لکھتے بھی ہیں مگر یہ سب کارروائی منافقانہ اور ریاکاری کی بناء پر ہوتی ہی قلب میں اسکا ذرا بھی اثر نہیں ہوتا بلکہ اسکے برعکس ہی خیال دل میں جاگزین ہوتا ہی کہ ہمچو من دیگرے نیست اور اسی وجہ سے دوسروں کی عیب جوئی اُن کی نکتہ چینی غیبت وغیرہ ہوتی رہتی ہے - کسی اپنے معاصر کی بلکہ بسا اوقات اپنے سے پہلوں کی کوئی بھلائی سُن لیتے ہیں تو بدن میں آگ سی لگ جاتی ہے اور طرح طرح سے اُس میں عیب نکالے جاتے ہیں کوشش کیجاتی ہی کہ یہ شخص لوگوں کی نظروں سے ساقط ہو جاۓ - اگر کوئی ہمکو جاہل، نالائق، احمق، گدھا، کُتا، سور وغیرہ کہدیتا ہے تو

آگ بگولا ہو جاتے ہیں۔ اگر ہم کمترین خلائق کہنے میں سچے تھے تو گدھا کتا وغیرہ کہنے سے کیوں برا مانتے ہیں آخر خلائق میں سے تو وہ بھی ہے۔

الغرض مولانا نے اپنے نفس کو ریاضتوں وغیرہ سے اس طرح مہذب بنالیا تھا کہ صادقین کے زمرۂ شریفہ میں داخل ہو کر منصب عظیم حاصل کر لیا تھا اُن کی یہ فروتنی کسر نفسی حالی تھی قالی نہ تھی اُن کا قلب اُسی بات کو دیکھتا تھا جسکو اُن کی زبان اور آنکھ ظاہر کر رہی تھی۔ وہ اپنے آپکو واقع میں ایک معمولی مخلوق اور ایک ادنیٰ درجہ کا انسان دیکھتے تھے۔ مجکو اس وقت مولانا عبدالصمد مرحوم مدرس دارالعلوم دیوبند کا مقولہ یاد آتا ہے وہ مولانا مرحوم کی شان میں فرمایا کرتے تھے کہ "غالباً اس شخص کے دل پر کبھی خطرہ بھی نہیں گذرتا ہے کہ میں کوئی چیز یا عالم ہوں" جن لوگوں نے مولانا کے احوال اور اُن کی لائف پر تھوڑی سی بھی نظر ڈالی ہوگی وہ اسکو صحیح اور واقعی بات سمجھیں گے وہ ہر ایک کو اپنے سے بڑا اور افضل دیکھتے اور ایسا ہی اُس سے معاملہ کرتے تھے۔ یہ حالت اُن کی طبیعت بنگئی تھی جسمیں ذرا بھی تکلف کرنا نہ پڑتا تھا۔

الحاصل یہ شام کے عرب لوگ چونکہ اہل منصب تھے اہل مال نہ تھے اہل علم نہ تھے بلکہ عوام الناس میں سے تھے مگر قلوب میں اُن کے ایمان تھا دماغ میں اُنکے انکساری تھی سینہ میں اُن کے اسلام کا روشن چراغ تھا اُن کے جگر میں سادگی اور مذہبی درد تھا اسلئے مولانا مرحوم کو اُن کے ساتھ زندگی بسر کرنا لاکھوں اور کروڑوں اصحاب منصب و دولت کیساتھ بسر کرنے اور کروڑوں سامان راحت جسمانی سے زیادہ تر محبوب اور پسند تھا۔ یہاں پر روحانی راحت تھی یہاں پر کوئی تکلف کی حاجت نہ تھی۔ یہاں پر جماعت اور نماز کی پابندی تھی اِن لوگوں کو جو نصیحت کیجاتی تھی دل و جان سے قبول کر لیتے تھے اور شریعت کی پابندی کی کوشش کرتے تھے اس خواہش میں رہتے تھے کہ ہمکو کوئی خدا اور رسول کا حکم اور فرمان معلوم ہوجائے کہ ایمان تازہ ہو۔ پھر اس کیمپ میں اگر چہ نیچے کے درجہ والوں میں رہنا ہوتا تھا مگر کوئی غیر مسلم نہ تھا۔ کیمپ بھی ایک طرف کو علیحدہ واقع تھا ہر چیز ہم نہایت آزادی سے اسلامی طریقہ پر علانیہ کر سکتے تھے۔

مولانا نے اپنے تشریف لانے کے بعد ہم خدام سے بیان فرمایا اور حکم کیا کہ جن چیزوں کی حاجت ہو اور مناسب معلوم ہو اُسکو لکھو۔ اسلئے ہم نے اگلے دن ایک مفصل عرضی لکھی جسکا خلاصہ یہ تھا کہ ہم گرم ملک کے رہنے والے ہیں مالٹا نہایت سرد جگہ ہے جس طرح اہل یورپ کو افریقہ کی گرمی ستاتی اور امراض پیدا کرتی ہے

اسی طرح ہم لوگوں کو ان سرد ملکوں کی آب ہوا مناسب نہیں ہوتی ہیں (مولانا) چونکہ ضعیف العمر ہوں
اور مختلف امراض مزمنہ میں مبتلا بھی ہوں۔ ہمیشہ وطن میں باوجود گرم ملک ہونیکے سردی سے مجھکو بہت
زیادہ ضرر پہنچتا تھا اسلئے میں مالٹا کی تکلیف کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ ہمیشہ مجھکو اپنی اور اپنے رفقا کی نسبت
یہی خوف رہتا ہے کہ یہاں کی نہایت سرد ہوا سے کسی سخت بیماری کا سامنا نہ ہو جائے۔ اسلئے ضروری ہے
کہ جبکہ میں کسی قسم کا واقعی مجرم نہیں ہوں تو جلد آزاد کر دیا جاؤں اور اگر یہ منظور نہیں ہے تو کم از کم اتنا
تو ضرور ہو جاوے کہ مجھکو اسارت ہی میں رکھا جائے مگر اپنے وطن ملک ہندوستان میں منتقل کر دیا جاؤں۔
اور اگر یہ بھی نہیں کیا جاتا تو اتنا تو کر دیا جائے کہ ان شہروں میں بھیجا جائے جہاں پر سردی زیادہ نہیں
ہوتی تاکہ اسلامی شہر اور گرم ملک ہونے کی بنا پر مجھکو مختلف تکالیف کا سامنا نہ ہو۔ مجھکو اور میرے رفقا
کو کھانے کی سخت تکلیف ہے ہم گوشت کھانے کے عادی ہیں جسپر طبی حیثیت سے بھی مدار زندگانی شمار کیا
جاتا ہے مگر موجودہ گوشت ہمارے مذہب کے بالکل خلاف ہے۔ مالٹا سے اگرچہ زندہ حیوان منگانے کی ہمکو
اجازت دیدی گئی ہے مگر وہ اسقدر گراں ہے کہ ہمارا موجودہ سرمایہ بہت احتیاط سے صرف کرنے میں بھی اکثر
خرچ ہو گیا۔ علاوہ اسکے دیگر اشیاء بھی ہماری طبیعت اور عادت کے موافق جسپر ہمارا نشو و نما ہوا ہے یہاں بہم
میسر نہیں ہوتیں۔ لباس جو سرکار کو ملتا ہے اس سے بھی ہم نفع نہیں اٹھا سکتے کیونکہ وہ ہماری وضع کے
بالکل مخالف ہے ہم نے ایک سال سے زیادہ ہو چکا ہے فقط دو تین چیزیں ضروری لی ہیں ابتک ہم اپنا لباس
جو ہمارے ساتھ تھا استعمال کرتے رہے مگر وہ اب پرانا ہو گیا ہے اسلئے اسکا انتظام ہونا چاہیئے ہمکو اس مکان
سے بدل کر دوسرے کیمپ میں جانیکی ہرگز خواہش نہیں مگر البتہ ہمکو جو تکالیف ہیں ان کا دفعیہ کر دیا جائے یعنی
پیشاب وغیرہ کیلئے کوئی قریب جگہ ہمکو بالفعل تو دیدی جائے اور ہماری آزادی یا انتقال مکانی کے لئے
بہت جلد کوئی صورت پیدا کر دیجائے ۔ اس عرضی کو عربی اور انگریزی میں لکھواکر کماندار کے پاس بھیجدیا گیا
اس سے دو ہی ایک دن پہلے یہ بھی واقعہ ہوا تھا کہ ڈاکٹر نے بلاکر مولانا سے ان کی صحت وغیرہ کی نسبت پوچھا
تھا اور کہا تھا کہ گورنمنٹ ہند سے حکم آیا ہے کہ آپکی صحت کی تحقیقات کرکے میں اسکو اطلاع دوں اس سے
بھی یہ ہی امور کہدئے گئے تھے۔

اس عرضی کے بعد فقط اتنا ہی عمل ضرور ہوا کہ ایک لوہے کا پلنگ اور ذرا بڑا سا گدہ مولانا کے لئے آیا

اور ایک کوٹھری میں جسکا میں نشان پہلے دیکھ چکا ہوں پیشاب کے لیے بالٹی اور چوکی رکھوا دی گئی جسمیں
شب کو مولانا رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے ہمسایہ پیشاب کرتے تھے باقی امور کی طرف ادنیٰ توجہ بھی نہ کی گئی

مسٹر برن کی آمد

اس واقعہ کے دو تین ماہ کے بعد اواخر جنوری یا ابتدائے فروری ۱۹۱۸ء میں ایک روز
ہم سب مسجونین کو آفس میں بلایا گیا ہمکو کوئی خبر پہلے سے نہ تھی ہم دفتر میں ایک طرف
کرسیوں پر بٹھا دیے گئے کچھ وقفہ کے بعد کمانڈر اور اسکے ساتھ ایک بڈھا انگریز دونوں آئے
اور مولانا اور ہم سبھوں سے ہاتھ ملا کر بیٹھ گئے اُس بڈھے نے اردو میں باتیں کرنی اور مزاج پرسی وغیرہ
شروع کر دی - مولوی عزیز گل صاحب نے خیال کیا کہ یہ منسٹر ہے اس دفتر میں ملازم ہو کر آیا ہے اُسنے جب
اُسنے جب خطوط اور پارسلوں وغیرہ کی نسبت سوال کیا تو انہوں نے نہایت بے رُخی سے کہا کہ آپ ہم سے
کیا پوچھتے ہیں اپنے دفتر میں سیکرٹری لیجئے اور اسی طرح اور بھی کچھ اکھڑی اکھڑی باتیں کیں اُسنے کہا کہ آپ
عزیز گل ہیں اُن کو اس واقفیت پر تعجب بھی ہوا اور پھر غالباً اُن کے مسکن شہر وغیرہ کا بھی ذکر کیا اُس وقت انکا
تعجب کچھ زیادہ ہوا اُسنے اپنا ہندوستان سے آنا اور انگلستان کا قصد کرنا بیان کیا اور تھوڑی دیر باتیں کر کے
رخصت کر دیا مگر حکیم نصرت حسین صاحب مرحوم کو روک لیا اور دوسرے کمرہ میں لیجا کر اُن سے بہت دیر تک
باتیں کرتا رہا اور کچھ بیان قلمبند کیا اُسکا بہنوئی ضلع فتحپور ہسوہ میں کلکٹر تھا اسلیے حکیم صاحب موصوف
اُسکے بہنوئی سے بوجہ زمینداری واقفیت بھی رکھتے تھے اُسکو بھی تقریب کا موقعہ اسوجہ سے ملا اُسنے انھیں باتوں
کے متعلق پوچھا جنکا ذکر مصر کے اخبار میں آیا تھا مگر اختصار کے ساتھ - البتہ حکیم صاحب سے اُن کے ضلع اور
زمینداری اور ہندوستان کے احوال کے متعلق بہت کچھ باتیں کیں اور اپنے عہدوں کے متعلق بیان کیا اور
یہ کہ وہ بالفعل گورنر یوپی مسٹن کا سکریٹری ہے کچھ عرصہ کی رخصت لیکر انگلستان کو جا رہا ہے
جب حکیم صاحب وہاں سے واپس ہوئے تب حقیقت کی اطلاع ہوئی شام کو دو بجے کے بعد مولانا مرحوم کو بلایا
اور انہیں معمولی باتوں کی نسبت پوچھا جنکا ذکر مصر میں مولانا سے ہو چکا تھا - مولانا نے اُسی قسم کے
جواب دیے البتہ نئی بات اُسنے ہندوستان کی نسبت دریافت کی اُسنے کہا کہ ہندوستان دار الحرب ہے
یا دار الاسلام مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ علماء نے اسمیں اختلاف کیا ہے اُسنے کہا کہ آپکی کیا
رائے ہے مولانا نے فرمایا کہ میرے نزدیک دونوں صحیح کہتے ہیں اُسنے تعجب سے کہا کہ یہ کیونکر ہو سکتا

مولانا نے فرمایا کہ دار الحرب دو معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے اور حقیقت میں یہ دونوں اُسکے درجات ہیں جنکے احکام جُدا جُدا ہیں ایک معنے کی حیثیت سے اُسکو دار الحرب کہہ سکتے ہیں اور دوسرے کے اعتبار سے نہیں کہہ سکتے اُسنے اُسکی تفصیل پوچھی۔ مولانا نے فرمایا کہ دار الحرب اُس ملک کو کہتے ہیں جسمیں کافروں کی حکومت ہو اور وہ اسقدر با اقتدار ہوں کہ جو حکم چاہیں جاری کریں اُسنے کہا کہ یہ بات تو ہندوستان میں موجود ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ ہاں اسلئے ہندوستان ضرور دار الحرب ہے اُسنے کہا کہ دوسرے معنے کیا ہیں مولانا نے فرمایا کہ جس ملک میں علانیہ طور پر شعائرِ اسلام اور احکامِ اسلامیہ کے ادا کرنے کی مانعت کیجاتی ہو۔ یہ وہ دار الحرب ہے کہ جہاں سے ہجرت واجب ہو جاتی ہے (اگر استطاعتِ اصلاح نہ ہو) اُسنے کہا کہ یہ بات تو ہندوستان میں نہیں۔ مولانا مرحوم نے فرمایا کہ ہاں جسنے دار الحرب کہنے سے احتراز کیا غالباً اُسنے اسی کا خیال کیا ہے۔ وہ چپکا ہو گیا اور لکھ لیا علاوہ اسکے اُسنے وہاں (مالٹہ) کی کیفیت وغیرہ دریافت کی۔ مولانا نے وہاں کی سردی وغیرہ کا ذکر فرمایا اُسنے مزاجی حالت دریافت کی اور یہ کہ یہاں کی ہوا سے آپکی صحت پر کیا اثر ہے اُسکی نسبت بھی مولانا نے مختصر کیفیت مخالف ہوا اور موسم اور اپنی سن رسیدگی اور ضعیف العمری کی ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر مجھکو قید رکھنا ہے یا نظر بند رکھنا ہے تو ہندوستان میں پہنچا کر یا دیوبند میں کہکر جسقدر چاہو مجھپر جو کی پہرے مقرر کر دو یا دوسرے مقام پر نظر بند کر دو مگر یہاں کی موجودہ حالت تو طبّی اور میری صحت کی حیثیت سے کسی طرح موزوں نہیں۔ اُسنے ان سب باتوں کو لکھ لیا۔

اسی طرح روزانہ صبح و شام اور دوسرے وقت بیانات لئے۔ میں (کاتب حروف) نے حسب عادت اپنے بیان میں بھی زمین آسمان کے قلابے ملائے اور پھر مالٹہ کی غذاؤں اور سامان رسد اور آب ہوا و موسم اور کپڑوں کی نسبت تو بہت ہی شکایتیں کیں اور پھر یہ بھی کہا کہ ہمکو تقریباً ڈیڑھ ہزار یا سوا ہزار روپیہ فقط اپنی جیب سے خرچ کرنا پڑا ہے ہمارا نقد بالکل ختم ہونے پر آگیا ہے۔ ہم ہرچند کفایت شعاری کرتے ہیں مگر اخراجات کی کثرت اور عدم موافقت غذا وغیرہ سے ہمکو یہاں سخت تکلیف ہے اور نہایت افسوس ظاہر کیا کہ گورنمنٹ نے ہمارے ساتھ یہاں جبکہ اسقدر تو ظالمانہ سلوک کر ہی رکھا ہے اور پھر بھی ہماری ضروریات اور صحت طبعی کی طرف ادنی درجہ کی بھی خبر گیری نہیں کرتی۔ ہمارے ساتھ مصری قید میں

گورنمنٹ مصر اُن کے اہل و عیال کیلئے دس دس بارہ بارہ پونڈ اور بعضوں کے لئے اس سے زیادہ ماہوار خرچ دیتی ہی اُن میں سے بہتوں کیلئے یہاں پر بھی خرچ آتا ہے - میرے بھائی ٹرکی کے یہاں اڈریانوپل میں نظر بند ہیں مگر اُن کو چھ چھ پونڈ ماہوار ٹرکی حکومت دے رہی ہی اُن کو قلعہ میں رکھہ رکھا ہی دن بھر تمام شہر اور ملحقات شہر میں پھرنے کی اجازت ہی فقط شہر سے دوسری جگہ سفر کرنے کی اجازت نہیں اہل و عیال کی بھی اجازت ہی اور جب سے اہل و عیال اُن کے پاس آگئے ہیں جب سے ہر ایک عورت اور بچّے کی بھی اسی حساب سے تنخواہ مقرر ہوگئی ہے اُسنے اسکی تصدیق سے انکار کیا - میں بھائی صاحب کے خط کو (جو کہ اڈریانوپل سے کچھ ہی عرصہ پہلے آیا تھا) لیگیا تھا اُسکو جیب سے نکالکر دکھلانا چاہا اور کہا کہ دیکھئے اس خط میں عربی میں یہ صاف لکھا ہوا ہے اُسنے عربی جاننے سے انکار کیا اور کہنے لگا کہ اُنہوں نے اپنے افیسر کے اثر سے یہ لکھدیا ہوگا حقیقت یہ ہی کہ بقول شاعر اذا ساء فعل المرء ساءت ظنونه (جب آدمی کے اعمال بُرے ہوتے ہیں تو اُسکے خیالات دوسروں کے ساتھہ بھی ویسے ہی بُرے ہوتے ہیں) برٹش گورنمنٹ اپنے ہی جیسا سبھوں کو سمجھتی ہی - کہنے لگا کہ وہ تو کھانے کو نہیں دیسکتے ہمارے اسیروں کے ساتھہ ایسا اور ایسا برتاؤ اُنہوں نے کر رکھا ہی اور اسقدر آدمی وہاں مر گئے ہیں - میں نے کہا کہ یہ خبر غیر واقعی آپکو پہنچی ہی - یہاں پر خطوط وہاں سے لوگوں کے آرہے ہیں ٹائمز میں لندن سے انگریزی اسرا کے احوال خطوط وغیرہ سے چھپکر آچکے ہیں وہ نہایت شکریہ کے الفاظ لکھتے ہیں وہاں پر سیاسی اسرا تو درکنار جنگی اسرا بھی کانٹے دار تاروں میں قید کرکے نہیں رکھے گئے *

ٹرکی میں اسرا کی حالت

اور حقیقت بھی یہی تھی کہ ٹرکی میں جو اسرا کی رعایت اور آزادی تھی انگریزی حکومت نے اُسکا آدھا تہائی بھی نہیں کیا - بلکہ ابتدائے جنگ میں تو برطانیہ نے ٹرکی اسیروں کیساتھہ جو کہ عراق وغیرہ میں پکڑے گئے تھے نہایت بُرا سلوک کیا افیسروں اور بڑے رُتبہ والوں کیساتھہ مجرمانہ اور معمولی قیدیوں کا سا برتاؤ کیا مگر جب دُرہ دانیال وغیرہ میں شکستیں ہوئیں اور اُن کے بھی اسیر پکڑے گئے اُسوقت سے کچھ ہوش آیا اور حقوقِ اسارت کا خیال ہوا - پہلے تو جب اسیر افیسروں نے اپنے حقوق کا حسب قوانینِ دول مطالبہ کیا تھا تو یہ کہتے تھے کہ تمہاری حکومت مفلس اور دو چار دن کی ہی ہم اگر تمپر خرچ کریں تو کس سے وصول کرینگے - جو اسرائے عراق ہندوستان سے مالٹہ آئے تھے اُن سے جملہ

احوال تفصیلی معلوم ہوئے تھے۔ میری خود اُن لوگوں سے ملاقات ہوئی جو کہ ٹرکی کے یہاں اسیر تھے۔ پھر اُن افسروں سے ملاقات ہوئی جنکے زیرِ تحویل اسراء انگریزی تھے۔ اور پھر جملہ احوال کی تفصیلی کیفیت سُننے میں آئی بعض انگریزی اسراء جو کہ انگلستان کے رہنے والے تھے اور اُن کی ملاقات پہلے سے اشرف بیگ اور بعضے دیگر افسروں سے تھی وہ چھوٹنے کے بعد مالٹا ہوتے ہوئے انگلستان گئے تھے اور ملنے کیواسطے اسارتگاہ میں آئے تھے اُنھوں نے اپنے اور دیگر اسرار کے معاملات نہایت شکریہ اور استحسان کے الفاظ میں بیان کئے تھے۔ یہ انگریز استنبول میں تجارت کرتا تھا ایامِ جنگ میں اسیر ہوگیا تھا اُس نے مالٹہ کے اسراء کی حالت دیکھکر ٹرکی کے اسرار کی حالت کو بدرجہا ترجیح دی اور گورنمنٹ ٹرکی کی انسانیت اور ہمدردی کی بہت تعریف کی۔

برٹش گورنمنٹ نے اپنی قوت کے گھمنڈ اور اپنی سیاست کے خوف کی وجہ سے اسراء سے وہ معاملات بھی نہ کئے جو بین الدول ہمیشہ سے مقرر چلے آتے تھے۔

یوروپ کی عادت ہے کہ کمزور کو قانون کی پابندی کراتا ہے بلکہ قانون کے مجمل الفاظ کو نئے نئے معنے پہناتا ہوا حسب خواہش عمل کراتا ہے۔ بسا اوقات انسانیت اور حقوق و عدالت کی ایسی کارروائیاں تراشتا ہے جنکا کبھی وہم و خیال بھی نہوتا تھا اُن کو فوق القانون قرار دیکر کمزور حکومت سے عملدرآمد کراتا ہے اور جب اپنے عمل کی باری آتی ہے اور خود میں قوت دیکھتا ہے تو سارے قانون دھرے رہجاتے ہیں اور بے وجہ اور کبھی با وجہ تراشیدہ غیر واقعیہ انواع واقسام کے مظالم اور بے قاعدگی برتتا ہے۔

یورپ کا واقعی تمدن، اصلی تہذیب، حقیقی قانون، نفس الامری عدل، فقط قوت ہی اُسکا اصلی مذہب "جسکی لاٹھی اُسکی بھینس" ہے جو قوم غیر یوروپین اور غیر مسیحی ہو وہ اگر کمزور ہی تو ہر طرح وحشی اور غیر متمدن ہی اُسکے ساتھ ہر طرح کے مظالم جائز ہیں۔ پھر اسپر طرّہ یہ ہی کہ نئی نئی منطقیں گھڑ کر جملہ اعمال بد کو قاعدہ عدل و انصاف میں داخل کر دیتا ہی اُسکے یہاں خلف وعد اور نقض عہد کوئی عیب نہیں۔ بلکہ کمال ہے۔ اُسکی نظروں میں جو شخص زیادہ مکار زیادہ فریبی زیادہ دھوکہ دینے والا زیادہ جھوٹ بولنے والا ہے۔ وہی بہت زیادہ پالٹیکس اعلیٰ درجہ کا سیاسی نہایت عقلمند ہے۔ اُسکا اصل اصول ہی کہ دوسری اقوام کی بنیادی زندگی، لوازمات، جملہ اسباب خوشحالی وجوہِ ترقی کو اپنی قوم اپنے ملک پر قربان

گرا دینا اور اس مقصود کے لئے ہر ممکن صورت کو عمل میں لانا اہم ترین فرائض اور سب سے بڑی انسانیت ہے۔ دوسری اقوام خواہ اپنی زندگانی سے محروم ہو جائیں مگر اپنا اُلّو سیدھا ہونا ضروری ہے۔ اگر دیگر اقوام پر کسی درجہ میں رحم کھاتا ہے تو اسی درجہ پر اُن کو باقی رکھنا چاہتا ہے کہ ذلیل و خوار ہو کر سسکتے کی زندگی بسر کرتے ہوئے غلامی میں سرگرم رہیں اُسکی چھین کھسوٹ غربا اور کمزور طبقہ پر اغنیا اور ذی ثروت طبقہ سے زیادہ ہے اُسکی بھینٹوں پر چڑھنے والے دو چار نہیں ہوتے بلکہ تمام قوم اور جملہ افرادِ ملک کو اُسکے ہر مقصد پر نثار ہونا ضروری ہے۔ وہ اپنی ضرورت کے وقت گدھے کو باپ بنانا لازم سمجھتا ہوا اُسکو فخر کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور ضرورت کے پورے ہو جانے کے بعد طوطہ چشمی کرنا اعلیٰ درجہ کی انسانیت اور کمال خیال کرتا ہے۔

اعلیٰ اور ادنیٰ اہلِ سیاست اور اعلیٰ درجہ کے فوجیوں کو کانٹے دار تاروں میں بند رکھنا اُنپر شب و روز سنگینی پہرے قائم کرنا اُن کی جسمانی اور روحانی آزادی بالکل سلب کر دینا۔ اُن کے احوال اور مرتبہ اور عادت کے موافق سامانِ راحت ایامِ اسارت میں بہم نہ پہونچانا وغیرہ وغیرہ قانونِ دول کے مطابق کسی طرح جائز نہ تھا۔ ٹرکی نے حسب قوانین دول و لوازماتِ انسانیت بہت زیادہ حقوق دئے مگر بدنصیب ٹرکی ایشیائی تھا یوروپین نہ تھا مسلم تھا مسیحی نہ تھا۔ کمزور تھا قوی نہ تھا۔ اُسکی بھلائیاں بھی بُرائیاں ہو گئیں اُسکی مراعاتیں بھی مظالم ہو گئیں۔ اُسنے دوسری دول کے اسرا کے ساتھ وہ معاملات کئے جو کہ اپنے قومی بچوں اور شاہی فوجیوں اور افسروں کے ساتھ کئے تھے۔ مگر وہ خطاوار نکلا۔ برٹش نے سب کچھ کیا مگر وہ سب بھلا کا بھلا ہی رہا۔ مصر میں ترکی فوجیوں کے ساتھ جو جو کارروائیاں کی گئیں ہیں جنکو میں نے اپنے کانوں سے سُنا ہے۔ اُن کو معلوم کر کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ پھر بالخصوص رمنی ڈاکٹر اُنپر رکھے جاتے تھے جنکو ایک تو پہلے سے ترکوں سے سخت دشمنی تھی ہی اور پھر بھڑکائے جاتے تھے ان کی ہر طرح امداد کیجاتی تھی۔ پھر کچھ نہ پوچھئے کہ اُنھوں نے ترکی بے زبان سیدھے سادھے مسلمان سپاہیوں پر کیا کیا مظالم ڈھائے ہیں۔ میں جب خیال بھی کرتا ہوں تو خداوند جل و علا کے حلم اور استغنا پر تعجب ہوتا ہے میں نہیں سمجھ سکتا کہ کیوں زمین نہیں پھٹ جاتی۔ آسمان نہیں ٹوٹ پڑتا۔ یہ قطعہ یوروپ کا کس طرح زمین پر قائم ہے۔ یہ ظالم درندے کب تک خداوندی ڈھیل میں سر چڑھتے رہیں گے اور کب تک مخلوقاتِ خداوندی کا خون انکی تیز و سخت کچلیوں کا شکار بنتا رہیگا۔ اے اللہ اپنے کمزور بندوں کا حامی اور مددگار بن

اے پروردگار اپنے سچے دین اور حقیقی مذہب کی خبر گیری کر۔ اے خدا ہماری اصلاح فرما۔ اور ہمارے دشمنوں کا نام و نشان روئے زمین سے اُسی طرح مٹا دے جس طرح تو نے فرعون ہامان قارون نمرود شداد کا نام و نشان گم کر دیا آمین یا رب العالمین؛

میں نے مسٹر برن سے ہندوستان کے سیاسی اسراء کا حال بھی ذکر کیا کہ ہمکو معلوم ہوا ہے کہ گورنمنٹ اُن کی دَو دَو سو اور تین تین سو ماہوار سے خبر گیری کرتی ہے اُس نے اقرار کیا مگر بڑی مقداروں کا انکار کیا۔ اُسنے مولانا مرحوم سے یہ بھی کہا تھا کہ آپ اپنے اہل و عیال کی طرف سے فکر نہ فرمائیں حکیم عبد الرزاق صاحب اُنکو پچاس روپیہ ماہوار دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ نہایت شرم کی بات انگریزی گورنمنٹ کے لئے تھی۔ قانوناً یہ ذمہ گورنمنٹ کا تھا۔ چنانچہ حکومتِ مصریہ ترکیہ وغیرہ نے اس قاعدہ کی مراعات رکھی تھی۔ ہمارے بیانات اُسنے لکھے اور کہا کہ میں ان کاغذات کو پارلیمنٹ میں پیش کروں گا۔ میں کچھ سہولت آپ لوگوں کے لئے نہیں کر سکتا۔ پھر مولوی عزیز گل صاحب کا بھی بیان لیا اور اُن سے سرحدی اخبارین وغیرہ پوچھیں مگر اُنہوں نے حسب عادت سختی ہی سے جواب دیا اُسنے جہاد کی نسبت بھی اِن سے پوچھا اُنہوں نے جواب دیا کہ آپ مجھکو مسلمان سمجھتے ہیں یا نہیں اُسنے کہا کہ ہاں، کہا کہ پھر کیا آپ کا خیال ہے کہ کوئی شخص بغیر قرآن کی تصدیق کئے ہوئے اور اسکے تمام حصوں کو مانے ہوئے مسلمان ہو سکتا ہے اُس نے کہا کہ نہیں۔ اُنہوں نے کہا کہ پھر اسکے کیا معنے کہ آپ مجھسے ایسی بات پوچھ رہے ہیں جسکو آپ خود جانتے ہیں کہ قرآن میں مذکور ہے اسی طرح کی بہت سی باتیں ہوئیں

حکیم نصرت حسین صاحب کی استقامت

سبھوں کے بیانات لکھنے کے بعد اُسنے حکیم نصرت حسین صاحب مرحوم کو بلایا اور اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد یہ کہا کہ میں تمپر کوئی الزام نہیں پاتا اور تمکو چھوڑ سکتا ہوں۔ ہندوستان آپ ابھی جا سکتے ہیں۔ اسی کے قریب ان سے بہاؤ الدین انسپکٹر سی آئی ڈی نے جدہ میں بھی کہا تھا۔ مگر اُنہوں نے اُسوقت بھی اکیلے چھوٹ جانے کی مخالفت کی تھی اور اب بھی کی۔ یہ کہا کہ آپکو ہم سبھوں کو چھوڑنا چاہیئے اُسنے جواب دیا کہ یہ میرے اختیار میں نہیں مگر تمھارا امر میرے اختیار میں ہے اُنہوں نے کہا کہ میں مولانا کو چھوڑ کر اگر ہندوستان چلا گیا تو تمام ہندوستان والے مجھکو کھا جائیں گے اور کہیں گے کہ تم مولانا کو پھنسوا کر اکیلے چلے آئے۔ میں اکیلا ہرگز نہیں جانا چاہتا۔ وہاں سے لوٹ کر جب آئے

اور واقعہ بیان کیا تو مولانا نے اور ہم سبھوں نے بہت اُن کو سمجھایا اور زور دیا کہ آپ ہندوستان کیلیے جانے پر راضی ہو جائیے اور چلے جائیے مگر اُنہوں نے ایک بھی نہ مانی - مولانا مرحوم نے یہ بھی فرمایا کہ آپ وہاں جاکر ہماری خلاصی کی کوششیں کر سکتے ہیں مگر یہاں تو ہماری طرح سے ہاتھ پیر بندھے ہوئے پڑے ہیں مگر اُن کی سمجھ میں یہ بھی نہ آیا - اور پھر تیسری مرتبہ جب وہ سخت بیمار ہوئے تب بھی مولانا مرحوم نے اُن کو کہا اور زور دیا کہ تم اپنی تبدیلی آب ہوا کی درخواست دیدو اُنہوں نے جوابدیا کہ موت اور حیات خدا کے ہاتھ میں ہے میں آپ سے جُدا نہیں ہو سکتا - خداوند کریم اُن کی مغفرت فرمائے - نہایت مستقیم اور بایا نداز شخص تھے

نقد کا بجائے رسد مقرر ہونا

مسٹر برن نے کوشش کی کہ ان لوگوں کو روزانہ ۱ے شلنگ اور مولانا مرحوم کو تین شلنگ دیا جایا کرے - اور علاوہ اسکے روٹی (ہمارے اِس کہنے کی وجہ ہے کہ ہم روٹی نہیں پکا سکتے گورنمنٹ کی روٹی لیں گے) کوئلہ، شمع، صابون، حسب عادت سابقہ ملنے کا حکم جاری کر دیا اور یہ کہا کہ ماہوار اِن سے قبض الوصول پر دستخط کرا کر ہندوستان بھیجدیا کرو وہاں سے آتا رہیگا - کپڑوں کے واسطے بھی اُسنے کوشش کی - جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ دنوں کے بعد ہمارے پاس کچھ نمونے کپڑوں کے بھیجے گئے کہ جن کپڑوں کو تم چاہو پسند کرو مگر چونکہ وہ بہت ہی گھٹیا تھے - مولوی عزیز گل صاحب نے اُن کو واپس کر دیا اُس کے کچھ عرصہ کے بعد اوّل سے کچھ بڑھیا نمونے آئے اُس میں سے ایک نمونہ پسند کیا گیا اور اُس سے ہر ایک کے لئے ایک پائجامہ ایک صدری ایک اچکن یا لانبا کوٹ بنوا دیا گیا - مگر آخر میں مولانا مرحوم کے لئے کپڑا کافی نہوا - کیونکہ درزی نے جو تخمینہ کر کے بتایا تھا وہ قطع کرنے کے بعد ناکافی معلوم ہوا - جب آفس سے طلب کیا گیا تو آفس نے امروز فردا میں بالکل ٹال دیا اُسکے بعد آخر تک پھر نہ گرمیوں کا نہ جاڑوں کا کپڑا بنوایا گیا - البتہ جو کپڑے معمولی ملتے تھے اُن میں سے تولیہ، پیروں کے بنیائن، کُرتہ، رومال، موزے، سلیپر، ہم لیتے رہے - مگر کوٹ پتلون وغیرہ مثل سابق ہم رد کرتے رہے - مسٹر برن نے سردی کی شکایت کی بناء پر جاڑوں کے لئے کوئلہ کی زیادہ مقدار مقرر کرادی جس سے ہم اپنے کمرہ کو روزانہ گرم کر سکتے تھے اخیر میں وہ ہماری قیام گاہ کو دیکھنے کے لئے خود آیا اور کمرہ کو اندر باہر سے دیکھا اور مولانا سے نہایت ادب اور تپاک سے پیش آکر مصافحہ کیا - اُس وقت مولانا ترجمہ قرآن لکھ رہے تھے اُسکو دیکھا پھر میز پر جتنی کتابیں رکھی ہوئی تھی اُن کو دیکھا - اُن کے نام پوچھتا رہا - اُن کے فنون سے بھی واقفیت حاصل

کی اُسکے بعد کہا کہ میں اب انگلستان چلا جاؤں گا۔ میں نے آپ سب لوگوں کے لئے ایسا اور ایسا انتظام کرادیا ہے اور پھر مصافحہ کر کے چلا گیا۔ فارسی اچھی جانتا تھا۔ کانوں میں اُسکے ثقل تھا باتیں نلکی لگاکر یا زور سے سنتا تھا۔ اگلے روز کماندار نے مولانا مرحوم کو معہ رفقاء کے بلایا اور کہا کہ مسٹر برن نے آپکے حق میں خاص طور سے ہمکو فہمائشیں کی ہیں اسلئے ہم آپ کو اطلاع دیتے ہیں کہ آپکے لئے اب سے نقد مقرر ہوگا اور آپکی خاص خاص رعایتیں کیجائینگی۔ جبکبھی کوئی ضرورت ہو آپ ہمکو اطلاع دیتے رہیں۔

اُسوقت سے ہماری رسد بالکل بند ہوگئی اور تقریباً پندرہ سولہ دن کے بعد ۲۰ فروری ۱۹۱۸ء روز چہارشنبہ سے نقد ملنے لگا اُسروز سے ہمکو اپنے مصاریف میں آسانی ہوگئی یہ مقدار اگرچہ باعتبار مالٹہ کی گرانی کے کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھی مگر پہلی سختیوں کے حساب سے بہت ہی غنیمت معلوم ہوئی اُسوقت ہمارے پاس تقریباً (۲۷) پونڈ باقی تھے مولانا مرحوم نے حکم فرمایا کہ ہم نہیں چاہتے کہ مقدار معینہ ماہانہ میں سے کچھ بچے اسکو صرف کرو اور بہ نسبت پہلے کے توسع برتو۔ تمھاری حسن انتظامی میں اسمیں نہیں سمجھتا کہ اسمیں سے بچاؤ ہاں یہ ضرور حسن انتظام میں شمار کروں گا کہ اصلی سرمایہ یعنی ۲۷ پونڈ تم محفوظ رکھو کہ آئندہ کسی ضرورت کے وقت میں کام آئے اسپر توسع کے متعلق رفقاء نے اسقدر پیر پھیلانا چاہا کہ اس مقدار میں بھی پورا پڑنا مشکل ہوگیا۔ اِدھر اسکی خبر ہندوستان لکھی گئی مگر اُسی کے ساتھ غالباً وحید نے یا میں نے لکھدیا کہ اگرچہ یہ مقدار بہت ہی زیادہ مشکلات سے رہائی کی سبب بنگئی ہے مگر مالٹا کی گرانی سخت درسخت ہے ایک انڈا ان دنوں سہ ۳ اور ایک مرغی چھ روپیہ کو اور اسی طرح دیگر اشیاء ہیں۔ اسکی بنا پر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ مرحومہ نے غالباً گورنر یوپی کے پاس عرضی بھیجی کہ جو مقدار مولانا کے لئے مقرر کی گئی ہے وہ مالٹا کی گرانی کی وجہ سے کافی نہیں ہے اسلئے یا تو تم خود اُنکے لئے کافی مقدار پہونچاؤ یا ہمکو اجازت دو اور انتظام کردو۔ ہم یہاں سے نقد روانہ کردیں۔ وہاں سے جواب آیا کہ تم فکر مت کرو ہم خود انتظام کریں گے۔ وہاں سے حکم مالٹا میں زیادتی کا پہونچا افسر نے مولانا اور کاتب الحروف کو طلب کیا۔ اور مصاریف کی قلت کی نسبت دریافت کیا۔ ہم نے جواب دیا کہ آپ کو معلوم ہے کہ انسان کا مدار زندگانی گوشت پر ہے جسکو جملہ اہل یورپ تسلیم کرتے ہیں۔ ہم یہاں کی گرانی کی وجہ سے بہت زیادہ کفایت کرتے ہوئے ہفتہ میں فقط تین دن گوشت کھاسکتے ہیں بھی

یہاں ملتا نہیں بجائے اُسکے زیتون کا تیل استعمال کیا جاتا ہے اُسکی بھی ایک بوتل ۱/۲ شلنگ (للعبر) میں آتی ہے جو کہ بمشکل تمام ہمکو دو دن کافی ہوتی ہے اور بعض کھانوں میں تو ایک بوتل ایک دن میں خرچ ہو جاتی ہے شکر ۱۱/ پونڈ ہے اسی طرح جملہ اشیا کی حالت ہے اُسنے اُسوقت سے فی کس دو شلنگ یومیہ اور مولانا کے لئے چار شلنگ یومیہ کر دئے (واضح ہو کہ شلنگ ۱۲/ کا ہوتا ہے)۔

مسٹر برن کے لائے ہوئے خطوط

مسٹر برن کے جانے کے تقریبًا ایک ماہ یا کچھ زیادہ دنوں کے بعد لندن ہوتے ہوئے بہت سے خطوط آئے جنمیں حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب مرحوم، مولانا خلیل احمد صاحب، مولانا حبیب الرحمن صاحب، مولانا حافظ محمد احمد صاحب، مولانا حکیم محمد حسن صاحب، اور دیگر اعزہ و احباب کے خطوط تھے سب نے بتاکید لکھا تھا کہ مسٹر برن چیف سکریٹری سٹن گورنر یو پی جاتے ہیں ہم آپسے خواہشمند ہیں کہ آپ اُن کی پیش کردہ شروط کو قبول فرماکر بہت جلد ہندوستان تشریف لائیں۔ ہرگز اُن کے مطالبات کو رد نہ فرمائیں۔ ہماری استدعا پر گورنمنٹ نے یہ صورت قبول کی ہے اس قسم کی باتیں اور یہی مضمون سب میں تھا۔ اُسوقت حقیقت مسٹر موصوف کے آنے کی معلوم ہوئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حسب اشارہ احباب نے ایک وفد علماء کا گورنمنٹ کے پاس مولانا کی رہائی کے لئے پیش کیا تھا جسکی وجہ سے مسٹر موصوف مالٹہ میں آئے ہیں اور ان خطوط کو بھی لائے ہیں مگر غالبًا کسی سیاسی غرض سے ان خطوط کا یہاں دینا مستحسن نہ سمجھا گیا۔ بلکہ وہاں پہونچنے پر بھیجدیا گیا۔

اسکے بعد بعض اُمور میں ہماری خاص خاص رعایتیں کی گئیں مثلاً ایک زمانہ میں شکر بازار میں نہیں تھی اسلئے تمام اسراء کو سخت تکلیف ہو گئی تھی۔ ہم نے آفس سے مراجعت کی اُسنے خاص طور سے انتظام کر دیا جسکی بنا پر بقیمت وقت ہمکو شکر مل جاتی تھی۔ اسی طرح ظہر کے بعد سیر کے لئے دوسرے کیمپوں میں جانیکی بھی ہفتہ میں تین دن کی اجازت ہو گئی۔ جسکو میں پہلے ذکر کر چکا ہوں ✤

مولوی عزیر گل صاحب کا اشتغال

مولوی عزیر گل صاحب مختلف اوقات میں اعمال سلوک تعلیم کردہ حضرت مولانا مرحوم میں مشغول رہتے تھے اور پھر کچھ وقت قرآن شریف کے یاد کرنے میں بھی صرف کرتے تھے انہوں نے زبان ترکی کے سیکھنے کی طرف بھی توجہ کی اور تھوڑے ہی دنوں میں بحمد اللہ اچھی خاصی ترکی بولنے لگے۔ اُسکے بعد انگریزی زبان کی طرف متوجہ ہوئے مگر بدبخت یا خوش نصیبی نے انہیں

دستگیری نہ کی۔ ان کو حسب خواہش کوئی اُستاد نہ ملا اور کچھ طبعی عدم استقلالی بھی اس فن کے کمال سے مانع ہوئی۔ قرآن شریف کی طرف توجہ بہت کی مگر ضعف حافظہ اور عدم استقلال طبع سد راہ ہوتا رہا۔ موصوف کو اسکا شوق بہت ہے یاد بھی جلد کر لیتے ہیں مگر بھول بھی جلد جاتے ہیں۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی نظر عنایت ان پر بہت زیادہ تھی اور بہت بے تکلفی سے ان سے رہتے تھے۔ جو بے تکلفی ان سے برتتے رہے وہ کسی اور کے ساتھ عمل میں نہیں آئی +

وحید کا اشتغال

اسنے ابتدا ہی سے اجنبی زبانوں کی طرف توجہ کی اور اوّلاً فرانسیسی پھر جرمنی زبان کو سیکھا پھر جب دیکھا کہ پانسہ جنگ پلٹ گیا تو انگریزی کی طرف متوجہ ہوا۔ مختلف فنون عربیہ خصوصاً حدیث اور تفسیر کی چند کتابیں اس سفر میں اسنے مولانا سے پڑہیں مگر بدقسمتی سے نہایت بے اعتنائی اور کم محنتی سے پڑھا گیا +

کاتب الحروف کا اشتغال

مجھکو طالب علمی کے زمانہ سے شوق تھا کہ قرآن شریف حفظ کروں مگر بدقسمتی سے کبھی ایسا فارغ وقت نہ ملا تھا کہ اس مراد کے حصول کی کوئی صورت ہوتی۔ مدینہ منوّرہ میں بڑی بڑی مشکلوں سے سورہ بقرہ اور آل عمران کئی دفعہ یاد کی مگر سنبھال نہ سکا بھول گیا۔ جب طائف پہونچا پھر اُسکو دہرایا اور سورہ نساء، مائدہ، انعام، یاد کرلیں۔ مگر جب مکہ معظمہ آنا ہوا پھر بھول گیا۔ کثرت اشتغال نے مہلت نہ دی کہ آگے بڑہتا یا اُنہیں کی حفاظت کرتا۔ مالٹہ پہونچکر پھر از سرِ نو شروع کیا۔ چند دن تو وہاں کے انتظامات وغیرہ میں خرچ ہو گئے اُسکے بعد تقریباً نصف جمادی الاوّل سے اواخر شعبان تک پندرہ پارے یاد ہو گئے۔ چونکہ فارغ وقت فقط ظہر کے بعد دو ڈہائی گھنٹہ یا اس سے بھی کم ملتا تھا اسلئے زیادہ یاد نہ ہو سکا۔ اس رمضان میں مولانا نے فرمایا کہ نوافل میں سُنانا چاہیئے چنانچہ ہر شب میں تراویح کے بعد (جو کہ الم ترکیف سے ہوا کرتی تھی۔ کیونکہ ہمارے پڑوسی عرب زیادہ دیر تک سب کے سب نہیں کھڑے ہو سکتے تھے) نوافل میں سُنا کرتے تھے۔ رمضان شریف کے بعد پھر آگے یاد کرنا شروع کیا۔ مگر اس مدت میں مدینہ منورہ کے واقعات والد مرحوم کی خبر وحشت اثر اور جملہ کنبہ والوں کے رنجدہ واقعات نے تشویشیں بہت پیدا کیں۔ تاہم فضل و کرم خداوندی سے ماہِ صفر تک پورا قرآن ختم ہو گیا اور پھر روزانہ دور کر کے محفوظ رکھا اور رمضان شریف میں مولانا مرحوم نے سُن لیا۔ قرآن شریف یاد کر لینے کے بعد مجھکو بھی ترکی زبان کیطرف

توجہ ہوئی کیونکہ یہ بھی ایک دیرینہ آرزو تھی آہستہ آہستہ کچھ اسمیں شُد بُد ہوگئی۔ مالٹہ میں داخل ہوئے کیوقت بلا اسیر ہونیکے زمانہ ہی سے میری تین آرزوئیں تھیں۔ ترکی زبان سیکھنا، قرآن شریف حفظ کرنا، باطنی اشغال میں ترقی کرنا۔ خدا کے فضل و کرم سے دو اوّل کی تو ایک درجہ تک حاصل ہوگئیں۔ اور تیسرا مقصد باوجود صحبت شیخ کامل اور فراغ وقت اپنی بدنصیبی سے ناکام رہا ؎

تہیدستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل   کہ خضر از آب حیواں تشنہ مے آرد سکندر را

مگر تاہم مجھکو افضال خداوندی اور بزرگوں کی جوتیوں کے طفیل سے اس باب میں بہت کچھ اُمیدیں ہیں کہ لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ارشاد قرآنی ہے۔ اہل اللہ کی عنایت و توجہ کبھی نہ کبھی تو ضرور دستگیری فرمائیگی۔ اولئک قوم لا یشقی جلیسہم۔ و للہ الحمد والمنۃ +

مولوی حکیم نصرت حسین صاحب کا اشتغال

حکیم صاحب موصوف نہایت سلیم الطبع ذکی القریحہ مستقیم الاوقات تھے۔ اُنہوں نے علم حدیث وغیرہ دیوبند میں پڑھا تھا۔ باقی کتابیں لاہور کانپور دہلی وغیرہ میں پڑھی تھیں۔ دیوبند سے تکمیل کے بعد لکھنؤ وغیرہ میں طب کی تکمیل کی۔ جلسۂ دستاربندی دیوبند میں انکی دستاربندی ہوئی۔ مولانا شبیر احمد صاحب کے ساتھ دورہ میں شریک تھے۔ اُسی زمانہ جلسہ میں مولانا مرحوم سے بیعت بھی ہوئے تھے اپنے والدین کے اکلوتے بیٹے تھے۔ گھر پر جاکر زمینداری کے انتظامات اور مطب میں مشغول رہے اُسی زمانہ میں انگریزی بھی کچھ پڑھ لی مگر مشق پوری نہ تھی اس سفر میں بولتے بولتے اچھی طرح کام نکالنے لگے تھے۔ تقویٰ طبیعت میں ابتدا ہی سے تھا اسلئے نمازوں کو ہمیشہ اول وقت پر پڑھتے تھے۔ تہجد کا بہت ہی زیادہ خیال تھا۔ فضولیات کی طرف طبیعت کو رغبت نہ تھی اسلام کا درد اور وطن اور قوم کی محبت نہایت زیادہ تھی سیاسی اُمور میں پوری دلچسپی رکھتے تھے۔ ہندوستان کی آزادی کی ہمیشہ دُھن لگی رہتی تھی نہایت معزز خاندان کے نونہال تھے۔ کوڑا جہان آباد (ضلع فتحپور ہسوہ) ان کا آبائی وطن ہے۔ ان کے بعض احوال پہلے گذر چکے ہیں۔ جب یہ نظر بند ہوگئے تو اِن کو جدہ ہی سے خیال ہوا کہ اس وقت کو ہاتھ سے دینا نہ چاہئے بلکہ سلوک طریقت کی طرف توجہ مبذول کرنی چاہیئے چنانچہ انہوں نے مولانا مرحوم سے اسکی درخواست کی مولانا نے کوئی ذکر مناسب تعلیم فرمایا۔ چنانچہ انہوں نے نہایت پابندی سے جملہ امور تعلیم کردہ مولانا مرحوم پر عمل کرنا شروع کیا عموماً ہر وقت ذکر اسم ذات جاری رہتا تھا اور کچھ اوقات معینہ میں مراقبہ وغیرہ بھی کیا کرتے تھے وہ اسی طرح ہمیشہ

ذوالجلال سے بندھا ہوا ہے۔ ولله الحمد والمنة ؎

چونکہ مرحوم کا مرض نمونیہ تجویز کیا گیا تھا اور وہ امراض متعدیہ میں سے ہے اسلیئے کمانڈار اصرار نے مولانا مرحوم کو اور ہمکو بلاکر کہا کہ حکیم صاحب مرحوم کی نعش تمکو قبرستان میں ملیگی لیکن تم فقط دور سے نماز پڑھ لینا تابوت کے پاس کبھی مت جانا ہم نے اصرار کیا کہ ہمکو غسل دینا کفن پہنانا ضروری ہے اُسنے کہا کہ ڈاکٹر کا حکم ہے کہ اُن کے پاس ہی کوئی نہ جاوے ہم نے کہا کہ ہمکو شریعت کا حکم ہے غرضکہ اس بارہ میں مولانا مرحوم سے اور کمانڈار سے بہت زیادہ ردوقدح ہوتی رہی جب اُسنے زیادہ ردوقدح کی اور تقریباً آدھ گھنٹہ کی ردوقدح پر بھی راضی نہ ہوا تو ہم نے کہا اچھا ہم نہ نہلائیں گے مگر کفن تو پہنادیں۔ بڑی بڑی مشکلوں سے وہ اسپر بھی جب راضی ہوا جب مولانا خفا ہو کر کہنے لگے کہ جب آپکو ہمارے مذہبی ضروریات پر ادنیٰ توجہ نہیں تو پھر ہمکو کیوں بلایا خود ہی جو چاہتے تھے کر دیا ہوتا۔ یہ کہا اور لوٹ جانیکے لئے آمادہ ہو گئے اُسوقت اُس نے اجازت دی۔ مولانا مرحوم نے فرمایا کہ اس بہانہ سے ہم اُن کو تیمم کرا دینگے اور کفنا بھی دیں گے اور یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ شفاخانہ میں اُن کو اپنے طریقہ پر دوا کے پانی سے ڈاکٹروں نے خوب نہلایا تھا۔ مولانا نے فرمایا کہ وہ کافی تھا مگر ہم چاہتے تھے کہ طریق مسنون پر اُن کو نہلائیں۔

خلاصہ یہ کہ اُن کے لئے مقبرہ میں جانیکے واسطے ہم نے تقریباً پچاس یا ساٹھ آدمیوں کی اجازت طلب کی۔ کمانڈار نے اجازت دیدی۔ یہ سب وہاں گئے ایسا اجتماع کسی شخص کے جنازہ میں وہاں نہیں ہو سکتا تھا۔ اُن کو تیمم کرا کے کفنایا گیا اور پھر مولانا مرحوم نے بادل غمگین نماز پڑھائی اور دروازہ کے قریب ہی اُن کی قبر کھودی ہوئی تیار تھی اُس میں دفن کر دیئے گئے اُن کے مصارف جو کچھ وہاں واقع ہوئے تھے وہ تو ہم نے اپنے پاس سے دئے ہی تھے مگر گاڑیوں کا کرایہ کرنیل اشرف بیگ نے جو کہ کئی پونڈ کی مقدار میں ہوتا تھا بغیر ہماری اطلاع کے دیدیا۔ اُن کی قبر پر جو کہ مثل دیگر قبور کے خام ہے ایک پتھر حسب ایمائے مولانا مرحوم لگا دیا گیا ہے جسپر ذیل کی عبارت کندہ ہے۔ اس پتھر کو کرنیل اشرف بیگ ہی نے کندہ بھی کرایا تھا اور لگوایا بھی تھا کیونکہ اُسنے ایک بڑی مقدار نقود کی خرچ کر کے بطور یادگار جملہ اسرار مدفونین کیلیئے

الله
هو الباقی
هذا قبر الحکیم السید نصرت حسین
[illegible] جهان آباد الهند
[illegible] حضرة العلامة [illegible]
[illegible]
صلی الله علیه وسلم [illegible]
[illegible]

پتھر کندہ کرائے تھے اور بیچ میں ایک مربع ستون پتھر کا جسمیں سنگِ مرمر پر جملہ اُن ترکی اسرا کا نام کندہ تھا
جو کہ ایام اسارتِ جنگِ عمومی میں وہاں مدفون ہوئے کرنیل مذکور کی کیفیت اور تفصیل اسوقت چونکہ ممکن نہیں ہے
اسلئے اگر زندگی باقی رہی تو پھر لکھوں گا۔ مرحوم اپنے مرض وفات میں اپنے گھر کو اکثر یاد فرمایا کرتے تھے۔
چونکہ ضعیف العمر والدہ، جوان بیوی، دو نوعمر بچے اور دیگر رشتہ دار تھے۔ اسلئے طبعی رغبت ضرور تھی اور
پھر وہاں اسارت اور سفر میں کماحقہ خدمت نہیں ہوسکتی تھی۔ مالٹہ میں جو اسرار وفات پا جاتے تھے خصوصاً
غیر ممالک کے۔ اُن کے سینہ کو چاک کرکے اندرونی اعضاء کو دوا میں رکھا جاتا تھا جس سے غالباً یہ مقصود تھا
کہ اگر حکومت مخالفہ دعویٰ یا شبہ کرے کہ میّت کو کوئی زہر وغیرہ دیا گیا ہے تو دل اور جگر وغیرہ کی کیفیت سے
معلوم ہوسکے (واللہ اعلم) اسلئے ہم نے اوّلاً یہ کوشش کی کہ حکیم صاحب کے شکم کو چاک کیا جائے اور
اسپر مولوی عزیر گل صاحب نے بہت زور دیا۔ چنانچہ اُنہوں نے ایسا ہی کیا +

اسراء کا چھوڑا جانا

حکیم صاحب مرحوم کی وفات سے دو تین مہینہ کے بعد سے اسراء کا چھوڑا جانا شروع ہوگیا۔ اوّل
اوّل جرمنی لوگ چھوڑے گئے پھر آسٹرین بلغاری وغیرہ مگر بہت تھوڑی مقدار
میں لوگ چھوڑے جاتے تھے۔ تقریباً تین ماہ میں اکثر حصہ اسرار کا روانہ کردیا گیا۔ اُسوقت سب اسیروں کو مختلف
جگہوں اور کمپوں سے نقل کرکے وردالہ میں رکھا گیا۔ ترکی اور شامی اسرا اُسوقت تک نہیں چھوڑے گئے
تھے جو لوگ روگیٹ کمپ یا وال فرسٹہ یا سینٹ کلیمنٹ براکس وغیرہ میں تھے سب کے سب وہاں جمع کردیئے
گئے۔ جو لوگ زمانہ التوائے جنگ کے بعد استنبول سے پکڑے گئے تھے اُن کو اس اسارت گاہ سے بہت
دور رکھا تھا۔ اور اُن قدیمی اسیروں سے ملنے نہیں دیا جاتا تھا۔ اُنہیں میں شیخ الاسلام خیری آفندی
اور احمد پاشا انور پاشا کے والد ماجد اور دوسرے ترکی کے معزز اور اکابر عہدہ دار تھے اسوقت میں اُن کو
بھی یہیں جمع کردیا گیا۔ شیخ الاسلام خیری آفندی کا کمرہ ہمارے کمرہ کے قریب تھا۔ اس مرتبہ ہمکو وردالہ
میں دو کمرے دوسرے طبقہ پر نہایت مکلف ملے جسمیں سے ایک حضرت مولانا مرحوم کیلئے خاص کردیا گیا اور
اُس میں ایک طرف مولوی عزیر گل صاحب کی چارپائی تھی اور اُسمیں پردے کے باہر مہمانوں کے لئے میز
و کرسیاں بچھادی گئی تھیں اور دوسرے کمرہ میں کھانے پکانے کا جملہ سامان تھا اور اُس میں میں اور وحید احمد رہتے تھے
کھانا بھی وہیں کھایا جاتا تھا۔ ہمارے رفقاء اہل ہند ہم سے ذرا کچھ دور ہوگئے تھے۔ مگر اُسی کمپ میں تھے

کچھ تھوڑے ہی دن گذرے تھے کہ اُن کی روانگی کا بھی وقت آگیا اور وہ بھی اپنے اپنے وطن کو روانہ ہوگئے
اُسوقت سے ہمکو اپنے کاروبار میں ذرا دقّت کا سامنا ہوگیا۔ کیونکہ کوئی شخص کاروبار عزدریہ کا انجام دینے
والا نہ رہگیا تھا۔ مگر مسبب الاسباب ہر قسم کی آسانی پہنچاتا تھا۔ اسکے کچھ ہی عرصہ کے بعد باقیماندہ ترک اور
دوسرے اقوام بھی اپنے اپنے ممالک کو سفر کر گئے۔ جو لوگ کہ التوائے جنگ کے بعد پکڑے گئے تھے
وہ اور کچھ دوسرے لوگ باقی رہ گئے۔ وردالہ کا اکثر حصّہ فارغ ہوگیا تو ہمکو تقریباً ڈیڑہ ماہ رہنے کے بعد
وردالہ سے بھی وال فرسٹہ میں منتقل کردیا گیا۔ وال فرسٹہ کے کمرے نہایت ہی آرام کے تھے۔ ہر کمرہ
میں چار حصّے تھے۔ چوتھے حصّے میں نل اور غسل وغیرہ کا سب سامان تھا۔ ایک کمرہ ہم سبھوں کے لئے
کافی تھا۔ وہاں سے بھی لوگ آہستہ آہستہ سفر کرتے رہے۔ یہ سب کچھ ہوتا رہا اور تقریباً پانچ یا چھ ماہ اسیری
کو سفر کرتے گذر گئے مگر ہماری نسبت کوئی خبر نہ آئی۔ یہانتک کہ پُرانے اسرا میں سے فقط دس بارہ آدمی
باقی رہ گئے تھے جنمیں سے پانچ یا چھ اسٹرین جرمنی تھے جو کہ مصر کو جانا چاہتے تھے۔ کیونکہ اُن کے
متعلقین مصر میں تھے۔ حکومتِ برطانیہ اُن کو وہاں بھیجنا اپنی مصلحت کے خلاف سمجھتی تھی اور اسی طرح پانچ
چھ ترکی افیسر تھے جو کہ اپنی قوم اور وطن کے خائن تھے ایام جنگ میں انگریزوں سے ملگئے تھے۔ وہ اپنے
ملک میں واپس ہونا نہیں چاہتے تھے وہ بھی مصر جانا چاہتے تھے +

اسی وال فرسٹہ میں سعید حلیم پاشا سابق صدر اعظم ترکی اور اُن کے بھائی عباس حلیم پاشا
سابق گورنر بروسہ کرنیل جلال بیگ جرنیل علی احسان پاشا جرنیل فخری پاشا شیخ الاسلام
خیرالدین آفندی جرنیل محمود پاشا وغیرہ وغیرہ اکابر ترکی تھے جن سے اکثر ملاقات ہوتی تھی
اور مولانا سے ملنے کے لئے یہ حضرات آیا کرتے تھے۔ آخر کار انتظار کرتے کرتے ہمارے لئے بھی وقت آپہنچا

قاعدہ تھا کہ جب کسی اسیر کی نسبت روانگی قرار پاتی تھی تو اُسکو آٹھ دس دن پہلے خبر دی جاتی تھی کہ وہ تیار رہے اور جس دن جانا ہوتا تھا یکبارگی اُسکو حکم روانگی کا	مالٹہ سے روانگی

دیدیا جاتا تھا۔ جبکہ ایک مرتبہ حکم دیا گیا ہم تیار ہوئے مگر آٹھویں دن خبر ملی کہ ابن آگبوٹ میں بیماری
ہے اسلئے دوسرے آگبوٹ میں جانا ہوگا۔ تقریباً دس پندرہ دن کے بعد ۲۲ جمادی الثانی ۱۳۳۸ھ
مطابق ۱۲ مارچ ۱۹۲۰ء جمعہ کے دن تقریباً دس بجے دن کے ہم وہاں سے روانہ ہوکر آگبوٹ پر سوار

کرا دیئے گئے۔ ہمکو سیکنڈ کلاس کے کمرے دئے گئے اور چونکہ وہ جہاز جنگ کی مہمات کی خدمت کے لئے تھا اسلئے اُسمیں جملہ کاروبار کرنے والے عموماً افغانی لوگ تھے جو کہ صوبۂ فرانسیٹر کے تھے ہمارے کھانے کا انتظام اُنہیں کے سپرد کر دیا گیا۔ چونکہ مولوی عزیر گل صاحب اُس صوبے کے پیر ہیں اِن سے اُن لوگونکی جب پشتو میں بات چیت ہوئی تو وہ اِن کے شیدا ہو گئے۔ اُنہوں نے نہایت اخلاص سے کھانے پینے وغیرہ کا انتظام کیا۔ مگر اُنپر افسروں کی سخت تاکید تھی کہ کوئی اُن میں سے نہ ہمارے پاس بیٹھے نہ بات چیت کرے فقط کھانا وقت پر پیش کر دیا کرے۔ وجہ یہ تھی کہ اُن کو خوف تھا کہ یہ سیاسی ہیں اِن لوگونکو خراب کر دیں۔ ۲۵ رجمادی الثانی ۱۳۳۸ھ کو مطابق ۱۵ مارچ ۱۹۲۰ء صبح کے قریب یہ آگبوٹ اسکندریہ پہنچا۔ وہاں عرصہ تک انتظار ہوتا رہا مگر قریب شام کے کچھ سپاہی اور افسر آئے اُن کے ساتھ ہم روانہ ہوئے۔ وہ لوگ ہم کو نہایت بے ترتیبی کے ساتھ لیگئے اسباب کو قلیوں کے سپرد کر دیا اور ہم کو ٹریموے میں سوار کرکے گوروں کے فوجی کمپ میں لیگئے اور وہاں پر مجرم سپاہیوں کے قید کا جو کمپ تھا اُس میں ہمکو داخل کر دیا اور ہم پر اُسی طرح سخت پہرہ کر دیا جیسا کہ اُن لوگوں پر تھا۔ شام کا وقت ہو گیا تھا کچھ کھانا اُنہوں نے ہمکو دیا اور ایک خیمہ میں جسمیں نہ گدّا تھا نہ بچھونا نہ چارپائی تھی نہ روشنی فقط کمبل دیکر پڑرہنے کو کہدیا۔ اسباب قریب عشا کے پہنچا۔ اُسکو بھی اُنہوں نے اندر داخل نہونے دیا۔ دروازہ پر باہر ہی رہا۔ اُس شب کو ہمکو سخت تکلیف اُٹھانی پڑی۔ صبح کو افسر آیا اور ہم نے جو کچھ معاملہ گذرا تھا بیان کیا۔ اُس نے بہت عذر معذرت کی اور اپنی لاعلمی ظاہر کرکے کہا کہ میں معافی کا خواستگار ہوں مجھکو بالکل اطلاع نہ تھی۔ الحاصل اُسنے اُسیوقت اپنے بڑے آفس میں جاکر گفت وشنید کرکے سیدی بشر میں جو کہ مصر میں قرارگاہ اسراء تھا بھجوا دیا۔ ہمارا اسباب تو گاڑی پر بھجوایا مگر ہمکو پیدل بھجوایا۔ جگہ نہایت دور تھی چلتے چلتے ہم نہایت پریشان ہو گئے۔ چونکہ عرصہ دراز سے قید میں تھے اسلئے چلنے کی عادت چھوٹ گئی تھی اور پھر مولانا کو بھی مشکل تھی۔ سپاہی بندوق لئے ہوئے ہمارے ساتھ تھے آخرکار ہم ۲۶ رجمادی الثانی کو تقریباً ایک بجے وہاں پہنچے۔ ہمکو اُسی وقت قرارگاہ کے اُس کمپ میں داخل کر دیا گیا جسمیں قسطنطینہ کے اسیروں کا ہوا کرتا تھا اُسمیں تین خیمے نصب کر دیے گئے اور چارپائیاں گدّے وغیرہ جملہ ضروریات مہیّا کر دی گئیں۔ داخل ہوتے وقت سب کی تلاشی لیگئی۔ مولوی عزیر گل صاحب

غفلت کی حالت میں آئے تھے اُن کے پاس (۲۷) پونڈ تھے اُن کو لیلیا گیا۔ اور رسید دیدی گئی۔
سیدی بشر میں اُسوقت ترکی اسرار کی بہت بڑی مقدار موجود تھی۔ غالباً آٹھ نو کمپ میں اسرار
وہاں موجود تھے۔ یہ سب کمپ افیسروں کے لئے تھے اور ہر کمپ میں خدمت کے لئے ترکی سپاہی تھے
ہمارے کھانے کا انتظام باہر سپاہیوں کے متعلق کیا گیا جو کہ ہندوستانی یا ولایتی تھے کیونکہ وہاں پر پہرہ
وغیرہ ہندوستانیوں کے ذمہ تھا وہ لوگ جیسا کہ خود کھاتے تھے دال روٹی لاتے تھے۔ گوشت بہت
کم ہوتا تھا۔ جو ترکی افیسر ارد گرد کے کمپوں میں موجود تھے۔ وہ ہم پر نہایت نہایت شفقت کرتے تھے۔
اور بہت زیادہ محبت اور لطف سے پیش آتے تھے۔ ہم نے خیال کیا کہ گنتی کے بعد حسب عادت جیسے کہ
دوسرے کمپ کھلتے ہیں اور لوگ آپسمیں ملتے ہیں ہمارے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا جائیگا۔ مگر ہمارے لئے بالکل
اجازت کسی سے ملنے اور آنے جانے کی نہ تھی بلکہ دوسرے اسرار سے دور سے باتوں کی بھی اجازت
نہ تھی۔ پھر یہ خیال کیا کہ شاید دو تین دن کے بعد جبکہ ایام قرنطینہ ختم ہو جائیں اجازت ہو مگر جب بھی
نہ ہوئی۔ جو انگریز افسر اور کمانڈار تھا اُس سے کہا گیا بلکہ ترکی افسروں نے خود درخواست کی تو اُس نے
کہا کہ یہ لوگ سیاسی ہیں اور تم جنگی ہو تمھارا آپسمیں اجتماع خلاف قانون ہے اخیر تک ہم آپسمیں نہ مل سکے
مگر چونکہ راستہ بعض بعض کمپوں میں سے تھا اسلئے چلتے چلتے بعض اشخاص سے مصافحہ وغیرہ ہو جاتا تھا وہ
لوگ ہمارے پاس اکثر ہدایا وغیرہ بھیجتے تھے۔ ہم انکار بھی کرتے تھے مگر وہ نہ مانتے تھے۔ کھانے کی حالت پر
اُنہوں نے کہا کہ تم کمانڈار سے کہدو کہ خشکہ رسد تمھاری ہمارے باورچیخانہ میں دیدیا کرے۔ ہمارے یہاں سے
کھانا پکا ہوا تمھارے واسطے آیا کرے گا چنانچہ یہی انتظام کیا گیا +

سیدی بشر سے سویز کو روانگی

تقریباً اٹھارہ روز وہاں اسی طرح قیام ہوا۔ ۱۳ رجب ۱۳۳۸ھ مطابق ۲ اپریل ۱۹۲۰ء
کو وہاں سے روانگی ہوئی۔ اور اُسی طرح سنگینوں کے بیچ میں ہم اسٹیشن پر پہنچائے گئے
فسٹ کلاس میں سفر کر کے شام کے قریب سویس پہنچے ہمکو خیال تھا کہ آگبوٹ وہاں
تیار ملیگا مگر بد قسمتی سے پھر کمپ اسارا میں قید کئے گئے وہاں پر آبادی سے دور اسارا نگاہ تھی جسمیں بہت سے
ترکی افیسر اور سپاہی تھے۔ پہرہ ہندوستانی سپاہیوں کا تھا۔ ہمکو مغرب کے بعد وہاں داخل کر دیا
گیا اور دو خیمے دئے گئے جنمیں رہنا شروع کیا۔ یہاں پر ہمکو سبھوں کے ساتھ رکھا گیا۔ وہ بیچارے

عراق سے پکڑے گئے تھے اور استنبول بھیجنے کے وعدہ پر سویز لائے گئے تھے جو کہ دو دو تین تین ماہ سے وہاں پڑے ہوئے تھے اُن لوگوں سے ملکر نہایت دلچسپی رہتی تھی۔ نہایت توجہ اور کرم سے پیش آتے تھے مگر عموماً افسر نہایت تنگدستی کی حالت میں تھے کیونکہ اُن کی نہ تو تنخواہیں ملتی تھیں نہ اُن کو آگے روانہ کیا جاتا تھا۔ فقط کھانے کا انتظام تھا۔ ہمکو بھی یہی دقت پیش آئی۔ چونکہ وہاں بھی چیزیں نہایت گراں آتی تھیں ادھر ہم سے جو پونڈ اسکندریہ میں لیلئے گئے تھے اُن کے بدلے ہمکو نوٹ دئے گئے ساورن نہیں ت ہم نے اصرار بھی کیا مگر ایک نہ سنی گئی۔ ساورن وہاں پندرہ روپیہ سے زائد کو تھی مگر نوٹ ایک ساورن کا دس کو چلتا تھا۔ سیدی بشر میں اور یہاں سویس میں یہی مقدار کام آئی۔ یہاں آگبوٹ کے انتظار میں ہمکو بہت زمانہ گذارنا پڑا تقریباً پونے دو مہینے گذر جانے کے بعد آگبوٹ کی آمد ہوئی۔

سویس سے روانگی

پانچویں رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ مطابق ۲۲ مئی ۱۹۲۰ء اتوار کے دن دس بجے صبح کو کمپ سے روانہ ہوکر آگبوٹ پر پہنچے فسٹ کلاس کمرہ ہمکو دیا گیا اور کمروں میں اسباب وغیرہ جما دیا گیا اُسی روز شام کو آگبوٹ روانہ ہوگیا۔ ۱۲ رمضان المبارک کو اتوار ہی کے دن آگبوٹ عدن پہنچا اور پھر ۲۰ رمضان المبارک کو پیر کے دن بمبئی پہونچنا ہوا۔ میں (کاتب الحروف) اور مولوی عزیرگل صاحب اکثر اسباب لیکر کنارہ پہونچے اور ہوڑی کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ اور وحید کے لینے کے لئے روانہ کیا اتنی ہی دیر میں بارش ہوگئی دریا میں طوفان آگیا جسکی وجہ سے اُس روز حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ اور وحید نہ آسکے۔ اگلے دن بمشکل تمام مولانا کو اُتارا گیا۔ بمبئی پہونچنے پر معلوم ہوا کہ ہم بالکل آزاد ہیں کسی قسم کی روک ٹوک ہمکو نہیں۔ بمبئی میں آگبوٹ پہونچنے پر سب سے اول سی آئی ڈی کا افسر انگریز مع دو تین ہندوستانی افسروں کے جنمیں بہاؤالدین صاحب بھی تھے آئے۔ اُس انگریز نے مولانا سے کہا کہ میں کچھ آپ سے علیحدہ باتیں کرنا چاہتا ہوں مولانا کمرہ میں چلے گئے۔ اُسنے کہا کہ مولوی رحیم بخش صاحب یہاں آ رہے ہیں آپ بغیر اُن کے ملے ہوئے ہرگز جہاز سے نہ اُتریں۔ یہ کہکر وہ چلا گیا۔ ہم نے عرصہ تک انتظار کیا۔ آخر کار ہم اسباب لیکر اُتر آئے اُسکے بعد مولوی رحیم بخش صاحب وہاں پہنچے۔ مولانا سے ملاقات ہوئی۔ معلوم ہوا کہ موصوف گورنمنٹ کیطرف سے مولانا پر اثر ڈالنے کی غرض سے بھیجے گئے تھے جس سے مقصد یہ تھا کہ مولانا یہاں پہونچنے کے بعد سیاسیات میں دلچسپی نہ لیں۔ مگر ایک تو مولانا کچھ اپنے ارادوں میں کمزور نہ تھے اُن کی پختگی گورنمنٹ اور خلقت پر ظاہر

ظاہر ہو چلی تھی۔ ادھر مولوی صاحب موصوف تہذیب تعلیم یافتہ بزرگوں کے دیکھنے والے۔ مولانا کی شدتِ عزم اور استقلال سے واقف تھے اسلئے وہ کوئی قوی اثر نہ ڈال سکے اُنہوں نے دھیمے الفاظ استعمال کئے اور جلسوں کی شرکت وغیرہ سے نفرت ضرور دلائی۔ جلسوں میں جو بے عنوانیاں ہوتی تھیں اُن کا بھی تذکرہ فرمایا اور اسپر زور دیا کہ مولانا اُترنے کے ساتھ ہی ریل پر سوار ہوکر دیوبند کو روانہ ہوجاویں۔ بمبئی میں خلافت والوں کے ہاتھ میں نہ پڑیں۔ اُنہوں نے یہ بھی فرمایا کہ میں آپکے قلبی ارادوں اور مذہبی عزائم سے روکنا نہیں چاہتا۔ مگر مناسب یہی معلوم ہوتا ہے۔ مبادا آپ پر اس ضعیف العمری میں کوئی اور بدظنی گورنمنٹ کو پیدا نہ ہوجائے۔ مگر وہاں تو بقول شخصے۔ ع یہ وہ نشے نہیں جنہیں ترشی اُتار دے ✣ اُن کا قلبی مذاق یہی تھا (مرض وفات کے زمانہ میں کئی مرتبہ فرمایا کہ میں اس مرض سے اچھا ہوکر قصد کرتا ہوں کہ تمام ہندوستان میں اسی تحریک اشاعت کیلئے دورہ کرونگا)۔ آخرکار ایک بمبئی نے شنی خلافت کمیٹی نے استقبال کیا اُنہیں کے مکان میں قیام فرمایا اُنہیں کے یہاں دعوتیں ہوئیں ایڈریس پیش کیا گیا ۲۲ اور ۲۳ رمضان کو قیام فرماکر جمعرات کی شام کو ۲۴ رمضان کی شب میں ایکسپریس پر روانہ ہوکر ۲۵ رمضان کی صبح کو ہفتہ کے دن دہلی پہونچے۔ ڈاکٹر انصاری صاحب کی کوٹھی پر قیام فرمایا اور اتوار کی شب کو وہاں سے روانہ ہوکر ۲۶ رمضان المبارک کو تقریباً ۹ بجے صبح کو دیوبند پہنچے۔ راستہ میں اہلِ میرٹھ نے ایڈریس پیش کیا میرٹھ شہر میرٹھ چھاؤنی مظفرنگر، وغیرہ پر بہت ہی زیادہ مجمع تھا اور دیوبند میں بھی استقبال کرنیوالوں کا جمِ غفیر تھا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ وامدنا بامدادہ ولاتحرمنا عن برکاتہ فی الدنیا والآخرہ۔ آمین یارب العالمین ✣

عرضِ حال

چونکہ میں اسوقت تک جیل کراچی میں حوالات میں تھا اور غالباً کل کو یعنی غرہ ربیع الاول کو مقدمہ سشن سے فیصل ہوجائیگا۔ اور ہمکو سزائے قید کا حکم قلم دوات کاغذ وغیرہ سے محروم کردیگا اسلئے آخری واقعات میں میں نے تفصیل سے کام نہیں لیا بعض بعض باتیں چھوڑ دیں میں ناظرین سے معافی کا خواستگار ہوں اور اُمیدوار ہوں کہ جو کچھ مجھسے غلطیاں واقع ہوئی ہوں اُن سے چشم پوشی فرماتے ہوئے میری مغفرت اور حسنِ خاتمہ کی دعا فرمائیں۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علےٰ اشرف الخلق سیدنا ومولانا محمد وآلہٖ وصحبہٖ اجمعین ✣

العبد العاجز العاصی حسین احمد غفرلہ الفیض آبادی ثم المدنی۔ فی یوم الجمعۃ اول ربیع الاول سنہ ۱۳۴۰ھ

تتمّہ

کرنیل اشرف بیگ کے مفصّل حالات

کرنیل اشرف بیگ

کرنیل اشرف بیگ ترکی حکومت کے نہایت سربرآوردہ لوگوں میں سے اور بہمدار صاحب مروّت والسانیت شخص تھا۔ ہمارے مالٹہ میں پہونچنے کے تقریباً دو ماہ بعد وہ مالٹہ پہونچا اور اتفاق سے جس کمرہ میں (بیگباشی) میجر حسن عزّت بیگ رہتا تھا اُسی میں قیام پذیر ہوا۔ ہماری اور موصوف کی ملاقات پہلے پہل کپتان (یوزباشی) علی بیگ مرحوم سے ملنے کے لئے جاتے وقت ہوئی تھی۔ کیونکہ ایک ہی موٹر میں جانا ہوا تھا اُسمیں وہ اور ایک اُسکا رفیق نوری افندی مصری اور حضرت مولانا مرحوم اور کاتب الحروف گئے تھے۔ جس وقت روانگی کے وقت آفس میں مجتمع ہوئے اُسوقت نوری افندی نے جو کہ پہلے سے ہم سے واقفیت رکھتا تھا اور اشرف بیگ موصوف سے بھی واقف تھا تعارف کرایا تھا۔ پھر علی بیگ مرحوم کے پاس قیدخانہ میں پہونچکر اور بھی زیادہ تعارف ہوا۔ اُسی روز سے مولانا مرحوم کو اُس سے اور اُسکو مولانا مرحوم سے بہت زیادہ تعلق ہوگیا۔ اور اخیر تک نہایت گہرا تعلّق رہا۔ کرنیل موصوف کے والد ماجد سرکیشیہ کے رہنے والے ایک بڑے قبیلہ کے سربرآوردہ لوگوں میں سے نہایت دیندار شخص تھے۔ اُسکے اِس مُلک پر تسلّط کرلینے کے بعد بہت سے خاندانوں نے وہاں سے ہجرت کرکے مختلف تُرکی ممالک میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ اِن کے والد ماجد وہاں سے آئے اور استنبول میں پہنچے سلطان عبدالحمید خاں مرحوم نے اِن کے حال پر نظرِ عنایت کی اور خاص توجہ سے اُن کو اور اُن کے جملہ متعلقین کو باریاب کیا اور اپنے خاص عجائب خانہ پرندگاں کا اِن کو داروغہ بنا دیا جسکو ترکی میں قوش باشی اور عربی میں باشبۃ الطیور کے لفظ سے اِس زمانہ میں یاد کیا جاتا ہے۔ اشرف بیگ موصوف پر لڑکپن ہی کے زمانہ سے سلطان عبدالحمید خاں مرحوم کی نظرِ عنایت بہت زیادہ تھی اپنے بچوں کے ساتھ محلسرا میں

انکی تربیت فرمائی قرآن شریف حفظ کرایا اور جب قرآن شریف تمام ہوا تو اُس روز خاص جشن کیا عمائد اور اکابر وغیرہ کی دعوت کی اور اُستاد کو خلعتیں دیں۔ لکھنا پڑھنا سکھلایا۔ اور بڑے ہونیکے بعد مکاتب حربیہ وغیرہ میں داخل کیا +

اشرف بیگ کی اخلاقی حالت

چونکہ سرکش لوگ نہایت تندرست، قوی، جنگجو، بہادر عموماً ہوتے ہیں اور اُن میں سے یہ خاندان نہایت سربرآوردہ تھا اسلئے فطرتی طور پر اشرف بیگ نہایت مستقل مزاج، نہایت صابر، جفاکش، بہادر، ابتدائے عمر سے واقع ہوا تھا۔ اُسکی ابتدائی عمر کی جفاکشی اور مستقل مزاجی کے نہایت دلچسپ واقعات ہیں جنکو اُس نے خود اپنی سوانح عمری میں دکھلایا ہے۔ ہم اُن کی طرف ناظرین کو طول کی وجہ سے توجہ دلانا نہیں چاہتے وہ اگرچہ سلطان عبدالحمید مرحوم کا پروردہ تھا مگر وہ اپنے سینہ میں دردوالا دل رکھتا تھا اپنے سر میں حقیقت شناس دماغ رکھتا تھا اُس کی نظر قومی مفاد اور اسلامی قومیت پر زیادہ رہتی تھی۔ اُس نے لڑکپن کے زمانہ سے سلطان عبدالحمید خاں مرحوم کے اندرونی اور بیرونی احوال پر بخوبی اطلاع حاصل کر لی تھی وہ خود بارہا مجالس میں اقرار کرتا تھا کہ لوگ سلطان عبدالحمید خاں مرحوم کی دیانت اور تقویٰ میں گفتگو کرتے ہیں مجھ سے زیادہ کوئی اُسکے احوال سے واقف نہیں میری طبعی شرارت کیوجہ سے بارہا مجکو سلطان مرحوم نے محلسرائے میں اپنے ہاتھ سے مارا بھی ہو۔ سلطان مرحوم اعلیٰ درجہ کا متدین، عابد و زاہد تھا۔ عبادات اور شرعی منہیات کی رعایت میں نہایت اعلیٰ پیمانہ رکھتا تھا۔ فقط اُسکے اردگرد ایسے خود غرض لوگ جمع ہو گئے تھے جنہوں نے اسکو عام قوم کی طرف سے بدظن کر دیا تھا اُسکے دل میں اپنی جان کا خوف بٹھا دیا تھا۔ وہ لوگ اپنے شخصی منافع پر قوم کو اور قومی اسلامی مفاد کو قربان کرتے رہتے تھے۔ مدت تک ہم نے اصلاح کی ہر قسم کی کوششیں کیں مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ وہ نہایت زیرک اور عقلمند تھا۔ اُسکو تجربے بھی حکومت کرتے کرتے بہت حاصل ہو گئے تھے۔ خود اشرف بیگ کو جلاوطن کر کے اڈریانوپل میں تقریباً دو برس رکھا اُسکے بعد معافی ہوئی۔ پھر حجاز میں مدینہ منورہ میں نظربند کیا۔

اشرف بیگ نے ابتدائی تعلیم حاصل کر کے حربی کالج میں بھی تعلیم حاصل کی تھی۔ مدینہ منورہ کی نظربندی کے زمانہ میں معافی ایک مرتبہ ہو جانیکے بعد جب پھر عثمان پاشا والی مدینہ نے اُسکو پکڑنا چاہا تو وہ

بھاگ گیا۔ اور بدؤوں سے ملکر اُنہیں میں بودوباش اختیار کرلی۔ چونکہ فنونِ جنگ سے پورا واقف تھا طبیعت نہایت جری واقع ہوئی تھی۔ اسلئے اُس نے اُن کے ساتھہ ملکر لوٹ مار شروع کردی خصوصاً جب کوئی قافلہ گورنمنٹ کے مال و اسباب کا سُن لیتا تھا تو اُسکو ضرور لوٹتا تھا اور جو کچھہ لوٹ مار میں حاصل کرتا تھا وہ سب بدؤوں کو کھلا دیتا اسلئے اسنے اپنی حسن تدبیر اور واقفیت سے تھوڑی سی مدت میں حجاز، یمن، تہامہ، نجد، عراق، عیزہ، وغیرہ کے قبائل اور مشائخ سے واقفیت پیدا کرلی اور اُن کو اپنا خلیف بنالیا جو لوگ مخالفت کرتے اُنپر غارت ڈالتا اور فنونِ حرب اور جنگی حُسن تدبیر کی بناء پر غالب آتا اسلئے بہت جلد اُسکا سکہ تمام سرزمینِ عرب پر جم گیا۔ عثمان پاشا وغیرہ نے بہت کوششیں کیں، شرفا اور مشائخ قبائل کے واسطہ سے پکڑنا چاہا مگر ممکن نہ ہوا۔ کچھہ عرصہ جسکی مقدار تقریباً ڈیڑہ دو برس ہوتی ہی حجاز میں قبائل عربان میں مقیم رہا۔ نجد میں ابن رشید کے یہاں بھی اُسکا پورا رسوخ ہوا۔ فنونِ سپہگری، قوتِ جسمی، قلبی بہادری کی بناء پر امیر نے اسکی بہت زیادہ خاطرداری کی اور شادی کرنے کی خواہش کی مگر یہ راضی نہ ہوا۔ امیر سے اُسکے وکلاء کے نام پروانہ راہداری لیکر بصورت تاجر نجدی ہندوستان آیا اُسوقت اُسکی صورت و شکل بالکل نجدی عربوں کی تھی۔ ہندوستان میں عرصہ تک پھرتا رہا۔ چنانچہ بنارس وغیرہ میں اپنے وقائع کو اُسنے ابتک محفوظ کر رکھا ہی۔ اُسکے بعد یہاں سے چین میں گیا۔ اور پھر چین سے تجارا، روس وغیرہ ہوتا ہوا ٹرکی ممالک میں پہنچا۔ اسی طرح ایک مرتبہ اُسکو افریقہ کے ملکوں میں چکر کھانا پڑا ہے اور اپنے ملکوں یعنی البانیہ، مقدونیہ، ترا کیا، (تھریس) بلغاریہ، سرویہ، اناطولیہ، سمرنا، سوریہ، مصر، وغیرہ میں تو بارہا پیدل پہاڑوں اور جنگلوں میں عمر گزارنی پڑی ہے جسمیں وہ اکثر روپوش رہکر پھرتا تھا۔ اسکو عربی، ترکی، فرانسیسی زبانیں اچھی آتی ہیں۔ زمانۂ انقلاب ٹرکی میں انور پاشا اور اُسکی جماعت البانیہ اور مقدونیہ میں زور شور کئے ہوئے تھی اور اناطولیہ کی سرزمین میں زور و شور کرنے والی جماعت اشرف بیگ کی تھی۔ یہ کئی مرتبہ قید بھی ہوا ہے مگر اپنے عزم پر نہایت قایم اور استوار رہنے والا شخص ہے۔ انور پاشا کا واقع میں نہایت قوی بازو ہی۔ عموماً مخفی حرکاتِ فوجی اسکے ذریعہ سے ہوا کرتی تھیں۔ اسنے زمانہ انقلاب میں اور اُسکے بعد جنگِ طرابلس، جنگِ بلقان، جنگِ عمومی میں نہایت بڑے اور پُرزور کارنامے

کئے ہیں۔ جسجگہ سرفروشی کا موقع پیش آتا تھا پہنچ جاتا تھا۔ انقلاب ہونیکے بعد ہی اُسنے فوجی نوکری چھوڑ دی اور قصبہ صالحلی ضلع ازمیر (سمرنا) میں ایک قطعہ زمین خرید کرکے زراعت میں مشغول ہوگیا۔ مگر باطنی تعلقات رؤسا جمعیت اتحاد والترقی سے رہا۔ اُس لئے بار ہا کہا کریں پارٹی بندی کو ہرگز دوست نہیں رکھتا ہوں اور نہ میں کسی خاص حزب اور جماعت سے ہونا چاہتا ہوں۔ میں نے جماعت ائتلاف والحریۃ اور جماعت اتحاد والترقی دونوں میں شامل ہوکر تحقیقات کی اور ہر فریق کے اعتراضات اور خیالات کا اندازہ کیا۔ مجھکو تحقیق ہوگیا کہ جماعت ائتلافیہ کے مقاصد محض شخصی منافع اور حسد پر مبنی ہیں

ان دونوں پارٹیونکی مختصر کیفیت

جب تک کہ ٹرکی ممالک میں شخصی حکومت سلطان عبدالحمید خان مرحوم کی تھی اُسوقت تک جمہوریت کے چاہنے والے دستوری قوانین کے پیروی کرنیوالے سب ایک ہی پروگرام پر حرکت کررہے تھے۔ آپس میں اتفاق تھا اور ایک دوسرے پر جان نثاری کرتا ہوا نیم جمہوریت کا خواہشمند تھا (نیم جمہوریت سے مراد یہ ہے کہ خاندان شاہی کو بالکل لغو نہ کیا جائے۔ بلکہ اُسکو برسر اقتدار قایم رکھا جائے۔ مگر اُسکا استقلال محض اور اُسکی شخصیت مطلقہ سلب کرلیجائے۔ اُسکے احکام بمشورہ جماعت خاصّہ جسکو ٹرکی میں مجلس اعیان کہتے ہیں جاری ہوں۔ یہ مجلس اعیان بمنزلہ دارالخواص (لارڈ کا منش انگلستان) کے ہے) جمہوریت قایم ہونے کے بعد ان لوگوں میں آپس میں تفرقہ پڑگیا اور دو جماعتیں قایم ہوگئیں۔ ایک جماعت ائتلاف والحریت اور دوسری جماعت اتحاد والترقی۔ دونوں نے اپنی تحریکات کے پروگرام علیحدہ علیحدہ بنائے جماعت اتحاد والترقی کا مقصد اعلیٰ تمام مسلمانان عالم میں اتحاد قایم کرکے ترقی کرنا اور مغربی غیر مسلم قوموں کا مقابلہ کرتے ہوئے اُن کو شکست دینا مشرق کو اُن کے پنجہ ہائے ستم سے بچانا ہے۔ وہ عدالت کو قایم کرنا چاہتے ہیں۔ مگر حسب حیثیت' وہ حریت کی کوشش کرتے ہیں مگر حسب نظام' وہ مساوات کے خواستگار ہیں۔ مگر حکومت کو اسلامی مانتے ہوئے۔ اسمیں شک نہیں کہ دونوں جماعتوں کے سر برآوردہ اکثر ممبر یوروپ کی زہریلی بددینی کی روشنی سے پورے متاثر ہیں اپنے آپکو متنور کہتے ہیں مگر حقیقت میں وہ مُظلّم ہوگئے ہیں یورپ نے اپنی سالہا سال کی کوششوں

سے اِن کے عقائد کی زندگی، عملی لائف پر نہایت بدنما گہرا تاریک اثر ڈالا ہے - تاہم جمعیۃ اتحاد
و ترقی میں مذہب کے پابند اور اُسکا خیال رکھنے والے لوگ بہت ہیں اور مع اسکے اُن کا اوّلین پروگرام
مسلمانانِ عالم کو متحد کر لینا اور پھر مشرقی اقوام کو ایک رشتہ میں جوڑ لینا ہی بخلاف جمعیۃ ائتلاف والحریۃ
کے اِن لوگوں میں دیانت کا شائبہ تو کم ہے ہی مگر اسلامی درد بھی نہیں - اِن کا پروگرام یہ ہی کہ یہ
بادشاہت خالص اسلامی نہیں بلکہ عیسائی یہودی مسلم ارمنی وغیرہ وغیرہ سے مرکب ایک حکومت ہے
اسمیں عیسائی اور ارمنی کے وہی حقوق ہیں جوکہ ایک مسلمان کے ہیں - بڑے سے چھوٹے عہدوں تک
بلاتمیز ہر شخص اور ہر ملت کو ملنے چاہئیں - اِن کو بیرونِ احاطہ ممالکِ عثمانیہ سے کوئی علاقہ نہیں - اِنکو
یورپ سے بہت زیادہ تعلق ہے - انکی پالیسی فرانس اور انگلستان کی سیاست سے بہت زیادہ وابستہ ہے
اِن میں ایسی جرأت اور بہادری بھی نہیں - راحت طلبی شخصی وجاہت اور منافع کے بہت زیادہ گرویدہ
ہیں - ابتدائی جنگِ طرابلس و بلقان میں کامل پاشا اور اُسکا تمام کابینہ جمعیتِ ائتلاف والحریۃ کا تھا
دوسری جمعیت والے گرے ہوئے تھے - ائتلافی جماعت کی سوء انتظامی سے طرابلس میں جنگ ہوئی
اور اٹلی نے قزاقانہ حملہ کر کے اُسپر غاصبانہ قبضہ کر لیا - جب ائتلافیوں کے بنائے کچھ نہ ہو سکا تو اتحادی
جماعت کے سربرآوردہ لوگ شہید نیازی بیگ مرحوم، انور بیگ، اشرف بیگ اور دیگر بڑے بڑے سردار چھپ
چھپ کر کوئی خشکی سے اور کوئی اگبوٹوں میں خلاصی بنکر، کوئی بادبانی کشتیوں وغیرہ میں میدان میں
پہنچا اور عربوں کو جمع اور شیخ سنوسی سے اتحاد کر کے وہ سخت جنگ کی کہ اٹالیہ کے چھکے چھوٹ گئے
طویل زمانہ تک کوشش کرنے پر بھی سوائے اُن مقامات کے جنکی حفاظت بحری ڈریڈناٹ کرتے تھے
دوسرے دور کے مقامات پر قبضہ کرنے کی طاقت نہ ہو سکی - نہایت زیادہ نقصان اُٹھانا پڑا اور مقصدِ
اصلی حاصل نہ ہوا - اس مدت میں اُس تمام سرزمین کے عرب قواعدِ جنگ سے بخوبی واقف ہو گئے -
انور پاشا نے اُن میں مدارس اور زراعت وغیرہ کی مختلف تعلیمگاہیں قایم کر دیں جنکی بناء پر اُن میں اچھے
اور مستعد لوگ ایسے پیدا ہو گئے جنکو اپنے جنگی اور ملکی کاروبار میں بہت زیادہ ضرورت دوسرے کمانداروں
کی نہیں رہ گئی مگر بدقسمتی سے اُسی زمانہ میں جنگِ بلقان چھڑ گئی اور اُس میں بجائے فتحیابی کے کامل پاشا
اور اُسکے کابینہ کی سوء انتظامی نے مغلوبیت نمودار کی جسکی وجہ سے خود دارالخلافت زد میں آگئی اور

بہت زیادہ نقصان نمودار ہوا۔ اِن اتحادی سرفروشوں کو خیال تھا کہ ترکی فوجیں اور سامانِ جنگ کافی موجود ہے، اسلئے یہ چھوٹی حکومتیں یونان، سرویہ، بلغاریہ، مانٹی نگرو سپاہوں گی کچھ فکر کی بات نہیں مگر بات اُلٹی ہوئی۔ ناظم پاشا کماندارِ جنگ کی آرام طلبی اور فوجوں کی بدنظمی نے وہ دن دکھایا جو ٹرکی کو تمام ایام حکومت میں نہ دیکھنا پڑا تھا۔ آخر کار یہ سب سر برآوردہ افسر وہاں سے کچھ کچّا پکّا انتظام کرکے بھاگے مگر اِدھر مصر میں انپر پوری نگرانی تھی۔ آخر کار انور پاشا جرمنی لباس میں جرمنی بولتا ہوا آگبوٹ میں اسکندریہ سے سوار ہوکر قسطنطنیہ پہونچا۔ برٹش کو اسکی خبر وہاں اُترنیکے بعد ہوئی۔ اشرف بیگ خشکی کے رستہ سے صحرائے تیہ قطع کرکے وہاں پہنچا۔ غرضکہ اسی طرح سب آہستہ آہستہ پہونچگئے ؛

اشرف بیگ کی فوج اور اڈریانوپل

اشرف بیگ نے چونکہ استعداد اور شخصیت کے زمانہ میں عرصہ تک کام کیا تھا اسلئے اُسنے ہر شہر میں اپنی ایک خفیہ پارٹی قایم کرلی تھی اس کی بہادری، اور انسانیت، مروت، دریا دلی، نے ہر جگہ تسخیر کا کام کر رکھا تھا اُسنے اپنی پارٹی میں ایسے ہی لوگوں کو ہمیشہ رکھا جو کہ پورے جان نثار اور جفاکش ہوں۔ علاوہ اسکے جو مہاجرین سرکش ممالکِ عثمانیہ میں موجود تھے اُن کا بہت بڑا حصّہ اس سے تعلق رکھتا تھا اس نے اپنے ایسے لوگوں کو بہت جلد جمع کیا اور نہایت سُرعت کے ساتھ استنبول پہنچا۔ اُدھر انور پاشا نے ائتلافیوں کی وزارت ساقط کرکے اتحادی وزارت قایم کردی تھی اور صلح کے کاغذات کو دستخط ہونے سے روک دیا تھا اُس نے اشرف بیگ کو اور دوسرے اپنے لوگوں کو حکم دیا کہ نہایت زور و شور سے حملے کریں۔ بلغاری جو کہ چتالجہ پر پہونچ چکے تھے ان سرفروشوں نے اُنپر ایسی زور و شور کی مار دی کہ اُنکو پسپا ہونا پڑا۔ اور نہایت سُرعت کے ساتھ اُن کا تعاقب شروع ہوا۔ خود اشرف بیگ کل فوج کا کماندار تھا۔ انور پاشا جملہ فوجوں کی خبرگیری کر رہا تھا۔ اشرف بیگ نے کئی دن کی لڑائی کی وجہ سے درمیان میں راحت لینا چاہا۔ مگر انور پاشا نے راحت نہ لینے دی۔ انور پاشا بخار کی حالت میں تھا مگر اُسی حالت میں گھوڑے پر سوار برابر چلتا رہا۔ خلاصہ یہ کہ اشرف بیگ مع اپنی فوجوں کے آگے بڑہتا رہا۔ جس زمانہ میں اشرف بیگ اڈریانوپل میں نظربند تھا اُس زمانہ میں اُسکو وہاں کے اطراف و جوانب میں پھرنے کا اتفاق ہوا تھا۔ وہ وہاں کے خفیہ اور ظاہر رستوں اور گھاٹیوں سے پوری طرح واقف ہوگیا تھا۔ اور چونکہ فوجی آدمی تھا اِدھر اُسکو ہمیشہ

خُفیہ حرکات کا سامنا رہتا تھا اسلیئے وہ جہاں جاتا تھا اپنے مرض کی دوا کی فکر کرتا تھا ہر مقام کو فوجی نقطۂ نظر سے دیکھا کرتا تھا۔ اڈریانوپل میں بلغاری قوت موجود تھی اور اگر کچھ دیر وہاں پہونچنے میں ہوجاتی تو اور بھی قوت بڑھ جاتی۔ اور وہ شہر کی حفاظت کا پورا اور کامل انتظام کر لیتے مگر چونکہ برابر تعاقب ہو رہا تھا اسلیئے پورا اجتماع نہ ہوسکا اور معمولی استحکام سے زیادہ وہاں مورچہ بندی بھی نہ ہوسکی فقط اُن راستوں پر جو کہ عام تھے اُنہوں نے انتظام کیا تھا۔ اشرف بیگ نہایت سُرعت سے مخفی اور غیر مشہور گھاٹیوں سے داخل ہوگیا جسکی وجہ سے بہت جلد شہر پہ قبضہ ہوگیا اور زیادہ تلفیات کی بھی نوبت نہ آئی۔

اشرف بیگ اور اُسکے بھائی سامی بیگ اور دیگر کمانداروں نے اپنی اپنی فوجیں بلغاریہ وغیرہ پر چڑھائیں۔ اور پے در پے شکستیں دیں مگر زار روس، فرانس، برٹش ملکہ ٹرکی کے سامنے آگئیں۔ زار نے صاف طور سے کہدیا کہ اگر حدودِ اڈریانوپل سے تم لوگ آگے بڑھے تو میں اعلانِ جنگ دیدوں گا۔ ٹرکی کی حکومت کو اُسوقت اتنی طاقت نہ تھی کہ روس سے لڑنے پر تیار ہوجاتا۔ لاچار ہو کر اُسکو رکنا پڑا۔ مگر اشرف بیگ نے اعلانِ نافرمانی کردیا۔ وہ اور اُسکے بھائی وغیرہ نے ریاستہائی متحدہ بلقان سے برابر جنگ جاری رکھی اور فتحیاب ہوتا رہا۔ ٹرکی نے اپنی نظامی فوج ہٹالی۔ اشرف بیگ نے اُس مدت میں تقریبًا چار ہزار گھرانوں کو جو کہ بلغاریوں کے مظالم اور شدائد کی وجہ سے مرتد بنا لیئے گئے تھے پھر مسلمان کیا۔ مفتوحہ زمین میں امن قایم کیا۔ سکہ اور ٹکمٹ بھی اُسکا علیحدہ جاری کیا۔ اور تقریبًا چھ مہینے یا اس سے کچھ زائد تک ایک علیحدہ ریاست وہاں جمی رہی۔ اُسکے پاس ہر طرف سے غیر تمند افسر اور سپاہی خفیہ طور پر پہنچتے رہے مگر پھر دولِ یورپ نے ٹرکی کو مجبور کیا کہ اشرف بیگ کو جس طرح ہو وہاں سے ہٹایا جاوے۔ چنانچہ بہت زیادہ مجبور کرنے پر بعض بعض مفید اسلام شرائط بلغاریہ سے کرکے جملہ غنائم جو کہ بارہ ریلوے گاڑیوں میں آتے تھے جنکو بلغاریوں سے اُسنے چھینا تھا اور نقود وغیرہ ساتھ لیکر واپس آگیا اُن غنایم میں سے اکثر کو اُن مہاجرین پر تقسیم کردیا جو کہ بلقانی زمینوں سے ہجرت کرکے ٹرکی ممالک میں آگئے تھے۔

اشرف بیگ ٹرکی میں غیر منتظم فوج اور مجاہدین کا کماندار تھا اور جس جگہ حکومت کو ضرورت پڑتی تھی

پہونچتا تھا - اُسکی خفیہ کام کرنے والی پارٹی ہر جگہ موجود رہتی تھی - ضروری کاموں کو بطور رجال الغیب پورا کرتی رہتی تھی - جسپر حکومت ٹرکی قانوناً کوئی مقدمہ نہیں چلا سکتی تھی - قبل اعلان ٹرکی ابتدائی جنگ عمومی میں وہ اور اس کا بھائی سامی بیگ کاشغر کو ہندوستان کے راستہ سے بھیجے گئے تھے اُن کے ساتھ اور بھی چند افسر تھے - مگر جب جہاز بمبئی میں تاجرانہ طریق پر پہونچا تو انگریزوں نے آگبوٹ کو گرفتار کر لیا - اشرف بیگ خفیہ طور سے بھاگ کر مسقط اور وہاں سے جدہ وغیرہ پہنچا - اُسکا بھائی سامی بیگ گرفتار ہوگیا اور بمبئی سے کہیں دوسری جگہ ریل میں بھیجا گیا وہاں رستہ میں بھاگ گیا اور پھر بمبئی واپس آیا اور وہاں سے اپنے ایجنٹوں کے ذریعہ سے نقود ضروریہ حاصل کرکے پشاور اور وہاں سے کاشغر پہونچا - بعض دوسرے افسر بھی روپوش ہوکر پھرتے پھرتے اُسطرف پہونچگئے - سامی بیگ کاشغر میں حکومت چینی کا انقلاب کر دیا اور اسلامی حکومت وہاں قایم کرادی چنانچہ بالفعل وہاں اسلامی حکومت ہے - سامی بیگ کی خبریں پاشا میں آیا کرتی تھیں - سامی بیگ اشرف بیگ سے چھوٹا ہے اُسقدر توانا اور قوی نہیں مگر استقلال اور صبر و تحمل بیحد رکھتا ہے - غیرت اسلامی اور ہمدردیٔ مذہبی انسانیت مروّت بیحد رکھتا ہے - اشرف بیگ میں غصہ زیادہ ہے مگر وہ حلیم ہے جنگی جفاکشی میں اپنا آپ ہی نظیر ہے - ذہن نہایت تیز اور رائے بہت صائب رکھتا ہے -

اسمیں شک نہیں کہ انور پاشا کی پارٹی میں بہت سے ایسے بلند ہمت جفاکش ہمدرد اسلام اشخاص تھے اور ہیں جنکی نظیر اسوقت دوسری قوموں میں موجود نہیں اگر جنگ بلقان کے بعد دس پندرہ برس بھی سلامتی اور امن کے ساتھ گذر جاتے تو یہ پارٹی جمعیت اتحاد و الترقی کی اسقدر قوت بہم پہنچا لیتی کہ بڑی سے بڑی قوت مغربی اُسکا سامنا نکر سکتی مگر بدقسمتی سے سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ اس جنگ عمومی کا سامنا پڑ گیا - پھر بھی اسمیں وہ وہ جفاکشیاں اور انتظامات کئے کہ جنکی نظیریں گذشتہ ایام میں ٹرکی کے لئے نہیں پائی جاتیں - ابتدائے جنگ میں اپنے حسن انتظام سے پندرہ لاکھہ فوج میدان جنگ کے لئے زیر ہتھیار نکالی - اسقدر فوج کبھی ٹرکی میدان جنگ میں نہیں لایا - پھر اُن کے لئے ہر میدان میں جملہ اقسام کی ضروریات کو مہیا کیا - میں نے خود سپاہیوں اور افسروں سے سُنا ہے کہ میدان جنگ میں سپاہیوں کو بیسیوں علاوہ عمدہ خوراک کے سنگترے، انگور، سیب وغیرہ تازے میوے بکثرت پہنچائے

جاتے تھے۔ پھر فقط ایک دو میدان پر لڑائی نہ تھی۔ تقریباً بارہ یا تیرہ میدان پر ترکی فوجیں برابر جنگ کرتی رہیں۔ میدان عراق۔ میدان عدن۔ میدان حجاز۔ میدان سویز۔ درۂ دانیال۔ سالونیکا۔ ارض روم۔ طرابزون۔ غالیشیا۔ (ممالک اسٹریا میں) رومانیہ۔ حدود اٹالیہ۔ حدود روس بجانب داشو حدود ایران بجانب وان و کرکوک۔ ان سب میدانوں میں بڑے طویل عریض خط میں جنگ قائم رہی حالانکہ آلات رسد رسانی کی نہایت دقت تھی۔ ریلوے لائنیں تمام ملک میں زار روس اور دیگر یورپین قوموں کی تشددات و مظالم کی بنا پر نہ بنا سکے تھے۔ جب کبھی بنانے کا قصد کیا ان مہذب مردود ں نے سخت مخالفت کر کے جنگ کی دھمکی دی۔ کسی ایک قوت سے مقابلہ نہ تھا بلکہ بہت سی قوتوں سے پیکار تھی پھر یہی نہیں کہ خارجی دشمنوں ہی سے مقابلہ ہو اندرونی دشمن بھی کھڑے ہو کر سخت پریشانیوں میں ڈالتے رہے۔ آرمینیوں نے جو نقصان ایام جنگ میں پہنچایا ہے اور جو جو مظالم انہوں نے کئے ہیں وہی فقط ایک بڑی سلطنت کے برباد کرنے کے لئے کافی تھے انہوں نے ہزاروں سپاہیوں اور باشندوں کو تہ تیغ کر دیا تھا۔ گھروں کو جلا دیا۔ ہر قسم کے سامان جنگ، ڈائنامیٹ کے گولے بندوقیں ہوائی تار وغیرہ وغیرہ سامان بہت بڑی مقدار میں روس فرانس امریکہ برٹش وغیرہ مختلف مقامات سے خفیہ خفیہ جمع کر کے بہم پہنچا چنانچہ تفتیش پر تہ خانے کے تہ خانے بھرے ہوئے ان چیزوں سے پائے گئے اور جنکا انہوں نے استعمال کر لیا تھا وہ علیحدہ رہے +

انہوں نے روسی افواج کو حدود وان میں داخل کر ہی لیا تھا۔ ان روم کیطرف سے اُنکو اعانت پہنچا ہی رہے تھے۔ پھر اسپر بھی اگر اُن کے ساتھ کوئی معاملہ ترکی نے کیا ہی تو تمام یورپ ترکی کو خطا دار اور سفاک ظالم ٹھیراتا ہے اگر اُن کے مظالم کی میں تفصیل لکھوں تو بڑے دفتر کی ضرورت پڑے۔ نہ میرے پاس اسکی کافی وسعت ہے اور نہ ہی میں اسکو بخوف ضبط کتاب لکھ سکتا ہوں۔ مگر دو ایک باتیں ضروری طور سے جسکو میں نے خود متعدد لوگوں سے سُنا ہی عرض کرتا ہوں :-

ابتدائے اعلان جنگ میں جبکہ ترکی نے لشکر جمع کرنے شروع کئے تو جو لوگ لشکر میں بھرتی ہونیکی صلاحیت آرمینیوں میں سے رکھتے تھے یا تو پہاڑوں اور جنگلوں میں چھپ گئے یا روس کے ممالک میں بھاگ گئے عورتیں بچے اور پینتالیس برس سے زائد عمر والے ظاہری طور پر باقی رہ گئے مگر انہوں نے سرحدی اور برفباری

کے زمانوں میں رستہ والے گاؤں وغیرہ میں مسلمان لشکریوں کو اپنے اپنے گھروں میں شب کو آرام کیواسطے دعوت دی۔ بیچارے عساکر یا پولیس کے جوان یا منتظمہ فوجی جماعت جو کہ رسد لکڑی اور دیگر ضروریات کے واسطے گاؤں گاؤں جاتے تھے۔ وہ جب مکان میں پہونچے اور سو گئے یا کم عدد پر ہوئے تو اُن کو قتل کر ڈالا کبھی مکانوں میں آگ لگادی کبھی ڈائنامیٹ سے اوڑا دیا۔ اسی طرح قبل از ظہور بغاوت ہزاروں آدمیوں کو انہوں نے قتل کر ڈالا جسکا پتہ کچھ عرصہ کے بعد پوری طرح سے چلا۔ ارمنی عیسائی مسلمانوں کو قتل کر کے تین تین چار چار سر جمع کرتا تھا اور اُسکو پانی میں جوش دیکر اُس پانی سے نہاتا تھا اور اُسکو باعثِ نجاتِ آخرت سمجھتا تھا وان میں ارمنی لوگوں نے روسی فوجوں کو داخل کر کے سخت قتل عام مسلمانوں کا کیا اُن کی عورتوں کی عصمت دری اور مال وغیرہ کی غارتگری نہایت بے دردی کے ساتھ کی کیونکہ وان کی حدود پر فوج نہ تھی اور نہ یہ مجاز جنگ اول سے تھا ارمنوں نے راستہ بتاکر روسی فوجوں کو داخل کر دیا تھا۔ مفتی وان کی دو دوشیزہ لڑکی کو ساٹھ ستر ارمنی اوٹھاکر پہاڑوں میں لیگئے اور اُسکو زنا کرتے کرتے مار ڈالا۔ اس قسم کی سیکڑوں بے حرمتیاں اور شدائد واقع ہوئی تھیں۔ جنکی بناء پر ترکوں نے انکی صفائی کی طرف توجہ کی جن باتوں کو دیکھکر خود جرمنی فرون اور غیر جانب اسپینی سویڈی سفیروں وغیرہ نے حق ترکوں کو ہی دیا تھا اور ہر طرح ارمنوں کو ظالم قرار دیا تھا افسوس تو یہ ہی کہ ایام جنگ میں جبکہ ٹرکی حکومت بیرونی حکومت کیساتھ مشغول تھی اسقدر مظالم کی ابتدا کرنے والی قوم باوجود ہتھیار وغیرہ پائے جانے کے اگر زیر قوانین مارشل لا لائی جاوے تو وہ ظلم ہو مگر اگر ہندوستان کے نہتے غیر ایام جنگ میں ستیہ گرہ اور اُسکے جلسے کریں تو اُنپر قوانین مارشل لا جاری کرنا اور اُن کو مشین گنوں، رائفلوں سے برباد کرنا جنرل ڈائر اور اڈوائر کا خالص عدل شمار کیا جاوے ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

ٹرکی کو ادہر تو ارمنیوں سے سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اُس سے کچھ فارغ ہی ہوا تھا کہ یورپ نے عربوں کو سامنے لا کھڑا کیا اور شریف حسین اہل سوریہ اہل عراق سے نہایت ناجائز اور شنیع افعال کرائے جنکی بناء پر نہایت برا اور زہریلا اثر ٹرکی کی قوت پر پڑا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر عربوں کی خیانت نہوتی تو ٹرکی کسی طرح بھی میدان جنگ میں شکست نہیں کھا سکتی تھی۔ مگر اُسکا مزا آج عرب چاروں طرف چکھ رہے ہیں*

خلاصہ یہ کہ اتحادیوں ہی کے حسن انتظام نے ٹرکی کو ایسی حالت میں چار برس برابر لڑائی پر قائم رکھا جسکی نسبت کسی کا وہم و گمان بھی نہ تھا۔ اسمیں شک نہیں کہ ایام جنگ میں بعض مقامات میں ماتحت حکام سے

بہت سی فروگذاشتیں اور بہت سی بے عنوانیاں بھی ہوئیں۔ بہت سے بدنیت اور اغراض نفسانی والے لوگوں نے ایسے تنگ اور خراب اوقات میں نقصان بھی پہنچایا مگر بڑوں کے اخلاص اور حسن انتظام میں شک بھی نہیں +

اشرف بیگ کی گرفتاری

اشرف بیگ چونکہ حجاز، یمن، نجد، وغیرہ کے قبائل اور تمام زمینوں اور گھاٹیوں سے واقف تھا عربی زبان بھی خوب سمجھتا ہوا فنون جنگ کا ماہر تھا اسلئے امام یحیی نے صنعا یمن سے اپنا آدمی استنبول انور پاشا کے پاس بھیجا کہ تم اشرف بیگ کو میرے پاس بھیجدو تو میں اپنی اور موجودہ ترکی فوج کو لیکر شریف حسین پر چڑھائی کروں۔ اور جو کچھ اُسنے ایسے وقت میں اسلام کو ضرر پہنچاکر کافروں کی مدد کی ہے اُسکا دفعیہ کردوں۔ چنانچہ وہاں سے اشرف بیگ کو روانگی کا حکم ملا اور تقریباً بیس ہزار پونڈ فوج کے مصاریف وغیرہ کے لئے اور کچھ ہدایا امام یحیی کیلئے اُسکے ساتھ روانہ کئے گئے تقریباً پانچ ہزار پونڈ اسکے علاوہ خود اشرف بیگ کے تھے اور چالیس بہادر جانباز افسر بھی ساتھ کئے گئے۔ اشرف بیگ اولاً مدینہ منورہ آیا وہاں پر سواری وغیرہ کا انتظام کیا اور اسلئے کہ کہیں شریف کے لوگوں پر جو آس پاس کے ذریعہ سے یمن کا جانا معلوم نہ ہوجائے سیدھا راستہ یمن کا مدینہ منورہ سے اختیار نہ کیا بلکہ مدینہ منورہ سے اوّلاً خیبر کی طرف روانہ ہوا اور وہاں سے قصد یمن کی روانگی کا کیا۔ کل مجموعہ تقریباً ستر آدمیوں کا تھا۔ چالیس آدمی جنگی تھے اور باقی خدمتگار یا شتربان وغیرہ تھے۔ خیبر کے قریب انکو پانی کی غرض سے ایک کنویں پر اُترنا پڑا وہاں تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ عبداللہ بیگ شریف کا منجھلا یا سنجھلا بیٹا جو کہ طائف کی مہم پر تھا طائف فتح ہونیکے بعد بارہ ہزار سپاہی لیکر مدینہ منورہ کی محاصرہ کی غرض سے شام اور مدینہ منورہ کی ریلوے لائن کاٹنے کو جاتا ہوا اسی کنویں پر آیا۔ نہ اُسکو پہلے سے اشرف بیگ کی خبر تھی نہ اشرف بیگ کو اُس کی۔ جب اُس کے آدمی پانی لینے کو کنویں پر پہنچے تو اشرف بیگ کے لوگوں سے مقابلہ ہوا اور آخر کار جنگ شروع ہوگئی۔ اشرف بیگ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ہمارا مقابل بارہ ہزار فوج رکھتا ہے اور ہم ہتھیار بند فوجی قوانین سے واقف فقط چالیس آدمی ہیں۔ اسلئے حسب قوانین عسکریہ میں تمکو تکلیف مقابلہ کی نہیں دے سکتا تمھارا جہاں جی چاہے چلے جاؤ۔ اُنہوں نے اُس سے کہا کہ آپ کیا کرینگے اُسنے جواب دیا کہ میں تو اسلام اور ملت پر قربان ہونگا میں بھاگنا نہیں چاہتا۔ اُنہوں نے بھی یہی جواب دیا اور آخر کار باقاعدہ نہایت جلد مورچہ بناکر مقابلہ کیا

پانچ گھنٹہ تک سخت مقابلہ ہوا۔ اور عبد اللہ بیگ کے لوگوں کو ہزیمت فاش ہوئی - مگر اُسکے بعد ایک جماعت بدوؤں کی پیچھے کی پہاڑی پر چڑھ گئی اور وہاں سے اُنھوں نے اوپر سے گولیاں برسا کر اکثروں کو شہید اور باقی ماندہ کو سخت زخمی کر دیا - اشرف بیگ کی ٹانگ میں بھی گولی لگی جسکی وجہ سے وہ نقل و حرکت سے بالکل معذور ہو گیا - تمام آدمیوں میں شام تک فقط تین چار زندہ باقی رہ گئے اور سب کے سب شہید ہو گئے - جب مغرب ہو گئی تو گولی برسانی اُنھوں نے چھوڑ دی رات بھر زخمی وہیں پڑے رہے صبح کو آکر تمام اسباب وغیرہ لوٹا اور زخمیوں کو لیگئے - اشرف بیگ نے آپکو تسلیم نہیں کرتا تھا - مگر اُسکو قسمیں دلائیں اور اطمینان دلایا کہ تیرے ساتھ معاملہ انسانیت کا کیا جائیگا - آخر کار اُس کو اُٹھا کر شریف عبد اللہ کے خیمہ میں لائے اُسنے نہایت انسانیت سے معاملہ کیا - اُسی وقت زخموں کو دھلوایا اور کمپوڈر وغیرہ کے ساتھ ینبع البحر بھجوایا وہاں سے جدّہ بھیجا گیا - اور پھر مکہ معظمہ بھیجدیا گیا - اشرف بیگ کے اسیر ہونے پر شریف حسین نے بہت خوشیاں منائیں - پھر اُسکو مصر بھیجدیا گیا - مصر میں زیر اسارت اُسکا ڈاکٹری علاج کیا گیا مگر اُس سے کوئی فائدہ نہیں ہوا - پھر بدوی جراح بلایا گیا اُسکے علاج سے نفع ہوا اور اور چلنے پھرنے کی قوت آگئی - اُسکو مصر میں خلاف قاعدہ بہت تنگ کیا گیا اور پھر اُسکو ترغیب دیگئی کہ وہ اپنے قوم کے خلاف فوج لیجاکر جسکو برٹش گورنمنٹ دیگی ازمیر کے میدان میں اُترے اور وہاں جنگ کرے جس شخص کے ذریعہ سے یہ ترغیب دی گئی تھی اور یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ اگر وہ ایسا کریگا تو تمام صوبہ ازمیر (سمرنا) کا اُسکو دیدیا جاویگا - اور ایام جنگ میں ہر قسم کی مدد بھی اُسکو دیجائیگی - اشرف بیگ نے اُسکو مارا اور بہت گالیاں دیں - جب عرصہ تک آزمائش کر لی گئی - نہ سختی نے اُسکو ڈرایا نہ لالچ نے اُسکو رجھایا نہ وحدت اور تنہائی نے اُسکو گھبرایا تو اُس سے مایوس ہو گئے - مصر کی اسارتگاہوں میں جہاں پر اور اسراء تھے اُسکو نہ بھیجا گیا - بلکہ سیدھے مالٹا بھیجا گیا - یہاں اُس سے آدمیت کا برتاؤ کیا گیا +

اشرف بیگ کا حسن انتظام

یہاں آکر اُسنے اوّلاً تمام عثمانی اسراء کو بھاپا - لوگوں سے میل جول کیا ہر ایک کے احوال کی تحقیق کی - بہت سے ایسے کمزور اور نادار آدمی پائے جنکی مالی حالت خراب اور اخلاقی کیفیت نہایت ضعیف تھی اسلئے اُسنے اوّلاً افسروں کو چندہ ماہوار دینے پر آمادہ کیا اور ایک خاص انجمن عثمانی اسراء کی خبرگیری کے لئے بنائی اُن کے لئے تعلیم کا نظام قایم کیا تاکہ نو عمر

قابل لوگ کچھ تعلیم حاصل کریں استنبول سے اُن کے لئے کتابیں بذریعہ ہلال احمر منگائیں۔ نیز ہلال احمر سے ان نادار لوگوں کے لئے نقد منگایا جسکو وہ بذریعہ انجمن جسکے ہاتھہ میں ہر شخص کے لئے تعیین مقدار حسب مرتبہ تھی ایک نظام پر تقسیم ماہواری کرتا رہا۔ گمٹ کیپ کے اسراء کے کھانے میں ایک بڑی مقدار خرچ کرتا رہا تاکہ عمدہ اور لذیذ کھانا اُن کو ملا کرے۔ اسنے مختلف قہوہ خانے کھولے اور اُس میں مسلمانوں کو کھا کر وہ طریقِ تجارت سیکھیں اُن سے کہا کہ کماؤ اور جو کچھہ میں نے خرچ کیا ہے مجھکو نفع میں سے ادا کردو۔ چنانچہ منتظم لوگوں نے اُس کے مصاریف کو بھی ادا کردیا اور خود بھی اچھی مقدار جمع کرلی۔ اسکی فکر ہمیشہ مسلمانوں کے ترقی اور نفع کی تھی۔ یہ ہمیشہ اتحادِ اسلامی کا حامی رہتا تھا اسکو خصوصیت فرقہ یعنی ترکی اتحاد عربی اتحاد ایرانی اتحاد وغیرہ سے نفرت تھی۔ وہ جملہ کلمہ گوں کے اتحاد کا حامی تھا خواہ مشرقی ہو یا مغربی کالا ہو یا گورا۔ اُسکی ہمت نہایت بلند تھی۔ اُسکی جسمانی قوت بہت زیادہ تھی۔ مالٹہ کے موجود لوگوں میں خواہ ترکی ہوں یا جرمنی آسٹرین کوئی اُس سے زیادہ قوی نہ تھا اُسکے جسم کی ہڈیاں نہایت قوی اور بڑی تھیں۔ اُسکے اخلاق اور اعمال میں نہایت سادگی اور سپاہیانہ پن تھا۔ ترک عموماً سادی وضع رکھتے ہیں۔ ہندوستانی امرا کی طرح تکلفات اور بناوٹ جملہ حرکات و سکنات لباس و طعام وغیرہ میں نہیں رکھتے۔ اگرچہ اختلاط یورپ کا بڑا اثر پڑ چکا ہے۔ مگر اپنی جبلی عادت سادگی کی ابھی تک بہت باقی ہے اسکو ہندوستان اور افغانستان سے بھی خاص ہمدردی تھی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے نہایت اخلاص اور محبت سے ملتا تھا اور حضرت مولانا جسقدر اُس سے دل کھولکر ملتے تھے کسی سے نہ ملتے تھے۔ اُسکی سادگی اور عادات و اطوار کو پسند کرتے تھے اور اُسکو بھی ایک درجہ تک مولانا سے شغف تھا ہفتہ میں ایک دفعہ اُسکے پاس ضرور جاتے تھے اور اُسکو بھی جب کبھی اجازت ہوتی تو یہاں آتا تھا۔

ترکوں کا تدین

عام طور سے لوگوں کا خیال ترکوں کی طرف عدم تدین کا ہے مگر واقعیت اسکے خلاف ہے ترکوں کے تدین کو اگر ہندوستان یا دوسرے مقامات کے مسلمانوں سے مقابلہ کیا جائے تو اُن کو ہی فوقیت دینا پڑتا ہے۔ ترکوں کا عام اور متوسط طبقہ نہایت متدین ہے یعنی فیصدی شاید اسّی اور نوّے تک نمازی اور عقائدِ صحیحہ والے لوگ ملیں گے اور مع اسکے جہاد کے نہایت شائق، اسلام پر جان دینا اُن کے نزدیک نہایت مبارک فعل ہے۔ طبقہ عُلیا کے لوگ البتہ بد دین ہیں اُنمیں

بھی جو لوگ یورپ میں رہ چکے ہیں وہ اکثر اپنے عقائد اور اعمال میں خراب ہیں اُن میں غالباً فیصدی بیس اچھے خیال اور اعمال کے ہوں گے اور فیصدی اسّی آزاد خیال آزاد اعمال ہیں۔ جو لوگ یورپ نہیں گئے ہیں وہ فیصدی ساٹھ یا ستر متدیّن ہیں اور باقی ماندہ آزاد خیال ہیں۔ غرضکہ عام ملّت ترکیہ ایسے نہیں ہیں جیساکہ بیان کیا جاتا ہے۔ ہمارے یہاں ہندوستان میں عام طبقہ عموماً غیر متدیّن ہے فیصدی تیس بھی اس فرقہ میں سے متدیّن نکالنا مشکل ہوگا۔ بلکہ بعض ملکوں میں تو فیصدی بیس یا پندرہ بھی نکلنا دشوار ہے۔ ترکوں کے عقائد عموماً بہت اچھے ہیں۔ یورپ کے قرب اور اُن کے اختلاط نے بہت بڑا اثر ڈالا ہے جس سے عموماً متاثر ہونیوالے یہی نوجوان اوپر کے لوگ ہیں۔ یورپ نے قصداً اُن کے تدیّن کے احساس کو مختلف طریقوں سے کم کیا ہے۔ ترکوں کے علماء نہایت ہی متدیّن ہیں اتباع سلف میں بہت زیادہ کوشاں اور حق گوئی میں بے نظیر ہوتے ہیں +

اشرف بیگ کے عقائد بہت اچھے تھے البتہ عملی حالت امور دینیہ میں کمی پر تھی مگر منہیات سے سخت متنفر تھا جبکہ تمام ترکی لوگ مالٹہ سے چھوٹے تو اشرف بیگ کے بھی چھوٹنے کا حکم آیا اسنے اوّل اوّل دوسروں کو تین چار دفعہ میں روانہ کیا اپنے آپ سب سے اخیر میں روانہ ہوا۔ اور پھر استنبول پہونچکر اُسنے پوری قومی ہمدردی کی داد دی اور پھر جاکر مصطفٰے کمال سے ملگیا جسپر مصطفٰے کمال نے اخباروں میں مضمون دیا تھا کہ اشرف بیگ کے آنے سے میری دونوں آنکھیں مجھکو ملگئیں +

علاوہ اشرف بیگ کے مولانا کا تعلق کپتان (یوزباشی) سیّد حسن افندی بغدادی جوکہ بحری فوج کا افسر تھا۔ اور کپتان (یوزباشی) نیازی افندی۔ میجر (بیگباشی) بہاء بیگ جوکہ پورٹ سعید میں فوجی انتظامات وغیرہ میں متعین تھا۔ اور بہت سے دوسرے افسروں سے بھی تھا۔ یہ سب لوگ نہایت اخلاص اور عقیدت مندی سے مولانا سے پیش آیا کرتے تھے اور بہت عظمت کی نگاہوں سے مولانا کو دیکھتے تھے۔ جب اخیر میں وردالہ اور وردال فرسٹہ میں آنا ہوا تو وہاں پر خصوصیت سے التوار جنگ کے بعد کے اسراء میں سے چند آدمیوں کے ساتھ تعارف اور تعلقات پیدا ہوئے۔ یہ لوگ پہلے سے یہاں نہ تھے۔ جناب شیخ الاسلام خیر الدین افندی اُن کے رفیق حبیب بیگ احمد پاشا الوزیر پاشا کے والد ماجد۔ کرنیل (میرالائی) جلال بیگ۔ کرنیل جواد بیگ۔ فائق بیگ۔ مفتی حسن فہمی افندی وغیرہ۔ شیخ الاسلام موصوف نے

بیعت کی بھی درخواست کی تھی مگر مولانا نے انکار فرمایا۔ پھر اُنھوں نے کتابوں اور اوراد کی اجازت مانگی اُسکو مولانا نے قبول کیا اور اپنے دستِ مبارک سے لکھکر اُن کو عنایت فرمایا۔ اُنھوں نے اپنی یادگار کے طور پر مولانا کو اپنی دلائل الخیرات جوکہ خط ثلث میں نہایت خوش قلم تھی مولانا کی خدمت میں پیش کی جسپر اخیر میں چند سطر اپنے ہاتھ سے لکھکر بطور طلبِ دعا اور درخواستِ یادگاری دستخط بھی کر دیا تھا +
کرنیل جلال بیگ نے بھی ایک حمائل نہایت عمدہ اور خوبصورت چھاپہ کی مولانا کی نذر کی تھی۔ مولانا مرحوم اُسمیں اسکے بعد پڑھا کرتے تھے۔ انور پاشا کے والد احمد پاشا معمّر اور نہایت سادہ آدمی ہیں اُن کو بزرگوں سے نہایت خلوص و اعتقاد ہے وہ اکثر مولانا کے پاس آیا کرتے تھے۔ علاوہ ان کے صدر اعظم سابق سعید حلیم پاشا اور اُن کے بھائی عباس حلیم پاشا بھی کبھی کبھی آتے اور ملتے تھے۔ جرنیل محمود پاشا جنرل فخری پاشا بھی کبھی کبھی خاص طور سے ملتے رہتے تھے۔ جب خلافت کمیٹی قایم ہوئی اور ہندوستانیوں نے دربارہ خلافت مطالبات شروع کئے اِن لوگوں کی محبت ہندوستانی مسلمانوں سے بہت زیادہ بڑھ گئی تھی۔ چونکہ لندن ٹائمز اور ریوٹر برابر آتا رہتا تھا اور اُس میں تمام خبریں درج ہوتی تھیں اور بہت سے افیسر اُن میں کے انگریزی زبان سے خوب واقف تھے اسلیئے وہ لوگ عموماً اپنے ہندوستانی مسلمان بھائیوں کا شکریہ نہایت محبّت بھرے الفاظ میں کیا کرتے تھے بلکہ چلتے وقت اِن بڑے عمائد نے شکریہ کا ایک محضر بھی بنا کر دیا تھا جوکہ مولانا مرحوم کی بیماری اور مشغولیت کیوجہ سے شائع نہ ہوسکا +

اور بہت سے معزز عہدہ والے لوگ تھے جنکو مولانا سے خاص عقیدت اور تعلق تھا اسمیں سے میجر (بیگباشی) احمد حیدر بیگ نے بہت زیادہ اصرار کر کے بیعت بھی کی تھی۔ عموماً پنج وقتہ ہمارے ساتھ وہ اور قایم مقام (لفٹنٹ کرنیل) محمد توفیق بیگ نماز بھی باجماعت پڑھا کرتے تھے۔ جب مالٹہ سے روانگی ہونے لگی تو تمام افیسر صدر اعظم سے لیکر نیچے کے درجہ تک سب کے سب جمع ہو گئے اور بہت ہی زیادہ محبّت کا اظہار کیا۔ شیخ الاسلام نے خاص طور سے دعا مانگی سب آمین کہتے رہے اور بہت تپاک اور محبّت سے آبدیدہ ہو کر سبھوں نے رخصت کیا۔ وہ مجمع اور وہ سماں بھی عجیب تھا کیونکہ بہت سے ذی وجاہت دنیاوی لوگ وہاں سے روانہ ہوئے مگر ایسا بڑا مجمع اُن کی رخصتی کے وقت اور ایسے ایسے بڑے رتبہ والو

اجتماع اس میت دعا وآمین وغیرہ کے ساتھ کسی کیلئے نہیں ہوا تھا۔ انگریزی افیسر وہاں موجود تھے اس حالت کو دیکھکر نہایت تعجب کرتے تھے ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست　　　گر نہ بخشد خدائے بخشندہ

یہ ہیبت اور دبدبہ حقانی تھا۔ نفسانی نہ تھا۔ وہ شخص جسکی کبھی ... عالمانہ زندگانی کا جامہ نہ پہنتی تھی وہ ہستی کہ جسنے کبھی اپنے آپ کو مسند علم کی صدر نشینی پر پیش نکیا ہو اُسکی لباسی اور عملی کارروائی ظاہر میں ایک معمولی درجے سے کبھی متجاوز نہ ہوتی ہو اُسکو لوگوں کے اختلاط اور مناصب کے حاصل کرنے سے وحشت ہو اُسکی یہ عزت و تمکنت، عام خلق خداوندی میں یہ قبولیت، اگر اُسکے تقویٰ اور للہیت کا اثر نہ تھا تو کس کا تھا۔ ہندوستان میں جو قبولیت مولانا مرحوم کو خداوندکریم نے عطا فرمائی اور جس وقعت سے لوگوں کے دلمیں مولانا مرحوم نے جگہ پائی وہ آفتاب سے بھی زیادہ ظاہر و باہر ہے فرحمہ اللہ وارضاہ۔ آمین ؁

اب میں اس اپنی ٹوٹی پھوٹی تحریر کو ختم کرتا ہوں اور دست بدعا ہوں کہ خداوندکریم اس ناکارہ کو بھی مولانا مرحوم اور اُن کے اسلاف کرام کے طفیل اور اپنے فضل وکرم سے استقامت اور ایمان عطا فرماکر اپنی خاص معرفت سے نوازے اور اسلام اور مسلمانوں پر اور تمام اُمّتِ محمدیہ پر دنیا اور آخرت میں اپنا خاص لطف وفضل بخشش فرمادے آمین۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین ؁

حسین احمد غفرلہ

تذکرہ سوانح شیخ الہند

حضرت الامام مولانا محمود حسن صاحب طاب ثراہ

حامداً ومصلیاً ومسلماً۔ یہ امر روز روشن کیطرح عیاں اور بالکل ظاہر ہے کہ حضرت الحاج زبدۃ الکاملین قدوۃ العارفین خاتم المفسرین فخر المحدثین میر باشیخ الہند مولانا مولوی **محمود حسن** صاحب قدس سرہ کی سوانح لکھنا کوئی معمولی بات اور آسان کام نہیں جو ہر شخص پورا کرسکے۔ ابتدائی واقعات بچپن اور ایام طفلی وعہد شباب کے اعتبار سے یقیناً آپ کا ہم عصر ہونا ضروری ہے جسکو شرف صحبت ورفاقت بھی حاصل ہو لیکن جو اس تمام سوانح کی اصل روح رواں اور واقعی جان ہے (جسکے بغیر جسدٌ بلا روح کالقب دینا صحیح ہوگا) یعنی انتہائی واقعات کے لحاظ سے وہی قلم اُٹھا سکتا ہے جو نظر بندی کے ایام میں شریک مصائب اور حرمین شریفین وغیرہ میں ہمراہ اور مصر ومالٹا میں خود بھی قید ہو۔ آپ ہی خیال فرماکر انصاف کیجئے کہ جو شخص گھر میں آرام کیساتھ اکل وشرب میں مصروف اور صوم وصلوٰۃ میں مشغول اور اپنی میٹھی میٹھی نیند میں مخمور رہا ہو اُسکو مصر ومالٹا وغیرہ کے معرکہ سے کیا واسطہ۔ وہاں کے حالات کی کیا خبر اگر بعض عام باتوں کی اطلاع بھی ہو جاوے تو خاص رموز واسرار سے کیا واقفیت ہوسکتی ہے بیشک لیس الخبر کالمعاینۃ ایک صحیح مقولہ ہے اور اگر کوئی خاص بات بھی معلوم ہو جاوے تو محرم اسرار نہ ہونے کی وجہ سے اُس غریب کو علم نہیں کہ کیا بات ظاہر کیجائے اور کیا نہ کیجائے اور کسکے اخفاء واظہار میں کسقدر منافع اور کیا نقصانات ہیں پھر بلا خوف وخطر اظہار کی جُرأت ہر شخص میں مفقود۔ سب آدمی مرد میدان نہیں ہوتے۔ ہر شخص ہر بات کو جانی خطرہ اور مالی نقصان کے وقت ظاہر نہیں کرسکتا اس کام میں ہمیشہ شجاعت اسلامی وجرأت ایمانی اور بے نظیر بیباکی ودلیری کی حاجت ہے جو اس تاریک زمانہ میں بالکل ہی کمیاب ہے۔ واقعی لا یخافون فی اللہ لومۃ لائم کا ہر کس وناکس مصداق نہیں نیز ماہر علوم عقلیہ ونقلیہ کے ساتھ ہی ذہن ثاقب اور فہم کامل کی بھی حاجت ہے تاکہ واقعات کو میزان عقلی میں وزن اور اندازہ کرکے

ہر واقعہ در محل میں اپنا کمال دکھلا سکے اِن سب اوصافِ حمیدہ کے ساتھ قادر علی الکلام بھی ہو تاکہ واقعات کو شیریں اور نگینی طرز پر دلچسپ بیان کر سکے اور ناظرین کے شوق و رغبت کو زیادہ کر کے صاحب سوانح کی تقلید و اقتداء کا بخوبی شوق پیدا کرا سکے خود نمونہ بنکر اُن کے نقشِ قدم پر چلنے کی تلقین و ہدایت کرے محنت و صبر کرنے کا عادی ہو۔ تہذیب و متانت کو ہاتھ سے جانے نہ دے۔ ساتھ ہی مولانا مرحوم کا رمز شناس بھی ہو۔ ہماری رائے ناقص میں جسپر غالباً تمام مبصرین کا اتفاق ہوگا حضرت مولانا **حسین احمد** صاحب مہاجر مدنی کی ذات والا صفات ہی اس کام کے لئے بہترین انتخاب ہے۔ البتہ سوانح شیخ الہند لکھنا پھر بھی مشکلات سے خالی نہیں کیونکہ حضرت مولانا مرحوم کی ذات قدسی صفات اور آپکے حالات طیبات معمولات و مجاہدات۔ اخلاق و عادات۔ علوم و کمالات۔ تحدیث و تفسیر۔ صبر و شکر۔ رضا و حیا۔ توکل و تحمل شجاعت و استقامت قناعت و سخاوت۔ عبادت و ریاضت۔ شریعت و طریقت وغیرہ وغیرہ کوئی معمولی امور نہیں کہ جنکو ہر کوئی پورا کر سکے کوئی لکھے تو کیا لکھے اور بیان کرے تو کیا کرے۔ البتہ آپکے فیوضات و برکات ظاہری و باطنی سے ہر شخص فیضیاب ہے۔ بقول شخصے ؎

بہارِ عالم حسنش دل و جاں تازہ میدارد
برنگ اصحاب صورت را ببو ارباب معنی را

حضرت مولانا مہاجر مدنی مدظلہ العالی کو حق تعالیٰ جزائے خیر مرحمت فرمائے کہ آپکے قلب مبارک میں اپنے بزرگوں اور دوستوں احباب کے اصرار کے باعث یہ خیال پیدا ہوا مگر تحریکات حاضرہ میں مشغولیت کیوجہ سے کوئی خاص موقعہ میسر نہوا یکایک غیبی سامان پیدا ہوا اور اچانک مولانا ممدوح اسیر مالٹا سے پھر مظلوم فرنگ ہوکر محبوس کراچی ہوئے اس فرصت کو غنیمت سمجھکر جہاں آپنے لا مثل لہ ولا مثال بیانات کراچی[۱] تیار کئے وہاں اس سوانح کا تصور بھی پیش نظر رکھا جو آپ حضرات کے سامنے بعینہٖ موجود ہے۔ کاپی لکھنے کے وقت اسکی تصحیح حضرت مولانا عزیز گل صاحب اسیر مالٹا کے سپرد ہوئی تاکہ تصحیح کیساتھ اس سوانح کی بخوبی تصدیق بھی ہو جائے۔ **شعر**

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر میخواست
آخر آمد زپس پردۂ تقدیر پدید

ضروری نوٹ۔ چونکہ اس کتاب اور نیز دیگر کتب مؤلفہ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدظلہ کا بتمام و کمال منافع ان کے ارشاد اور مشورے سے کسی مصرف میں صرف ہوگا اسلئے کسی شخص کو طبع کرنے اور کرانے کی اجازت نہیں جملہ حقوق طبع بنام احقر محفوظ ہیں +

ابو المتین **محمد مبین** عفا عنہ رب العالمین فی یوم الدین اللہم آمین
خطیب دیوبند خادم آستانہ حضرت شیخ الہند قدس سرہ

[۱] جو طبع ہو گئے ہیں اور خلافت عثمانیہ دار الاشاعت دیوبند سے مل سکتے ہیں ۱۲ مہدی عثمانی

مختصر حالات حضرت مولانا حسین احمد صاحب اسیر مالٹا ثم محبوس کراچی مُولف کتاب ہٰذا

آپکا قدیمی وطن موضع الہ داد پور قصبہ ٹانڈہ ضلع فیض آباد ہے - آپ نجیب الطرفین حسینی سید ہیں آپکے والد بزرگوار صاحب حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب. قدس سرہٗ گنج مراد آبادی کے خاص خلفا میں سے ہیں - آپکے دو بڑے بھائی حضرت مولانا صدیق احمد صاحب اور حضرت مولانا سید احمد صاحب آپ سے پہلے دار العلوم دیوبند پہونچگئے تھے - اُن ہی کی موجودگی میں آپ بھی تشریف لائے اور شیخ الہند مرحوم کی بہت میں علمی فیوضات سے متمتع ہوئے - حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدظلہ کو حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ سے بہت زیادہ اُنس اور خاص محبّت تھی - اس زمانہ کے دیگر موجودہ حضرات کے علم و فضل زہد و تقویٰ کے قائل ہوکر بھی اپنا ماویٰ وملجا حضرت مرحوم ہی کو سمجھتے رہے بیعت کے متعلق بھی کسی دوسری جانب خیال تک نہ تھا - یہی عقیدہ رہا کہ جب کبھی موقعہ ہوگا حضرت شیخ الہند ہی سے بیعت ہوجائیگی جب کبھی حضرت اقدس مرحوم سے تذکرۂ بیعت کرکے غرض کیا تو حسب عادت شریفہ مختلف طرق سے عذر و انکار فرمایا - آخر الامر مولانا حسین احمد صاحب سلمہٗ کا ارادہ اپنے والد ماجد صاحب مرحوم کی ہمراہ ہندوستان سے مدینہ منوّرہ ہجرت کرنے کا ہوا - تو حضرتِ اقدس مولانا مرحوم نے آپکے برادرِ معظم مولانا صدیق احمد صاحب سے تاکید کی کہ گنگوہ میں ان کو بھی داخل سلسلہ کرا دیجئے - مولانا حسین احمد صاحب واقف ہی تھے کہ حضرت اقدس مرحوم بہت ہی کم بیعت فرماتے ہیں اور میرے لئے باوجود کمالِ شفقت کے انکار ہی فرماچکے ہیں بلکہ خود ہی گنگوہ شریف کی طرف راہ نمائی بھی فرمائی ہے! اِدھر گنگوہی قطبِ عالم اعلیٰ حضرت مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہٗ کا دربار گہربار بھی مرجع خلائق تھا اسلئے ماہ شعبان ۱۳۱۶ھ میں گنگوہ شریف حاضر ہوئے - حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے درخواست پر اس گوہر گرانمایہ کو شرفِ قبولیت بخش کر بیعت سے معزز فرمایا اور چونکہ آپ کے والد ماجد مرحوم کا قصد ان ہی ایّام میں ہجرت کا تھا اسلئے گنگوہ شریف کچھ قیام نہ ہوسکا بلکہ اعلیٰ حضرت گنگوہی نے اشغال و وظائف بھی اعلیٰ حضرت اقدس شیخ العرب والعجم حاجی امداد اللہ صاحب (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) سے مکہ معظمہ میں دریافت کرنے کی ہدایت فرمائی آپکے والد ماجد صاحب نے ہندوستان جنت نشان کو چھوڑکر شوقِ قربِ روضۂ اطہر صلی اللہ علیہ وسلم

میں بکمال خلوص اپنے سب اہل وعیال اور پانچ صاحبزادوں اور ایکسال پوتے مولوی وحیداحمد کو
ہمراہ لیکر پہلے مکہ معظمہ کچھ عرصہ کیلئے قیام کیا۔ یہاں **حج بیت اللہ شریف** سے
فارغ ہوکر اپنے جدامجد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر سایہ مدینہ منورہ میں مستقل قیام
اور سکونت اختیار کی۔ مولانا حسین احمد صاحب مدظلہم نے حسب ہدایت حضرت مولانا گنگوہی کے مکہ معظمہ
میں حضرت اقدس شیخ العرب والعجم حاجی امداداللہ صاحب نوراللہ مرقدہٗ کیخدمت عالیہ میں چندروز استفادہٗ
کمالات روحانی فیوضات کیا۔ ذکرواشغال میں مصروف رہکر وہاں سے باجازت رخصت ہوئے۔ پھر مدینہ
منورہ پہونچکر (مسجد نبوی) حرم شریف میں سلسلہٗ درس حدیث مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم جاری کیا
اور اشاعت علم شروع کردی۔ بہت سے مستعد اور ذکی اہل علم طلبہ آپکی خدمت میں تحصیل علم کرنے
لگے۔ اس شغل میں بھی اصلاح باطن کا برابر خیال رہا۔ گنگوہ شریف بعض حالات اور واردات کی
اطلاع دی۔ وہاں سے قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد صاحب نے تحریر فرمایا کہ چندروز کیلئے
میرے پاس چلے آؤ۔ کیونکہ مکہ معظمہ میں حضرت شیخ العرب والعجم حاجی امداداللہ صاحب کی وفات
ہوچکی تھی باوجودیکہ مسند درس پر آپ متمکن تھے اور ترقی روزافزوں پیش نظر تھی۔ مگر حضرت
گنگوہی کے ارشاد۔ پھر اصلاح باطن کا خیال بھی اہم اور ضروری تھا۔ حضرت اقدس گنگوہی رحمۃ اللہ
تعالیٰ علیہ کی محبت نے وہ غلبہ کیا کہ تمام تعلقات کو یکدم چھوڑکر فوراً ہندوستان کا قصد کیا۔ اپنا اندوختہ
سرمایہ تو والد بزرگوار مصارف ہجرت ہی میں صرف کرچکے تھے اور جو کچھ بقیہ تھا وہ بڑے بھائی مولانا
محمد صدیق صاحب لیکر بشوق زیارت بزرگان دین عازم ہندوستان ہوکر ان سے پہلے روانہ ہوچکے تھے
محض توکلاً علی اللہ مولانا نے بھی ارادہ فرمایا اور والد ماجد صاحب سے اجازت حاصل کرکے طالب دعا ہوئے
اور جو کچھ بہت ہی قلیل رقم موجود تھی لیکر متوکلانہ طریقہ پر روانہ ہوئے۔ مولانا کے شاگردوں اور
معتقدوں کی کچھ کمی نہیں تھی۔ لیکن یہ کسکو خبر تھی کہ گھر پر ہوائے سرمایہٗ توکل کے کچھ بھی نہیں اور یہاں
حرف سوال تو کجا اشارہ دکنا یہ بھی خلاف غیرت وحمیت تھا۔ مکہ معظمہ پہونچکر حج بیت اللہ ادا کیا
پھر وہاں سے جدہ پہونچے تو معلوم ہوا کہ بڑے بھائی صاحب انتظار جہاز کی کلفت اور زادراہ کی قلت
سے پریشان ہوکر واپسی کے ارادہ سے مکہ معظمہ چلے گئے۔ مولانا ممدوح ایک آگبوٹ کا ٹکٹ خرید کر

سوار بھی ہو گئے تھے روانگی کا انتظار ہی تھا کہ یکایک معلوم ہوا کہ اُسکی روانگی ملتوی ہوگئی مولانا فرصت کو غنیمت سمجھکر برادرِ معظم کی ملاقات کیلئے مکہ معظمہ واپس تشریف لائے اور اُن کو سفر ہندوستان پر آمادہ کرکے ہمراہی میں مکر جلد واپس ہوئے۔ یہاں پہنچکر سرمایۂ زادراہ ختم ہو چکا تھا اتنا بھی ہر دو کے پاس موجود نہ تھا کہ صرف دخانی جہاز کا ٹکٹ ہی خرید لیں۔ حیران تھے کہ اب کیا کیا جائے مگر شوق سب کچھ کراتا ہے بادبانی جہاز کا ٹکٹ دس دس روپیہ میں لیکر ڈیڑھ ماہ میں مسقط پہونچے وہاں سے دو دو روپیہ دیکر کراچی آئے یہاں تنگ مجبور ہوگئے کہ ریل کا ٹکٹ خریدنے کے بعد ایک پیسہ بھی پاس نہ رہا مدینہ منورہ کا تبرک کھجوریں فروخت کرنے کو دل نے ہرگز گوارہ نہ کیا۔ البتہ مسقط کا حلوہ جو بزرگوں کے لئے ہدیہ کی غرض سے خرید اتھا فروخت کرکے انتہائی ضرورت میں کچھ کھانا خریدا خدا خدا کرکے سہارنپور پہونچے۔ بڑے بھائی صاحب تو براہِ راست گنگوہ چلے گئے مگر مولانا حسین احمد صاحب مدظلہ شیخ الہند کی خدمت میں پہلے دیوبند آئے اور قدمبوسی کے بعد رخصت ہوکر گنگوہ پہونچے۔ قطبِ عالم مولانا گنگوہی قدس سرہ نے نہایت محبت اور شوق سے دونوں بھائیوں کو نئے جوڑے پہنائے جو پہلے سے تیار رکھے ہوئے تھے۔ اور خاص توجہ سے ارشاد وتلقین کرکے باقاعدہ معمولات اور ذکر اللہ میں لگا دیا۔ اور قلیل ریاضت کے بعد ایک روز بعد عصر مجمع عام میں بلاکر بکمال شفقت وعنایت ہر دو بھائیوں کے سر پر خود اپنے دستِ مبارک سے دستارِ خلافت باندھکر انتہائی عزت فرمائی۔ یہ وہ منصب جلیلہ اور خاص مرتبہ تھا کہ حضرت کے خدام میں کبھی کسی کے دل میں اسکا خیال تک بھی نہیں تھا اور مدت دراز کی محنت وریاضت کے بعد کسی خوش نصیب کے حصہ میں میسر ہوتا تھا +

چند ہی ماہ میں غیر متناہی فیوضات وبرکات حاصل کرکے ۱۳۱۹ھ کے آخیر میں پھر ہندوستان سے مدینہ منورہ کی واپسی کا ارادہ کیا۔ حضرتِ اقدس گنگوہی مرحوم سے اجازت لیکے بعد دیوبند تشریف لائے اور یہاں حضرت شیخ الہند مرحوم کی شفقت وعنایت سے مالامال ہوکر روانہ بقصدِ حجاز ہوئے اور بلدۂ طیبہ مدینہ منورہ میں پہونچکر حالت انتظار میں اپنے ضعیف والد ماجد صاحب کی آنکھوں کو منور اور دل کو مسرور کیا اور بدستور سابق مسجدِ نبوی جوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں درس جاری فرمایا۔ چند ہی روز میں بوجہ خلوص نیت اور کمال علم وفضل اور برکت دعواتِ صالحات بزرگانِ دین کے باری تعالیٰ نے وہ ترقی مرحمت فرمائی کہ رشکِ اقران و اماثل اور محسودِ خلائق ہوئے +

سنہ ۱۳۲۵ھ میں مدینہ منورہ کا درس کچھ عرصہ کیلئے ملتوی کرکے حضرت استاد کی زیارت اور تحصیل فیوضاتِ علمیہ کے شوق اور بعض ضروریات کے باعث پھر ہندوستان تشریف لائے اور مسلسل تین سال حضرت کی خدمت میں رہکر فیوضاتِ ظاہری و باطنی حاصل کئے۔ دار العلوم دیوبند میں باقاعدہ درس دیتے رہے اور حضرتِ اقدس مرحوم کے حلقۂ درس میں مکرر ترمذی شریف اور صحیح بخاری پڑھتے رہے آپکی شرکت اور عمدگی سوالات کے باعث حضرت مولانا مرحوم حلقۂ درس میں وہ مضامینِ عالیہ اور علمی نکات بیان فرماتے تھے کہ عام طور سے ذکر فرمانے کی عادت نہ تھی اس سال کا حلقۂ درس مشہور بین الناس ہے
آپکی ہمیشہ عادت تھی کہ اکثر علی الصباح حضرت مولاناؒ کیلئے مسجد ہی میں آبِ زمزم گلاس میں لیا لاتے اور بعد نمازِ فجر باادب پیش کرتے اور مولانا مرحوم خاص محبت سے نوش فرماتے۔

اس طویل عرصہ میں حسب ارشاد حضرتِ اقدس مولانا مرحوم اور باجازت والد ماجد صاحب کے ضلع مرادآباد میں ایک شریف خاندان اہلِ علم وفضل میں مولانا ممدوح نے عقد مسنون شادی بھی کرلی اور اہلیہ صاحبہ کو دیوبند میں حضرت مولانا کے مکان پر لاکر رکھا۔

صاحب کمال شیخ کی خدمتِ عالیہ سے جدا ہونے کو ہرگز دل گوارا نہ کرتا تھا لیکن والد ماجد کی تاکید اور تلامذہ مدینہ منورہ کے اصرار سے مجبور ہوکر شوال سنہ ۱۳۲۹ھ میں مدینہ منورہ پہونچے اور پھر مکہ معظمہ واپس کر حج بیت اللہ ادا کیا اور شروع سنہ ۱۳۳۰ھ میں مدینہ منورہ جاکر بدستور سابق نہایت سرگرمی اور ترقی و شوکت کے ساتھ مسجدِ نبوی میں درس جاری فرمایا مستعد تلامذہ بہت جلد پھر جمع ہوگئے خداوند تعالیٰ شانہ نے علم وفضل کی وہ شہرت عطا کی کہ دیگر اساتذۂ حرم شریف کے حلقۂ درس مختصر رہ گئے۔

چونکہ اہلیہ محترمہ کے والدین سے یہ وعدہ ہو چکا تھا کہ دو سال میں ایک مرتبہ حضرت مولانا مہاجر خود اپنے انتظام سے عزیزہ کو اُنکے خاندان سے ملا دیا کرینگے لہذا حسب ارشاد باری تعالیٰ واوفوا بالعهد۔ ان العهد کان مسئولا ۵ (یعنی اپنا وعدہ پورا کرو بیشک وعدہ کی نسبت سوال کیا جائیگا)۔ مولانا ممدوح سنہ ۱۳۳۱ھ میں اپنے بھتیجے مولوی وحید احمد صاحب سلمہ کو ہمراہ لیکر تیسری مرتبہ پھر ہندوستان تشریف لاکر شیخ الہند کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور صرف آٹھ نو ماہ کے قریب فیض صحبت سے متمتع ہوکر سنہ ۱۳۳۲ھ میں (یعنی حضرت مولانا شیخ الہند مرحوم کے سفر حج سے ایک سال پہلے) اپنی اہلیہ صاحبہ کو لیکر مکہ معظمہ ہوکر مدینہ منورہ پہونچے

اور مولوی وحید احمد صاحب موصوف کو حضرت مولانا کی خدمت میں بغرض تحصیل علم چھوڑ گئے۔ مدینہ منورہ جاکر پھر علم حدیث وغیرہ پڑھانا شروع کیا تھا کہ حضرت مولانا شیخ الہند مرحوم کی اطلاع پہونچی۔ نہایت اشتیاق کے ساتھ انتظار کرنے لگے۔ اور حضرت شیخ الہند مرحوم کو مکان پر نہایت احترام سے لیگئے +

الغرض مولانا مرحوم نے چھ ماہ مدینہ منورہ میں قیام فرماکر جب پھر مکہ معظمہ جانے کا ارادہ فرمایا تو حضرت مرحوم کی خدمت کیلئے آپ بھی مکہ معظمہ تک ہمراہ تشریف لائے +

جب ظالم و غاصب شریف مکہ معظمہ نے حضرت شیخ الہند مرحوم کو حرم محترم میں اسیر کرکے معہ جملہ ہمراہیان کے جدہ روانہ کردیا اور مولانا حسین احمد صاحب مدظلہ کو رہا کرنا چاہا تو مولانا ممدوح نے منظور نہ کیا بلکہ ظالم شریف سے اصرار کیا یہانتک کہ اُسنے آپکو بھی جدہ روانہ کرکے شریک نظربندی کردیا۔ چار سال تک تمام تکالیف و مصائب و آلام میں صدق و اخلاص سے خدمت کرتے رہے اور مولانا مرحوم کی عادت شریفہ کا خیال فرماکر قرآن مجید حفظ کرنا نظربندی ہی میں شروع کردیا اور بعد حفظ تراویح میں سُنایا۔ اِس نظربندی مالٹا کے ایام میں آپکو بہت سے خصوصی مصائب کا سامنا ہوا۔ آپکے والد ماجد صاحب اور ہر دو برادر معظم بخبری کے بے بنیاد شبہات پر گرفتار کرکے ترکی حکومت کی طرف سے اڈریا نوپل بھیجدیئے گئے۔ مستورات بیکس و بے بس تنہا رہ گئیں۔ آپکے والد ماجد صاحب نے بصد حسرت و یاس اُسی جگہ وفات پائی +

اِدھر مدینہ منورہ سے مصیبت زدہ اہلیہ صاحبہ اور صغیر سن لخت جگر پسر (لڑکا) اور دختر (لڑکی) سوتیلی والدہ اور دیگر چند اقارب کی وفات کی جگر خراش خبریں معلوم ہوئیں اور متواتر صدمات پر صدمات پڑتے رہے۔ مگر آپ برابر صابر و شاکر اور ثابت قدم رہے۔ اسی مضمون کو ایک قابل فخر دیوبندی شاعر نے اِس طرح ادا کیا ہے ؎

کیا ٹھکانا ہے حسین احمد کے صبر و شکر کا — آدمی سے جیل جاکر وہ فرشتہ ہوگیا

آپنے بعزم و ثبات صبر و سکون تمام صدمات برداشت کئے اور حضرت اقدس مرحوم کی رفاقت اور ظل عاطفت کو ذریعہ نجات سمجھکر اپنے لئے کافی تسلی اور تعزیت سمجھا +

حضرت مرحوم نے ہر چند سمجھایا کہ گورنمنٹ انگریزی نے مجکو ہی مجرم سمجھا ہے تم بے قصور ہو رہائی کی فکر اور تحریک و کوشش کرو مگر آپ اور دیگر رفقا نے یہی جواب دیا کہ حضرت جان جائے مگر ایسی حالت میں آپکی خدمت اقدس سے ہم ہرگز جدا نہونگے

؎ نکل جائے دم تیرے قدموں کے اوپر — یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

رہائی کے بعد بھی حضرت مرحوم کے ہمراہ سفر و حضر صحت و مرض میں برابر حاضر خدمت رہے۔ مولینا مرحوم کے ارشاد پر اپنی اہلیہ صاحبہ مرحومہ کی ہمشیرہ سے پھر نکاح کیا۔ وفات سے تین یوم پہلے مولینا ابو الکلام صاحب آزاد کی درخواست پر کلکتہ اسلامیہ کالج میں دینیات کا صدر مدرس تجویز کرکے حضرت مولینا مرحوم نے بحالت مرض ہی دہلی سے روانہ کر دیا تھا۔ وفات کا تار پہنچنے پر حیران و پریشان ہو کر بعجلت تمام تشریف لائے مگر دفن سے ایک ساعت (گھنٹہ) بعد پہنچے۔ آپکو اسکا جو صدمہ و قلق اور حسرت و افسوس ہوگا وہ قابل تحریر نہیں۔ پھر کچھ روز کے بعد ملازمت ترک کر دی اور تحریک حاضرہ میں بہت ہی سرگرمی سے حصہ لیا یہانتک کہ مقدمہ کراچی قائم ہو گیا اور ۵ ارماہ محرم سنہ ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۰ ارماہ ستمبر سنہ ۱۹۲۱ء کو حضرت شیخ الہند مرحوم کے مکان سے ظالم گورنمنٹ نے ۴ بجے بوقت عصر وارنٹ کے ذریعہ سے گرفتار کرنا چاہا لیکن باشندگان قصبہ دیوبند کو آپ سے دلی محبت اور انس تھا اور بلا قصور گرفتاری پر لوگوں کو رنج و غم کیساتھ غصہ بھی آیا۔ آپ ہی نے لوگوں کو تسلی و تشفی دی۔ اور منت و سماجت سے دس بارہ ہزار کے مجمع کو سمجھا کر بہت مشکل سے رخصت کیا۔ ادہر مولینا عزیز گل صاحب نے بھی بہت تدابیر اختیار کیں اور پولیس والوں سے وعدہ کیا کہ کل صبح ۹ بجے کی گاڑی سے ہم خود لیجائینگے اور اسٹیشن پر سپرد کر دینگے جب تمام آدمی مطمئن ہو کر چلے گئے تو گورنمنٹ نے ۳ بجے شب کو گھیر لیا اور گورہ فوج بلا کر گرفتار کر لیا افسوس کہ اپنے وعدہ کا کچھ خیال بھی نہ کیا اور ۲۹ ستمبر سنہ ۱۹۲۱ء کو آپنے وہ لا ثانی لہ و لا مثال بیان دیا کہ دیکھنے ہی سے تعلق رکھتا ہے اسکی تعریف میں صرف یہی بات کافی ہے کہ بیان کے اختتام پر رئیس الاحرار مولینا محمد علی صاحب جیسے مسلمہ لیڈر نے آپکے قدم چوم لئے۔ اسکے بعد سیشن جج کے یہاں دوسرا بیان دیا جس نے ایوان حکومت میں زلزلہ ڈالدیا جو بہت ہی عجیب و غریب ہے۔ یہ ہر دو بیانات بھی طبع ہو گئے ہیں۔ انکے علاوہ تقریریں بھی طبع ہو چکی ہیں اور وہ بھی مل سکتی ہیں۔

ماہ نومبر سنہ ۱۹۲۱ء میں آپکو دو سال قید بامشقت کا حکم سنایا گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد کراچی سے آپ احمد آباد کے سابرمتی جیلخانہ میں منتقل کر دیے گئے۔ آپکی ایک مبسوط اور مستقل سوانح عمری کی ضرورت ہے ٭ یہ چند سطریں نہایت مجمل حالات ہیں جو فی الحقیقت ایک مختصر تذکرہ ہے اور آپکی سوانح حضرت مولینا مرحوم کے سوانح کے ساتھ اسی طرح متضمن اور مربوط ہیں جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متبرک سوانح میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مبارک حالات فسلمهم الله تعالى و عافاهم و نصرهم۔ اللهم آمين۔ والسلام

محمد میاں خطیب دیوبند

مختصر فہرست کتب خلافت عثمانیہ دار الاشاعت والتجارت دیوبند ضلع سہارنپور یوپی (انڈیا)

خلافت عثمانیہ دار الاشاعت والتجارت دیوبند سے ہر قسم کی کتابیں اور دیسی چیزیں مثلاً کھدر و چرخہ و جوتہ وغیرہ وغیرہ بہ کفایت مل سکتی ہیں

الابواب والتراجم حضرت الامام شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ کی سب سے آخری تصنیف زمانہ اسیری مالٹا کا نہایت مشغلہ ابتدائی ابواب وتراجم کے متعلق محققانہ وعالمانہ عجیب و غریب مضامین ہیں جن سے علماء طلبہ عربیہ اور اہل تحقیق ضرور طلب فرمائیں۔ اس کتاب مستطاب کو حضرت شیخ الہند مرحوم نے تصنیف فرما کر اہل اسلام پر عموماً اور تمام علماء و طلبا پر خصوصاً بہت ہی بڑا احسان عظیم فرمایا ہے وہ چیدہ چیدہ مشکل مقام جس میں بڑے بڑے علماء و فضلا حیران و پریشان رہتے ہیں اس کو پڑھ کر بالکل سہل اور آسان ہو جاتے ہیں۔ بہت ہی عجیب و غریب اور کارآمد و مفید کتاب لاجواب ہے۔ پس ماندگان کی خدمت کے خیال سے قیمت [illegible]

مقدمہ کلام مجید حضرت الامام شیخ الہند مرحوم نے نظربندی مالٹا کے ایام میں تصنیف فرما کر اور قرآن شریف کی خدمت کر کے اہل اسلام پر احسان عظیم فرمایا۔ اسکے پڑھنے سے کلام مجید کی پوری پوری عظمت و حقیقت معلوم ہو جائے گی اور یہ بھی ظاہر ہو جائیگا کہ ترجمہ قرآن شریف کرنا ہر شخص کا کام نہیں یہ بہت مفید اور کارآمد کتاب ہے۔ زبان سلیس و شستہ عام فہم ہے۔ ہم کو مزید تعریف کی ضرورت نہیں مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید۔ آپ حضرات دعا فرمائیں کہ پورا ترجمہ کلام اللہ بھی جلد شائع ہو جائے ہم بھی سعی کر رہے ہیں درخواستیں جلد ارسال کیجئے۔ قیمت ۸ر

خطبات صدارت و نایاب تقاریر اسیر مالٹا کراچی مصنفہ حضرت مولانا حسین احمد صاحب اسیر مالٹا محبوس کراچی جیل مجموعہ نایاب تقریرات و خطبات صدارت ہے جس کا شائقین کو عرصہ سے انتظار تھا اس میں چیدہ چیدہ تقریریں تمام و کمال درج ہیں۔ اگرچہ اس کے بعض حصص بہت لوگوں نے شائع کر دیئے تھے لیکن ہم نے اس رسالہ کو بالکل مکمل شائع کیا ہے۔ جو دیکھنے ہی سے تعلق رکھتا ہے قیمت ۱۴ر

پہلا بیان کراچی بالمقابل سیشن مجسٹریٹ اس میں حضرت العلامہ مولانا مولوی حسین احمد صاحب اسیر قید فرنگ مہاجر مدنی کا وہ بیان درج ہے جسکو حضرت مولانا نے سیشن مجسٹریٹ کے اجلاس میں بہ مجمع عام علمی قابلیت کے ساتھ بلا خوف و خطر سنایا جسکو سن کر ایوان حکومت میں زلزلہ پڑ گیا ذرا منگوا کر ملاحظہ کیجئے پڑھ کر سلف صالحین کی یاد تازہ ہو جائے گی مردہ دل زندہ

ہوجائیں گے۔ اسکی تعریف صرف اسقدر کافی ہے کہ ایک اختتام پر رئیس الاحرار مولانا محمد علی صاحب جیسے بیچے اور سلم لیڈر نے بیساختہ حضرت مولانا ممدوح کے قدم چوم لئے اور تمام حاضرین نے فوراً جزاک اللہ و مرحبا بلند آواز سے کہا قیمت ۳/

دوسرا بیان کراچی
باجلاس سشن جج

یہ وہی معرکۃ الآراء اور بے مثل دوسرا بیان حضرت العلامہ مولانا مولوی حسین احمد صاحب مدظلہ العالی اسیر مالٹا ملزم مقدمہ کراچی ہے جسکو سنکر تمام حکام دم بخود اور حیران و پریشان رہگئے۔ اسکو پڑھکر حیرت انگیز دلیری و بہادری ہمت ایمانی و جرأت اسلامی پیدا ہوجانا ایک لازمی امر ہے۔ مسائل حاضرہ پر بہت ہی دلچسپ بحث کی ہے جس مسئلہ پر قلم اٹھایا شک و شبہ تک باقی نہیں رہا ایک مرتبہ منگواکر ہماری صداقت آزمائیے۔ عجیب کتاب ہے قیمت ۳/

مکتوبات عمل خطوط کراچی
معہ فتوی مال بدیشی

اس مختصر کتاب میں حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدظلہ العالی کے وہ قیمتی خطوط میں جسمیں نہایت ہی کار آمد باتیں اور مفید نصیحتیں درج ہیں جنکو پڑھکر ہر شخص راہ عمل اور طریقہ نجات معلوم کرسکتا ہے۔ حضرت العلامہ مفتی مولانا محمد کفایت اللہ صاحب صدر جمعیۃ العلماء ہند کا فتوی متعلقہ بدیشی مال بھی اسی مختصر میں ملیگا۔ ہم سے اسکی حقیقت دریافت نہ کیجئے بلکہ خود ملاحظہ فرماکر ہمکو بھی دعائے خیر سے یاد کیجئے۔ قیمت دو آنہ (۲)

تصانیف حضرت مولانا ابوالکلام صاحب آزاد وغیرہ

نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
خطبۂ صدارت تقریری لاہور	۶/	تقاریر مولانا محمد علی صاحب حصہ دویم	۸/	اسیر مالٹا کا پیغام	۹/
خطبۂ صدارت تحریری ”	۶/	خطبہ صدارت دہلی و لکھنؤ	[illegible]	دنیائے اسلام اور خلافت از مولانا سید سلیمان صاحب ندوی	۴/
تازہ مضامین ابوالکلام	۱۰/	تقریر مولانا محمد علی صاحب	عر/	خطبہ صدارت از مولانا آزاد سبحانی	۶/
جہاد اور اسلام ۶/ صدائے حق	۸/	جذبات جوہر نظم ۲/ خطوط جمیل	۲/	ترک موالات دیگر ممالک میں	۱۲/
دعوت حق ۶/ حزب اللہ	۱۴/	درس خلافت مولانا عبدالماجد صاحب	۸/	سمرنا کی خونین داستان	۳/
بائیکاٹ ا/ دعوت عمل	۸/	الانصار ” ”	۸/	واقعہ نجب اشرف	۲/
خطبات سیاست ۸/ الحریت فی الاسلام	۱۲/	المکتوب ” ”	۸/	خون حرمین	۸/
اتحاد اسلامی ۳/ ہندوستان پر حملہ	۳/	تقاریر مولانا ظفر علی خان صاحب ایڈیٹر زمیندار	۹/	سوراج از مہاتما گاندھی صاحب	۸/
مضامین ابوالکلام آزاد حصہ اول	۱۰/	فریاد کعبہ ا/ مکمل مقدمہ کراچی	۲/	جنتم کی بربادی یعنی تحریک ہجرہ کا فوٹو	۶/
تقاریر مولانا محمد علی صاحب حصہ اول	۸/	خلافت اور انگلستان از ڈاکٹر سید محمود صاحب	عہ	مرقع انتخابات احمد آباد	۱۰/

ملنے کا پتہ:- محمد مہدی عثمانی منتظم خلافت عثمانیہ دارالاشاعت والتجارت دیوبند ضلع سہارنپور۔ یو۔ پی۔


3 1761 06991753 2